بسم اللہ الرحمن الرحیم
یوسفزئی قوم کی سرگزشت
مصنف
خان روشن خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوسف زئی قوم کی سرگزشت *

خشی قبائل اور غوریا خیل

یعنی

یوسف زئی، گگیانی، ترکلانی، محمد زئی، داؤد زئی، مہمند
اور خلیل کے صدیوں پر پھیلے ہوئے عظیم الشان کارناموں
اور فتح مندیوں کی حیرت انگیز، مفصل اور تحقیقی سرگزشت

مصنف

خان روشن خان

ناشر

روشن خان اینڈ کمپنی
پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی ۲

کتاب: یوسف زئی قوم کی سرگزشت
مُصنّف: خان روشن خان
ناشر: روشن خان اینڈ کمپنی
پھول چوک۔ جونا مارکیٹ۔ کراچی ۲
مطبع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک۔ کراچی
اشاعت اول: فروری ۱۹۸۶ء
تعداد: دوہزار
قیمت: ۱۲۰ روپے

ملنے کا پتہ
روشن خان اینڈ کمپنی
پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی ۲
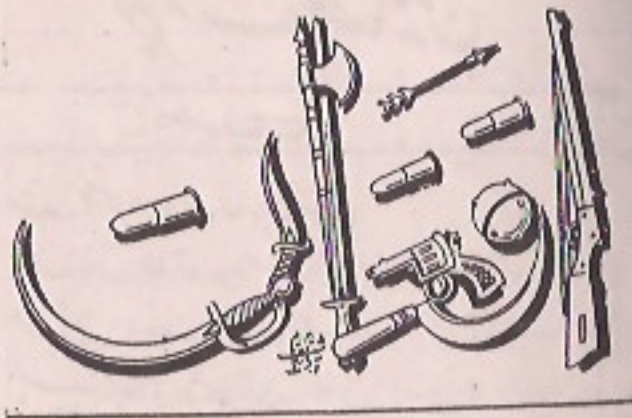
آسیا یک پیکر آب و گل است
ملّت افغان دریں پیکر دل است
در فسادِ او فسادِ آسیا،
در کشادِ او کشادِ آسیا،

(اقبال)

دَ ایشیا خو یو کالبوت دَ آب و گل دے
پښتون قام په دے کالبوت کښې لکه دل دے
دَ پښتون فساد دَ ټول ایشیا فساد دے
که آباد وی دے نو ټول ایشیا آباد دے

ترجمہ
از عبدالرزاق کوثر

فہرست مضامین

مقدمہ

خان روشن خان سے پہلی مرتبہ اس وقت تعارف ہوا، جب تواریخ حافظ رحمت خانی" کا پہلا اردو ایڈیشن چھپ رہا تھا، پھر قرب اس وقت ہوا جب وہ تواریخ کا دوسرا ایڈیشن مرتب فرما رہے تھے اس کی ترتیب وتدوین دیکھ کر میرے قلب پر خان صاحب کی معلومات اور نظر کی گہرائی کا اثر ہی نہیں ہوا بلکہ پٹھانوں کی تاریخ اور اس کی اشاعت سے ان کے ذوق وایثار کا اندازہ بھی ہوا میرے لیے یہ بات مزید حیرت کی تھی کہ تواریخ کے دو ایڈیشنوں کی اشاعت کے بعد ان کا ذوق اور جذبۂ ایثار کم نہیں ہوا بلکہ فزوں سے فزوں تر ہو تا گیا۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان کے ذوق کی تاریخ "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے اردو ترجے کی اشاعت سے کبھی پہلے شروع ہوتی ہے۔ تواریخ کے اصل مخطوطے کی اشاعت میں بھی ان کا ذوق وایثار کار فرما تھا، اس کے اردو ترجے کی تکمیل اور اس کی کل اشاعتیں ان ہی کے ذوق وایثار اور ہمت کا نتیجہ ہیں۔ اصل "تواریخ حافظ رحمت خانی" فارسی آمیز پشتو میں پٹھانوں کی تاریخ، ان کے قبائل کی سیر وگردش اور نقل وحرکت کے باب میں بنیادی ماخذ ہے، لیکن یہ دیار پر پھیلی ہوئی پٹھانوں کی تاریخ کا نہایت مجمل تذکرہ ہے۔ خان صاحب نے اس کے اردو ترجے پر حواشی تحریر فرما کر اس کے تمام تاریخی وسوانحی اشارات اور واقعات کے اجمال کو نہایت مفصل کر دیا ہے۔ لیکن حواشی کے تمام معلومات چوں کہ اصل تاریخ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں اس لیے ان کی حیثیت ایک مرتب اور مبوب تذکرے کی نہ بن سکی تھی اور اصل مخطوطہ چوں کہ تاریخ کے وسط میں ایک ایسے مقام پر ختم ہو جاتا ہے، جہاں شائقین تاریخ اور اہل ذوق کی تشنگی ختم نہیں ہوتی، بلکہ کچھ بڑھ جاتی ہے۔

غالباً اسی تشنگی کا احساس تھا کہ خان صاحب نے پٹھانوں کی ایک جامع تاریخ لکھنے کا عزم کیا ان کے ذوق نے ان کی رہنمائی کی اور "تذکرہ" کے نام سے ۱۹۸۰ء میں پٹھانوں کی ایک جامع ومربوط تاریخ وجود میں آگئی۔ اس کی جامعیت وافادیت کی کسوٹی اگر اس کی مقبولیت کو قرار دیا جائے تو اسے پٹھانوں کی تاریخ کی مقبول ترین کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔ چار سال میں چار ایڈیشنوں کی اشاعت اس کی مقبولیت بر بنائے جامعیت وافادیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اب یہ کتاب ایک بار پھر اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہو گئی ہے۔

"تذکرہ" کے بعد خان صاحب کے تین کتابچے شائع ہوئے۔ یہ کتابچے بھی پٹھانوں کی تاریخ کے ایک پہلو اور بعض شخصیات پر ہیں۔ پہلے کتابچے کا نام اور موضوع "پٹھانوں کی نسلی تاریخ" ہے۔ خان صاحب نے اس کتابچے میں نہایت تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ پٹھان نسلاً بنی اسرائیل ہیں۔ اور ان کے ابو الآبا وہ ہیں جن کے نام سے انھوں نے یہ نام (بنی اسرائیل) پایا، حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام ہیں۔ خان صاحب نے اتنی ہی تحقیق کے ساتھ اس کے مخالف نظریات کی تردید بھی کی ہے۔ یہ کتابچہ بھی اہل ذوق میں بہت مقبول ہوا اور گزشتہ چار برس میں اس کے تین ایڈیشن اور سات ہزار نسخے نکل چکے ہیں ایک اور دلچسپ کتابچہ "ملکہ سوات" کے نام سے ایک نیک دل، شریف اور اولوالعزم پٹھان خاتون کی داستان ہے۔ تیسرا کتابچہ "بابائے قوم شیخ ملی" کے تعارف میں ہے اور اگست ۸۵ء میں ۲ ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر مقبول خواص وعوام ہوا۔

ان کے تاریخی کاموں کے سلسلے کی ایک کڑی "یوسف زئی قوم کی سرگزشت" ہے، جو اس وقت اگرچہ آخری ہے، لیکن خان صاحب کے پیش نظر منصوبہ اور اس کے کاموں کا سلسلہ اور شوق دراز ہے اس لیے اسے آخری نہیں کہا جا سکتا۔

تواریخ عالم میں تاریخ کا وہ دور خاص امتیاز رکھتا ہے، جس کی تزئین وتہذیب مسلمانوں کے ذوق سیاست اور علم وتہذیب کی رہین منت ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں پٹھانوں کی تاریخ اور پٹھانوں کے مختلف خاندانوں میں یوسف زئیوں کی تاریخ دنیا کی شاندار تاریخ ہے جس طرح نسل آدم میں پٹھان اپنی جسمانی، ذہنی، فکری صلاحیتوں اور اخلاق وسیرت کے خصائص

میں امتیاز رکھتے ہیں، اسی طرح پٹھانوں میں یوسف زئی "فخر افاغنہ" اور "زبدۂ" قوم ہیں۔ یوسف زئی
ایک شجر طیبہ ہیں، جس کی شاخیں ایشیا میں جنوب مغرب سے لے کر مشرق میں دور دور تک پھیلی
ہوئی ہیں اور اس کی جڑیں تاریخ کی عمدہ گہرائیوں تک پہنچی ہوئی اور مضبوط گڑی ہوئی ہیں۔ برصغیر
میں مغلوں کی آمد سے پہلے، نہ صرف ان کے قدم یہاں تک پہنچ چکے تھے، بلکہ انھوں نے اپنی سیادت
و ریاست کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ اگر ایک درخت کی خوبی یہ ہو کہ اس کا پھل کام و دہن کو
لذت فراہم کرتا ہے، تو یوسف زئی کے مدبرین اور مردانِ حر نے اپنے فکر و تدبر اور جذبۂ عمل
سے برصغیر پاک و ہند کی تعمیر و ترقی اور جنگ آزادی میں عظیم الشان حصہ لیا ہے اور ملک و قوم
کی رہنمائی کی ہے۔

یوسف زئیوں کی یہ سرگزشت ان کی قومیت کے ابتدائی نقش سے شروع ہوتی ہے
اور تاریخ کے مختلف اور ہزارہا برس کے طویل سفر کے نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی برصغیر میں
۱۹۴۷ء میں آزادی کی جدوجہد کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اختتام کو پہنچتی ہے۔ اور جس طرح ماہ و سال کا سفر
روز و شب کے اجالوں اور اندھیروں کا سفر ہوتا ہے، اسی طرح یوسف زئیوں کی قومی تاریخ کا یہ قافلہ
مختلف نشیب و فراز اور شب و روز کے اندھیرے اجالوں سے گزر کر بیسویں صدی کی دوپہری روشنی
میں پھر نمایاں ہوا ہے۔

یوسف زئیوں کے حالات بہت سی تاریخوں میں موجود ہیں اور ان پر مستقل کتابیں
بھی ہیں، لیکن جس تفصیل اور ترتیب سے اس کتاب میں حالات پیش کیے گئے ہیں، اس کی
مثال نہیں۔

یوسف زئی قوم کی اس سرگزشت میں ان کی مختلف شاخوں، خاندانوں، پورے برصغیر میں ان
کی ریاستوں اور حکومتوں کی تاریخ، مختلف شہروں، بستیوں، تپوں، گاؤں میں ان کی آبادیوں کی
تفصیل و تاریخ، ان کے ساتھ ان سے وابستہ غیر یوسف زئی قبیلوں اور خاندانوں، ان کے اکابر
اور علما و مشائخ کے حالات بھی ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

یوسف زئیوں کی تاریخی عظمت، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں ان کے شاندار کردار،
زندگی کے مختلف میدانوں میں ان کی عظیم الشان خدمات، ان کے خاندانوں کے پھیلاؤ، ان کی

ریاستوں کے قیام کی جد و جہد، ان کی سیرت کے خصائص، ان کی معاشرتی زندگی کے آداب و
رسوم، قوم و ملک کے تحفظ و دفاع میں ان کی بے نظیر قربانیاں، غیر یوسف زئیوں کو ان کی
مصیبت میں پناہ دینے میں ایثار، مخالفوں کے برے وقت میں ان کی امداد و دستگیری کی صفات
اور معذرت اور طلبِ امداد کی صورت میں اپنے شدید دشمنوں کو بھی معاف کر دینے کی خوبی میں
دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

میرا مطالعہ پٹھانوں کی تاریخ کا بہت زیادہ نہیں، لیکن اتنا کم بھی نہیں کہ میں ان کی انفرادی
اور اجتماعی یا قومی سیرت اور اس کے خصائص کا اندازہ نہ کر سکوں۔ میرے مطالعے میں ایسا کوئی
واقعہ نہیں کہ یوسف زئیوں سے ان کے کسی دشمن اور مخالف نے عفو خواہی کی درخواست کی ہو،
امداد چاہی ہو اور انھوں نے اس کے عفو و عذر کو قبول نہ کر لیا ہو اور امداد کے لیے پھیلے ہوئے
ہاتھ میں اپنی امداد و تعاون کا مضبوط ہاتھ نہ دیا ہو اور دستگیری کے طالب کو اس کے برے
وقت میں مایوس کیا ہو۔

میں ان کی تاریخ کے بے شمار واقعات گنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ صرف خٹک قبیلے کے
ساتھ ان کے فراخ دلانہ رویے پر غور کیجیے کہ دونوں میں کتنی شدید لڑائی تھی، لیکن خوشحال خان
خٹک گرفتار ہوئے، اور ان کے قبیلے کو مٹا دینے کے لیے جوں ہی مغلوں کے خطرناک عزائم کا علم
ہوا اور یوسف زئیوں سے امداد کی خواہش کا اظہار کیا گیا، انھوں نے اپنے سارے اختلافات بھلا
دیے، انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن گئے
اور وہ تمام تیر جو ان کے سینے پر چلائے گئے تھے، اپنے سینے پر روک لیے۔

یوسف زئیوں کی ایک اور خوبی، جو ان کی قومی خصوصیت ہے، وہ معاہدات کی سخت پابندی کرنا ہے۔
انھوں نے جب بھی کسی سے کوئی معاہدہ کیا اور پیمانِ وفا باندھا تو اسے آخر تک نبھایا، خود معاہدے
کو توڑنے کا تصور بھی نہ کیا، اپنی طرف سے فریق ثانی کو شکایت کا موقع نہ دیا، اپنا نقصان اٹھا
کر، اپنی قوم کے افراد کو دبا کر رکھا اور جب تک دوسرے فریق نے میثاق کی خود ہی دھجیاں نہ
اڑا دیں اور اپنے قول و فعل سے اپنے تئیں ناقابلِ میثاق و معاہدہ نہ ثابت کر دیا، خود معاہدے
کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کیا۔ لیکن جب فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ توڑ دیا گیا تو وہاں

کی شدید گرفت سے بھی نہ بچ سکا۔

ان کی ایک اور قومی خصوصیت کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا اور جس پر صدیوں کی روایت اور ان کے تعامل نے اپنی مہر ثبت کر دی ہے ۔ یہ ہے کہ جن غیر یوسف زئی قبیلوں اور خاندانوں نے ان کی امان و حفاظت طلب کی اور ان کے ساتھ امن و جنگ کی حالت میں ان کے شریکِ رزم و بزم رہے ، یوسف زئیوں نے انھیں اپنی ہی قوم کا حصہ سمجھا اور کوشش کی کہ انھیں رنج و تکلیف سے بچائیں ، جنگ و جدل میں انھیں الگ رکھیں ، معرکۂ قتال میں انھیں اپنے پیچھے رکھیں ، لیکن مالِ غنیمت اور فوائد میں انھیں برابر کا حصہ دیں اور آرام و راحت میں انھیں ضرور شریک رکھیں ۔ تاریخ کی اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ بندوبست و تقسیم اراضی کے وقت بابائے قوم شیخ ملی نے اپنے معاون اور زیرِ حفاظت غیر یوسف زئی خاندانوں کو بھی ان کی ضرورت کے مطابق زمین میں برابر کا حصہ دیا۔

مغلوں نے انھیں جھکانے ، توڑنے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی بہت کوشش کی ۔ اور تیمور و بابر سے لے کر اورنگ زیب تک ان پر اتنی یلغاریں کی گئیں کہ تاریخ کو بھی ان کی تعداد یاد نہیں ۔ مغلوں کے بعد بھی کوئی دور ایسا نہیں آیا جس میں ان کے وجود و جمعیت کو نشانۂ ستم نہ بنایا گیا ہو لیکن دنیا کی کوئی طاقت اور دشمن کا کوئی حربہ کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا ۔ البتہ اگر انھیں کبھی نقصان پہنچا ہے اور آج بھی ان کے لیے کوئی خطرہ ہے تو وہ ان کا اپنا اندرونی اختلاف اور نااتفاقی ہے ۔

ملک کی آزادی کی جد و جہد میں انگریزوں کے خلاف جنگ اور ان کے مقابلے میں ایثارِ جان و مال کے لحاظ سے پورے برصغیر میں اگر کسی ایک قوم کا انتخاب مقصود ہو اور اس کے لیے خواہ کتنا ہی کڑا معیار مقرر کیا جائے تو پٹھان اس معیار پر پورے اتریں گے اور ان میں بھی یوسف زئیوں کے ایثارِ جان و مال کا پیمانہ سب سے بلند نظر آئے گا۔

آزادی کی جنگ پورے برصغیر میں لڑی گئی ، اس میں بہ قدرِ ذوق و استطاعت سب نے حصہ لیا ۔ اس جنگ کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ہماری تاریخ کا قابلِ قدر سرمایہ ہے ، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بنگال میں سراج الدولہ ، دکن میں ٹیپو اور شمالی ہند میں حافظ

رحمت خان کی شکست نے پورے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا ۔ استعمار کے راستے میں ان تین شخصیتوں کے ہٹ جانے کے بعد پورے برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے والی کوئی قوت نہ تھی ۔ سندھ میں بلاشبہ ان کے عزائم کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی ، لیکن ایک ہی معرکے نے اس کی قسمت کا فیصلہ بھی کر دیا ۔ اس طرح گنتی کے چند معرکوں نے لاکھوں مربع میل کا علاقہ انگریزوں کے زیرِ نگیں کر دیا ۔ انگریزوں کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا اور برٹش استعمار کا جھنڈا مجاہدینِ آزادی کے عزائم پر قہقہے لگا رہا تھا ۔ لیکن اسی سرزمین میں ایک ایسا علاقہ بھی تھا جہاں برطانوی استعماری عزائم کا سرِ پُر غرور خم ہوا تھا ، جہاں استعماری مقاصد وہاں کے باشندوں کے پختہ عزائم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے تھے ۔ یہ علاقہ پٹھانوں کی غیر مسخر سرزمین تھی ۔ اس سرزمین کا چپہ چپہ پٹھانوں خصوصاً یوسف زئی شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہے ۔ اس جنگ میں یوسف زئیوں کے محض چند مدبر اور کچھ اولوالعزم نوجوان ہی شامل نہ تھے بلکہ تمام سرا بنی یوسف زئی اس میں شامل تھے ۔ یہ جنگ یوسف زئی نوجوانوں ، بوڑھوں ، بچوں اور عورتوں ، مردوں ، سب نے لڑی تھی ۔ علاقہ یوسف زئی کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ یہ جنگ ایک ایک درّے پر ، ہر ایک وادی میں اور ہر پہاڑ کی چوٹی پر لڑی گئی اس کے باوجود پٹھانوں کے بے پناہ جذبۂ حریت اور عزائم کی پختگی کو نہ تو انگریز کی آہنی قوت شکست دے سکی اور نہ اس کی ڈپلومیسی مات دے سکی ۔ پٹھانوں کی یہ مقاومت کوئی چند دنوں یا مہینوں کی داستان نہیں بلکہ سو سال سے زائد کے عرصے پر محیط ہے ۔

انگریزوں نے انھیں ان کی اس حریت پسندی کی سخت سزا بھی دی ۔ پٹھانوں کو شکست کے اعتراف پر مجبور کرنے کے لیے انھیں اصلاحات سے محروم رکھا گیا ۔ پٹھانوں کو ان کے قومی خصائص سے دور کرنے کے لیے ان کی سرزمین کو بے نام و نشان رکھا گیا ۔ آج اس کا قرار واقعی اندازہ کون کر سکتا ہے کہ انگریزوں نے ان کے خطے کو بے نام و نشان رکھ کر پٹھانوں کے تشخص کو کیسا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے ۔

اوپر کی سطروں میں پٹھان خصوصاً سرا بنی یوسف زئی کے جن قومی تاریخی اور تہذیبی خصائص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ، یہ کتاب نہ صرف ان کی آئینہ دار ہے بلکہ اس کی خوبیاں اس

سے بہت زیادہ ہیں جن کا اندازہ صرف مطالعے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں پٹھانوں کی ایک خوبی کی طرف قارئین کرام کو مزید توجہ دلاؤں گا۔ فاضل مصنف خان روشن خان نے جابجا اشارے کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین ۔ نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کس طرح پٹھانوں کے مذہبی جذبات کو استعمال کیا اور اس حربے سے ان کے اتحاد و جمعیت کو کیا نقصان پہنچایا۔ پٹھان مذہب کے معاملے میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں اور بدقسمتی سے ان کے اسی جذبے کی آڑ میں انھیں نقصان پہنچایا گیا۔ محمود غزنوی نے انھیں کمزور کرنے کے لیے جس طرح مذہبی جذبات سے کام لیا اس کی تفصیل تذکرہ میں آ چکی ہے۔ بایزید انصاری معروف بہ پیر روشن کی تحریک احیائے قومی کو مذہب کے نام پر جس طرح سبوتاژ کیا گیا، خان صاحب نے اسی کتاب کے ایک مفصل باب میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے خلاف مذہبی جذبات کو جس طرح برانگیختہ کیا گیا، اس پر بھی نہایت فکر انگیز اشارے اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، ان میں انتشار پیدا ہوا، وہ افراط و تفریط کا شکار رہے اور ان کی متحدہ قومی و اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو گئی۔ مجھے امید ہے کہ خان صاحب کی کتابوں، خصوصاً "یوسف زئی قوم کی سرگزشت" کے مطالعے سے، پٹھانوں میں قومی شعور پختہ ہوگا اور یہ احساس ضرور پیدا ہوگا کہ وہ آیندہ اس قسم کے حالات میں مذہب کے نام پر مشتعل ہو کر اپنے ہی اتحاد و جمعیت کو نقصان نہ پہنچائیں گے اور غور و فکر سے کام لے کر ٹھوکر کھانے سے بچ جائیں گے۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

۲۰ جنوری ۱۹۸۶ء

نظرِ اول

خان روشن خان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ ایک تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پختون قوم کی تاریخ کا جس قدر خزانہ ان کے پاس ہے، اس دور میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو۔ اس لحاظ سے خان صاحب کو پختون قوم کا انسائکلوپیڈیا ENCYCLOPEDIA کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم اور ساری قوم خان صاحب پر فخر کرتی ہے۔ ان کی عظمت، علم دوستی اور تاریخ نوازی سے پٹھانوں کی کئی تاریخیں مرتب ہوئیں۔

بابائے صحافت سرحد اللہ بخش یوسفی (مرحوم) کی تصنیف یوسف زئی پٹھان اور سلسلہ تاریخ آزاد پٹھان جلد اول، دوم، سوم اور تاریخ حافظ رحمت خانی پشتو اکیڈیمی نے خان صاحب کے تعاون سے شائع کی اور اب ایک نئی کتاب "یوسف زئی قوم کی سرگزشت" پیش خدمت کر رہے ہیں۔ یہ کتاب مجموعی طور پر یوسف زئی قوم کی تاریخ ہے۔ اس میں بیشتر پہلو ایسے ہیں جو آج کی لکھی ہوئی کئی معروف اور اہم کتابوں میں بھی موجود نہیں۔

خان صاحب تحقیق اور معلومات کیلئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ خاص طور سے سرحد کے آثارِ قدیمہ، پختون قوم کی تاریخ اور شجروں پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ ہر چیز کا کھوج لگاتے ہیں اور کڑی سے کڑی ملا کر ایک مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ ملی پٹھانوں کے عظیم

پیرو گزرے ہیں۔ خان روشن خان نے شیخ ملی پر بڑی تحقیق کی ہے اور ان کی قبر تلاش کرنے میں بڑی محنت اور خاصا وقت صرف کیا۔ یہ تحقیقی مقالہ، تاریخ کے طلبہ، اساتذہ اور سیاحوں کیلئے مددگار ثابت ہوگا اس کی جس قدر تعریف کیجائے کم ہے۔

یہ ایک اعلیٰ درجے کا تاریخی شاہکار ہے جس سے مستقل استفادہ کیا جاتا رہے گا۔ اس سے اردو کے تاریخی ادب میں ایک اعلیٰ سطح کے علمی تصنیف کا اضافہ ہوا ہے۔

خان روشن خان صاحب کے کارنامے پختون قوم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

طارق بن یوسفی

مدیر اعزازی ماہنامہ سرحد کراچی

عرضِ مصنف

ایک عرصہ سے مجھے پٹھانوں کی تاریخ و ثقافت سے نہ صرف دلچسپی رہی ہے بلکہ ان کے مختلف قبائل و عشائر کی تاریخ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے تحقیق کرکے وقتاً فوقتاً شائع بھی کیا ہے اور خوشی کی بات یہ ہے۔ کہ میری ان تحقیقات و انکشافات کی نشر و اشاعت کو علمی اداروں، دانشوروں اور مؤرخوں نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور میری تصانیف کو خوب سراہا۔

میرے دل میں ایک آرزو تھی کہ قبیلہ یوسفزئی سے متعلق تمام ضروری معلومات کو بھی فراہم کرکے اسی انداز سے زیر بحث لایا جائے تاکہ دورِ حاضر کے اس قبیلہ کی نئی نسل کو اپنے آپ کے پہچاننے اور اپنے اسلاف کی زندگیوں کے مختلف شعبوں، اخلاقیات، سیاسیات، نفسیات، اجتماعیات اور نقل و حرکت وغیرہ کی صحیح روش کو جاننے میں جو جو مشکلات درپیش ہیں ان کا حل الگ ایک جامع کتاب کی شکل میں سامنے آئے تاکہ جو غلط بیانیاں وقتاً فوقتاً بعض مؤرخین نے اپنی اپنی تالیف میں اس قوم کے متعلق کی ہیں اور نئی نسل کو غلط فہمیوں میں مبتلا کیا ہوا ہے اس کی تلافی ہوسکے کیونکہ صحافت ہی خیالات کو اُلٹنے پلٹنے کا سب سے مؤثر ہتھیار ہوتا ہے

الحمدللہ کہ میری گذشتہ تصنیفات "تذکرہ"، افغانوں کی نسلی تاریخ اور "ملکہ سوات" جب شائع ہوئیں تو قارئین خصوصاً قبیلہ یوسف زئی نے انہیں بہت مفید اور حوصلہ افزا پایا اور اپنے جذبات کو بے شمار خطوط میں ظاہر کیا جس سے میری اس آرزو کو تقویت ملی۔ یہ بات بہت ہی حوصلہ افزا ہے کہ پڑھے لکھے طبقے کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ ہر قوم نئی نسل پر زندہ رہتی ہے۔

ان واقعات نے مجھے یوسف زئی قوم کی تاریخ کے موضوع پر ایک کتاب لکھنے کی ہمت دلائی۔ جس طرح تاریخ عالم میں افغانوں کی تاریخ کا اہم حصہ ہے اسی طرح یوسفزئی قوم کی سرگزشت "تاریخ افغانان" کا اہم حصہ ہے۔ یوسفزئی قوم نے ہر دور میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں انہوں نے عظیم الشان علمی، ادبی، مذہبی، تاریخی، سیاسی خدمات انجام دی ہیں ان پر تاریخ کے نشیب و فراز کے مختلف دور گزرے ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی سرگزشت انکی عظمت اور فتحمندی کی تاریخ ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب نہیں بعض دوسرے اہل قلم کی تصانیف بھی ہیں ان کا مطالعہ بھی افادیت سے خالی نہیں لیکن ہر تصنیف اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اب جبکہ پچھلے پچیس تیس برس میں حالات میں بڑی تبدیلی آگئی ہے اور اپنے خاص ذہن و فکر کیساتھ ایک نئی نسل میدان عمل میں آگئی ہے ضرورت تھی کہ اس کیلئے اس کے حالات اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تاریخ بھی نئی مرتب کی جائے۔ ایک نئی کتاب کی تالیف کی ضرورت اسلئے بھی ہوتی ہے کہ ہر مصنف کا اپنا اسلوب اور تالیف واقعات کا اپنا انداز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی بھی موضوع پر ایک شخص ایک نسل کے تمام افراد اور ذہن و فکر کی تمام سطحوں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ اسلئے اس موضوع پر لکھنے والے تمام مصنفوں کے کامل احترام کیساتھ میں اپنی اس نئی تصنیف کو پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب کی خوبیوں کے بارے میں میرا کچھ کہنا مناسب نہیں، اسکا فیصلہ قارئین کرام کریں گے البتہ اتنی بات ضرور کہونگا کہ یوسف زئی قوم کی سرگزشت کی اہمیت صرف اتنی ہی نہیں کہ اس میں تاریخ کی بکھری ہوئی تمام معلومات کو مرتب کر دیا ہے بلکہ اسکی اہمیت کے اس پہلو پر بھی نظر رہنی چاہیئے کہ اس میں چند اہم ماخذ سے استفادہ کے بعد بعض اہم تاریخی غلط فہمیوں کو دور اور مشتبہ واقعات و اسماء کی تصحیح کر دی گئی ہے اور بعض اہم تاریخی حقائق کی پہلی بار نقاب کشائی کی گئی ہے۔

روشن خان ولد محمد زمان نوانکلی صوابی، مردان، پشاور

اہم ماخذ

(۱) "تنبیہ الغافلین" بزبان فارسی قلمی تصنیف خیریت خان ولد محمو خان افغان۔
(میر احمد خیل منڈڑ یوسف زئی جن کا خاندان اس وقت مواضعات مرغز، ٹھنڈکوئی (صوابی) میں آباد ہے)

(۲) "سعادت نامہ افغانی" تصنیف سعادت خان ولد ہدایت اللہ خان مطبوعہ ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ھ جس پر یہ نوٹ درج ہے۔

"کتاب ھذا پشاور جیل کے چھاپہ خانہ میں میر اکبر داروغہ کے زیر انتظام مسٹر ہنری بکٹ قائم مقام انسپکٹر مدارس صوبہ سرحد کی ہدایت پر چھاپی گئی لیکن خدا بہتر جانتا ہے کہ مسودہ کتنے عرصہ سے کسی کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ سعادت اللہ خان ولد ہدایت اللہ خان نے لکھی ہے مگر ان کی سکونت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ ایک مدرس سید محمد علی موضع سفید ڈھیری (سپینہ ڈھئی) تہپہ خلیل ضلع پشاور نے اس پر حسب ذیل مختصر تبصرہ کیا ہے"۔

"کتابت کے لحاظ سے یہ کتاب محاورے کے موافق ہے۔ ممکن ہے اس کا مسودہ تہپہ خلیل میں تیار ہوا ہو"

(۳) "تذکرہ اکبر" بزبان پشتو "نظم" تصنیف اکبر کہتے ہیں کہ اس کی قبر موضع دوآبہ مٹہ مغل خیل تحصیل چارسدہ میں ہے۔

(۴) تواریخ افاغنہ جو اب "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے نام سے مشہور ہے۔ تصنیف خواجو متی زئی خلیل جو افغانوں کے اولین محقق و مؤرخ ہیں اور شیخ میرداد متی زئی خلیل کے نسل سے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی تصنیف کے صفحہ ۳ پر خود لکھتے ہیں:-

"قطب الزمان جدی شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی نوراللہ مرقدہ"

اس کے علاوہ عبدالحیٔ حبیبی لکھتے ہیں کہ :-

"تاریخ قبائل خشی و فتوحاتِ آنہاں در وادی ہائے دریائے کابل از خواجو متی زئی (خلیل)" (بحوالہ طبقاتِ ناصری جلد دوم از منہاج سراج تعلیقات عبدالحیٔ حبیبی ص۳۰۳)

پیر معظم شاہ ولد پیر محمد فاضل موضع پیر سباک تعلقہ شہر پشاور لکھتے ہیں کہ :- " حافظ رحمت خان مختلف فنون کی کتابوں اور ہر قسم کے نسخوں کے مطالعہ کی پوری الفت اور بدرجہ اتم رغبت رکھتے ہیں۔ اتفاقاً ایک دن ایک کتاب "تواریخ افاغنہ" کا مسودہ جو نخی اور غوری اقوام کے حالات پر مشتمل اور فارسی آمیز پختو میں بیشتر یوسف زئی کے حالات کا حامل تھا۔ سرکار فیض آثار نواب بہادر خان قوم افغان کے خان غوریا خیل خصوصاً داؤد زئی کے خان مرحوم کے کتب خانہ خاص شہر شاہجہانپور سے پہنچ گیا اور حافظ رحمت خان کی نظر سے گزرا چونکہ حافظ رحمت خان اپنے وقت کے محقق منفرد ہیں۔ اس لئے انہوں نے جب اس مسودے میں بعض واقعاتِ نادرہ اور حکایاتِ عجیبہ کو دیکھا تو انہیں یہ مسودہ بہت پسند آیا۔ مگر چونکہ مسودے کے مُصنّف سے عبارت کی خامیاں رہ گئی تھیں چنانچہ مجھے فرمایا کہ اگر یہ کتاب اس طریقے سے مرتب ہو جائے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں جلدی آجائے اور مقصد بھی فوت نہ ہو تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ چنانچہ اِس اَمر کے مطابق اِس کتاب کا اس طرح اختصار کیا گیا کہ عبارت کم کر دی گئی لیکن عبارت کے معنی اور اس کی جامعیت پر اس کا اثر نہیں پڑنے دیا گیا۔ اس طرح کم سے کم الفاظ میں زیادہ معنی سمٹ آئے ہیں۔ اب اسے "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔" (پیر معظم شاہ)

مندرجہ بالا مذکورہ مآخذ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان جملہ مصنّفین کی تحقیق و تحریر قریب قریب ایک ہی زمانے کی ہے اور بیانات میں بھی کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کتاب ہٰذا "یوسف زئی قوم کی سرگزشت" کی تیاری پر میں نے کئی اور اہم تواریخی کُتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

میجر راورٹی جو ایک انگریز محقق اور مؤرخ تھا "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

---

No 20

''The Tarikh -i-Hafiz Rahmat Khani''

This is a copy of a very unique and rare work, containing an account of the movements of the Yusafsaies and other tribes of Pashtonah. I know but of one copy.

(Sd/-) H.W. Roverty, Captain.
3' Regt. Bombay N.I.

Peshawar, 1862.

P.S. During my forty years researches I have never been able to discover but one copy of this work, viz that from which this is taken. I have translated it and it will be included in my History of the afghans, on which I have been at work for many years past.

(Sd/-) H.W. Roverty, Major.
Bombay Army (Retired)

Milverton, Somerset,
January, 1881.

از
عبدالصمد صاحب
موضع نواں کلی تپہ
رزڑ تحصیل صوابی

د اوسنی پښتون حال

پښتانهٔ د نام ونګـه په قرار دے
خکه کتے د قومونو په دوئ بار دی
چه به ئے نخنیو د تورے هرګزار ته
نن هغه پښتانه قبر کښ ممار دی
په سرو وینو بانړے دوئ کټلے خاورے
هغه خاورے نن په لاسو د اغیار دے
زمانه لعنت په هغه پښتون وائی
د ښمنان چه د دهٔ خاوره کښ واکدار دی
پښتنو د پیا جا کیر منلے نهٔ دے
که مړ شوی شوک په توره یا په دار دی
اتفاق چه د پښتون وو کورنئ کښ
دوئ تیر شوے همیشه په اقتدار دی
اتفاق د پښتنو د کوره لاړهٔ ! ! !
خکه دوئ نن په ملکونو تار په تار دی
د کابل د هغه پاکے خاورے زار شم
چه ئے کانړی ښکے زر راته په شمار دی
هغه سترګے وچیدے نهٔ شی د غمه
چه لیدے ئے د دے خلقو یادګار دی

په تاریخ د روښن خان کښ تکه ستوری
پښتانه تیر شوے هرځائے په وقار دی
د ښاغلی روښن خان تاریخ په کتو!
په چیړو بانړے پاخه بیکل پکار دی!
د سائل عبدالصمد ساده پښتو ته
پښتانه ولاړ چاپیره په قطار دی!
(عبدالصمد)

اظہارِ خواہش — ایک دردمند مگر پُرامید شاعر کی زبانی

ہے میری جرأت اصل اب بھی یہی
دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی
جن میں اُترا تھا ہمارا کارواں!
اب بھی ممکن ہے کہ خالی ہو مکاں!

میری افسردگی حد سے بڑھی ہے
چمن زاروں میں گُل مُرجھا نہ جائے
جگر کو تھام تو رکھا ہے لیکن
میری آنکھوں میں آنسو آنہ جائے

نظمِ خواجو

افغانوں کے اولین محقق و مؤرخ حضرت خواجو متی زئی کی ایک تاریخی نظم

ځار تر خدائے شم په دا هسے قدرتونه
چه آدم حوّا لا نهٔ وو تا هاله کښل قلمونه

قدرتونه دِ ښکاره کړهٔ!
تا پیدا کړهٔ اووه زمکے آسمانونه
دغه زمکے قرار نهٔ کړهٔ!!
تا پرِ کېښول درانهٔ درانهٔ لوئے غرونه
تر دے غرونو ډیر درانهٔ دی،
معتبر دَ دین مړونه!
دَ مړونو ځائے دِ ے جوړ کړهٔ!
دَ کور غارَ، تنګه خونه!
هغه ځائے لرهٔ به ورشو!!!
چه نه لار لری نهٔ دروزنه
یوه ورځ به پکښ بند شو
تر قیامت به پکښ یونه!
لرغونی سړی پوښتی
دَ یوسف زو دوکوم ملکونه
مُلک ئے نیشکئے، مینه ئے ګکارکے!
غوریاخیل کهٔ تر اوسه پیغورونه
غوریاخیله پیغور مهٔ کړه!!!
تهٔ او خیښے یئے سره رو ڼړه!
خیښے ستا له لوسه راغے!!
هاله تهٔ زورآور وے په مړونه

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۱)

اقوام نخے یا نخشے (یعنی خاشی یا خشی قبائل) اور غوریا خیل خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرہ اور ان کے توابع کے اصلی اوطان، وہاں سے اُن کے نقل مکانی کرنے کے سبب، مضافات دارالسلطنت کابل آنے، میرزا الغ بیگ شاہزادہ کی یوسف زئی کے ساتھ مخالفت؛ اس کے ہاتھوں یوسف زئی کے سرداروں کے قتل اور ان کے کابل سے پشاور اور اس کے مضافات کی طرف آمد کے بیان میں جہاں وہ اب متوطن ہیں۔

○

اکثر محققین اور اہل علم کہتے ہیں کہ قوم پختون جن میں یوسفزئی کے آباء واجداد بھی شامل ہیں۔ شام کے علاقہ موآب شرقِ اُردن میں آباد تھے۔ جو بعد میں ان کی سکونت کیوجہ سے یہ علاقہ بنی پخت موآب کے نام سے مشہور ہوا۔ اشوریوں اور بابلیوں کے ہاتھوں بجھتے دربدر ہونے کے بعد دیگرے وہاں سے جلاوطن ہوکر مشرق میں آباد کئے گئے تھے۔ جلاوطنی کا یہ سلسلہ ۷۲۲ برس قبل از مسیح میں شروع ہوا۔ اور تقریباً ۱۸۰ سال تک جاری رہنے کے بعد بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی پر ختم ہوا۔ ان میں سے اکثر شمالی ایران کے علاقہ جات شروان، آرمینیہ، ایشیائے کوچک، گرجستان اور آذربائیجان وغیرہ میں آباد ہوئے۔ اور سترابین میں سے خشی قبائل (جن میں یوسفزئی بھی شامل تھے) آذربائیجان میں دریائے صافی کے دونوں کناروں پر آباد کئے گئے۔ جس کا مرکزی مقام مراغہ تھا۔ مراغہ (اغورہ مرغہ، غوڑہ مرغہ) کے متعلق تواتر سے یہ روایت ہے۔ کہ یوسفزئی اور اُن کے نسبی رفقاء کے آباء واجداد نے شام سے جلاوطنی کے بعد مراغہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور اس کو اپنا وطن بنایا تھا۔ اور ابھی تک خشی قبائل خصوصاً قوم یوسفزئی کے لوگ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ ان کے آباء واجداد غوڑہ مرغہ سے یہاں آئے تھے۔ یہ جگہ وہ فراموش نہیں کر سکے۔

جغرافیہ خلافت مشرقی میں درج ہے کہ " مراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر تبریز سے ۷۰ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور

دریائے صافی کوہ سہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا اس شہر تک پہنچتا تھا۔ اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل اُرمیہ میں گر جاتا ہے۔ مراغہ، قریۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے۔ مراغہ نہایت خوشگوار شہر تھا۔ اس کے گرد ایک فصیل تھی۔ اور فصیل کے باہر نہایت بار آور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پھل جس کیوجہ سے یہ جگہ مشہور تھی۔ ایک قسم کا خربوزہ تھا۔ باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا۔ اور مزہ شہد کا رکھتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کے مستحکم فصیلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز شاداب علاقے تھے۔ جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں"۔

وہاں پر سینکڑوں برس رہنے کے بعد یہ لوگ مجبور ہوکر دریائے سیحون کے جنوبی کنارے (جو اب روس میں شامل ہے) رہائش پذیر ہوئے۔ اور وہ جگہ ان کے گزشتہ مسکن مراغہ کی نسبت سے مرغینان کے نام سے مشہور ہوا۔ کچھ مدت کے بعد یہاں سے پھر جلاوطن ہوکر دشت لوط کے مشرقی جانب پہاڑوں میں یوسفزئی سمیت تمام خشی قبائل کوہ قفس میں آباد ہوگئے۔ اور پھر حمید لودی کے زمانے میں تمام خشی قبائل قندھار کے جنوب کیطرف دریائے خاشی اور نیلکے میں جاکر آباد ہوگئے۔ جس کا مرکزی مقام گارڑے دگر کو یہ تھا۔

چونکہ اس کی پوری تفصیل مکمل حوالہ جات کیساتھ میں نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں دی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہاں پر اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ قارئین کرام تفصیل کیلئے تذکرہ (طبع چہارم) سے رجوع فرمائیں۔

کوہ قفص۔ ایک تاریخچہ

حضرت عمرؓ کے خلافت کے دوران ابوموسیٰؓ نے جب فارس فتح کیا اور کرمان کے آخر میں کوہ قفص پہنچے تو وہاں اُس وقت خشی پختون قبائل آباد تھے۔ جنہوں نے ان کی اچھی طرح آؤ بھگت اور امداد کی۔ اسلامی لشکر کے پاس راشن کی کمی تھی۔ انہوں نے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ذبح کرانے کیلئے پیش کیں۔ اسلامی لشکر کے سربراہ نے قیمت ادا کرنی چاہی۔ تو اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھا کہ بخت (پخت) کے اونٹ ہمارے اونٹوں سے زیادہ موٹے ہیں۔ ان کی قیمت کیا ادا کی جائے؟ جواب ملا کہ قیمت گوشت کے تناسب سے ادا کی جانی چاہیئے۔ چنانچہ اس تناسب سے قیمت ادا کی گئی۔

بخت سے مراد یہاں پخت (پختون) ہیں۔ "تاریخ طبری حصہ سوم خلافتِ راشدہ" نے فتح کرمان کے بارے میں بھی یہ ذکر کیا ہے اس کے بعد اسلامی لشکروں کا کافروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں یہ اُن کی امداد کرتے تھے۔ چنانچہ جب احنف بن قیس خراسان کے امیر مقرر ہوئے۔ تو صغانیہ کے بادشاہ کے مقابلہ میں اُن کے ساتھ ایک ہزار پختون مجاہد اور چار ہزار عرب

سپاہی تھے۔

جغرافیہ خلافت مشرقی نے تشریح کی ہے۔ کہ جیرفت جو کرمان میں واقع ہے، کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبل القفص کہتے تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں اس کے بعید حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے۔ اور بلوص (بلوچ) کے قبیلے اس علاقے کی مشرقی سرحدوں پر جسے بادۂ ایران کا جنوبی حصّہ سمجھنا چاہیئے آوارہ گرد رہتے تھے۔ اس دور افتادہ علاقہ کے ایک حصّے کو الخواش یعنی قبائل خواش (خاشی قبائل) کا وطن کہتے تھے۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتربان تھے۔ اور ایک وادی میں رہتے تھے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے نیشکر کی کاشت ہوتی تھی۔ یہ وادی اس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو بادۂ ایران یا دشتِ لوط کے جنوبی سرے اور مکران کے درمیان پھیل گیا تھا۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے۔

بیان ہوا ہے کہ ہر پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا۔ جو اس پر حکمران تھا۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اس زمانے میں گھوڑے نہ تھے عام طور پر وہ کُرد جیسے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے مالک تھے۔ بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے۔ اوران کے علاقہ میں شہر نہ تھے۔ اس پہاڑی علاقہ کے جنوبی حصّہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھولتے تھے اس علاقہ میں ایک اور شہر منوقان یا منوجان جو جیرفت سے پچاس میل جنوب میں واقع تھا۔ اس شہر کے ایک حصّے کا نام کوئین اور دوسرے کا زامان (زمن۔ زمند) تھا۔ اور ایک قلعہ جواب تک باقی ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں تھا۔ اسی قلعہ میں ایک مسجد تھی

جوسیان کہلاتی تھی۔ (یاد رہے کہ زامن یا زمند ایک سٹرہ بنی افغان قبیلہ ہے۔ جس کی اولاد محمدزئی، ماکتانی، خویشکی، نیکی زئی اور توخی ہیں۔)

آگے لکھتا ہے کہ "جوئے سلیمان کا آباد و معمور شہر ریگان سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا۔ اس شہر کی زرخیز اراضی ایک ندی سے سیراب ہوتی تھی۔ جو شہر میں سے گزرتی تھی۔ شہر کے عین وسط میں ایک مسجد اور قلعہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جیرفت کے اعمال میں شامل تھا"۔

ابن ہوکل ایک اور جگہ کا ذکر کرتے ہوتے لکھتا ہے کہ "کرمان سے سجستان کے دارالحکومت زرنج کو جانیوالی سڑک کے کنارے بالکل بیچ کی منزل پر بادیہ کا تنگ ترین حصہ ایک نخلستان تھا۔ یہاں ایک مختصر سی وادی ہے۔ جس میں چشمے ہیں اور ایرانی اُسے نصرت آباد کہتے تھے۔ اور بلوچ اُسے اسپی یا اسفی کہتے تھے اس مقام کا ایک نام اسپیزا بھی پڑھنے میں آیا ہے۔ یہ اسپی یا اسفی اور اسپیزا ایک ہی نام ہے۔ (یعنی ایسفزئی، یہ وہ مقام ہے جہاں یوسفزئی رہتے تھے)

شیخ حمید کے ابتدائی دور میں افغان قوم کو پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقے پر قبضہ کرنیکا موقع ہاتھ آیا۔ لیکن محمود غزنوی کی مداخلت کے سبب اس کام میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ پھر غوریوں کے وقت میں انہیں پہاڑوں سے نکلنے کا دوبارہ موقع ملا۔ اور وہ اپنے سامنے والے علاقے پر قابض ہو گئے۔ خاشی قبائل اور غوریا خیل کوہ قفص سے اتر کر غوریا خیل تو ارگنداب ترنک، مقر اور قرہ باغ پر قابض ہو گئے۔ جو قندھار سے جنوب

کی طرف واقع تھے۔ اور زمن یا زمند قبائل زمنداور پر قابض ہو گئے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد قبائل زمند علاقہ پشین میں بھی کچھ عرصہ تک آباد ہو چکے تھے۔ لیکن بعد میں کابل کیطرف گئے۔ خاشی قبائل دریائے نیشنک پر جس کا بعد میں نام بھی دریائے خاشی ہوا قابض ہوئے۔ یہ علاقہ بھی نیشنک کا علاقہ کہلاتا تھا۔ اور اس کا صدر مقام گاڑ کے یاگوکویہ تھا۔ شمال کی جانب گلگیانی ترکانی اور جنوب کی طرف جہاں دونوں دریاؤں کا دوآبہ ہے اور علاقہ نیشنک کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر یوسفزئی قابض ہو گئے۔ اور گاڑ کے یاگڑکویہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔

کوہ قفص کی تشریح یوں ہے کہ قفص کے معنی ہیں قید خانہ یا پنجرہ۔ قید خانہ اس لئے تھا کہ یہ لوگ قید کیصورت میں دنیا سے الگ تھلگ سینکڑوں سال رہے۔ اِدھر اُدھر جانا اُن کیلئے محال تھا۔ پنجرہ اس لئے کہ جس طرح پنجرہ میں کوئی پرندہ بند کردیا جاتے تو وہ موذی جانوروں کے استیصال سے بچ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے جیسے وہ قید و بند میں رہے اُس کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی رہے۔

مُصنّف جغرافیہ خلافت مشرقی، خاش اور گوڑکویہ کی تشریح یوں کرتا ہے:-

"دریائے خاش علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکل کر دریائے فرہ اور ہلمند کے بیچ سے گزرتا ہوا جھیل زرہ میں گرتا ہے۔ ابن ہوکل نے اس دریا کا نام نہر نیشنک لکھا ہے۔ نیشنک اس معمور مقام کا نام تھا جو زرنج کے بالکل مشرق میں واقع تھا۔ خواش اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ وہ علاقہ

جو دریائے خاش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا۔ علاقہ نیشک کہلاتا تھا۔ نیشک کے علاقے کا بڑا شہر گرگویہ تھا۔ یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل پر تھا۔ زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی شہر کے نام پر باب گرگویہ (گاڑکے) تھا۔ اور یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔

ے لرغونی سرِی پو ہنتی
دَیوسفزو وُ کوم ملکوته
ملک ئے نیشکے مینه ئے گاړکے
غوریاخیل که تراوسه پیغورونه

یہ وہی مقام اور علاقہ ہے۔ جہاں سے یوسفزئی اور اُن کے متعلقین کابل کیطرف چلے گئے تھے۔

○

کہا جاتا ہے کہ یوسف زئی قندھار کے جنوب کیطرف اور زرنج کے شمال میں مقام گاڑکے (گرگویہ) اور نیشکے میں اور غوریاخیل خصوصًا خلیل مقام ترنک، مقر اور قرہ باغ میں آباد تھے۔ کسی سبب سے ان دونوں میں آپس میں لڑائی ہوگئی۔ غوریاخیل نے سارے خخی (خشتی) کو شکست دے دی۔ اور ملک اُن سے چھین لیا۔ چنانچہ کل خخی (یعنی یوسفزئی، گگیانی اور ترکلانی، بلکہ محمدزئی بھی) اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نشیب کی طرف چل کر کابل آگئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دبدبے اور شوکت کے مالک ہوگئے۔ اور کابل کے مضافات کے تمام حدود کو اپنے زیر تصرف لے آئے۔ کہتے ہیں کہ اُن دنوں مرزا الغ بیگ شاہزادہ ابوسعید تیموری کا بیٹا بہت ہی کم عمری اور خورد سالگی میں محدودے چند مغلوں کے ساتھ ماوراء النہر سے کابل آیا شکستہ حال اور پریشان روزگار تھا۔ اُس وقت تمام اقوام خخی (خشی) کا سردار ملک سلیمان شاہ بن ملک تاج الدین بن ملک قاسم بن روڑ بن منڈ یوسف زئی تھا۔ سلیمان شاہ سے مرزا الغ بیگ کا تعلق ہوا۔ تو دونوں کے درمیان بیحد محبت ہوگئی۔ اُسے بیٹوں کی طرح پالا۔ اور اُس کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ یوسف زئی

قبیلہ گویا کہ مرزا کا لشکر ہوگیا۔ اس پرورش اور تربیت سے سلیمان شاہؒ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے۔ جب بڑا ہو جائیگا۔ بادشاہ بنالوں گا۔ اس کی حکومت میری ہو جائیگی۔ اس طرح خخی (خشی) بالخصوص یوسف زئی بہت معزز اور صاحب جاہ ہو جائیں گے۔ ایک روز مرزا الغ بیگ سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ادھر سے شیخ عثمان بن موتی اوساخیل ملی زئی خواجہ زئی کا گزر ہوا۔ شیخ عثمان اس زمانے کے صاحب کشف بزرگ اور مشاہیر اولیاء میں سے تھے۔ اور یوسف زئی کے لوگ اُن کے بہت گرویدہ اور معتقد تھے۔ شیخ عثمان نے مرزا مذکور کو سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھا تو ملک سلیمان شاہ سے فرمایا۔ "ملک صاحب یہ کیا کر رہے ہیں؟" سلیمان شاہ نے جواب دیا "یہ شہزادہ ہے کھلاتا ہوں۔ اگر بادشاہ ہو جائے۔ تو اس کی سلطنت میری ہو جائے گی۔ اور میری قوم اس سے معزز اور موقر بن جائیگی"۔

شیخ نے فرمایا کہ "اس نوخیز نوجوان کی آنکھیں دشمن کی آنکھوں کی طرح ہیں"۔

ملک سلیمان شاہ نے کہا "شیخ جیو! ایسا نہ فرمائیں یہ باتیں آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور کو اس کا علم ہو جائے۔ بادشاہ لوگ کسی کا احسان فراموش نہیں کرتے۔ یہ بادشاہ زادہ ہے جب بادشاہ ہو جائیگا اختیار میرے ہاتھ میں آجائے گا۔ جس سے میری قوم محترم ہو جائیگی"۔

شیخ نے فرمایا کہ "بہت اچھا ملک صاحب! میں نے تو خبردار کیا۔ آگے آپ کی مرضی، پھر نہ کہنا کہ آپ نے کہا نہیں تھا"۔

ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ مذکور کو بطریق مسطور پال پوس کر

بڑا کیا۔ اور اس کی کما حقہٗ تربیت کر کے کمال تک پہنچایا۔ بعد ازاں اُسے کابل کا بادشاہ بنایا۔ خطبہ اور سکہ اس کے نام کے جاری ہوگئے مستقل بادشاہ بن گیا۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہوگئی۔ مغل بھی اطراف و جوانب سے آکر اکٹھے ہو گئے اور کابل پایۂ تخت ہوگیا۔ اس وقت تک تمام کاروبارِ حکومت سلیمان شاہؒ کے ہاتھ میں تھی۔ بہ ایں وجہ یوسف زئی صاحب جمعیت بن گئے اور کابل میں انہیں پورا تسلط ہوگیا۔ اور معاملاتِ حکومت میں رسوخ پیدا کر لیا۔

جن ایام میں مرزا الغ بیگ کابل کا بادشاہ ہوگیا۔ تو بڑی جمعیت اور دبدبہ پیدا کیا۔ اور ملک تاج الدین روڑ کے چھ بیٹے تھے۔ جن میں سے ہر ایک نامی وگرامی تھا۔ پہلا ملک سلیمان شاہ تھا جو سالہا سال تک خشی قبائل کی مسندِ ریاست و امارت پر پورے استقلال کے ساتھ متمکن رہا۔ دوسرا سلطان شاہ تھا۔ جو ملک سلیمان شاہؒ کا باپ جایا بھائی اور ملک احمد کا باپ تھا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ ملک احمد یوسف زئی کے ممالک کا فاتح اور عظیم الشان ملک تھا۔ بلکہ خخے یا خشے کے تمام ممالک کا فاتح تھا۔ اس کے حالات اپنے محل میں ذکر کیے جائیں گے۔ تیسرا بہرام تھا۔ جو تاجروں اور راستوں کے کاروانوں سے محصول وصول کر کے جمع کرتا تھا۔ چوتھا خیر الدین تھا اور پانچواں عیسٰی، جس کا قائم مقام اس کا بیٹا پائندہ تھا جسے انتہائی زور و قوت اور جسامت کی عظمت کے سبب لوگ ہاتھی کہتے تھے۔ اور اس کا چھٹا بیٹا نیکی تھا۔

یوسف زئی اور گگیانیوں کی مخالفت

فاطمہ نامی سلطان شاہ کی بیٹی اور ملک احمد کی بہن تھی۔ یہ نہایت حسین وجمیل اور کنواری تھی۔ جسے شبلی ابن توری اور حسن ابن چنگا کے عزیزوں میں سے کسی کے ساتھ منسوب کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ شبلی ابن توری اور حسن بن چنگا دونوں چنگازی موسیٰ زئی گگیانی تھے۔ اور اس وقت گگیانیوں میں سرداری اور ملکی انہیں دونوں کی تھی۔ مرزا الغ بیگ کے ہاں بھی یہ دونوں بہت پیش پیش تھے۔ اور مرزا الغ بیگ اُن پر حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ دونوں لوگوں کی چغلیاں کھانے میں مشہور تھے۔

فاطمہ کی نسبت کا وعدہ ابراہیم بن گدائی بن تاجے الیاس زئی یوسف زئی سے بھی کیا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فاطمہ کی نسبت کا وعدہ اب ایک گگیانی سے کر دیا گیا ہے۔ تو اس نے اسے اغوا کر لیا اور کابل سے کورمہ لے آیا۔ جو خیشکیوں کا مقام و مسکن تھا۔ [1]

گگیانیوں نے اُسے سلیمان شاہ وغیرہ یوسف زئیوں کی ملی بھگت سمجھا۔ اسی سبب سے گگیانیوں کی نیت یوسفزئیوں

---

[1] فاطمہ کی بطن سے ابراہیم یوسف زئی کی اولاد اس وقت ضلع بنوں میں ایک معزز خاندان کی صورت میں آباد ہے اور ابراہیم کے بھائیوں کی اولاد گدائی زئی کے نام سے بونیر میں آباد ہے۔

کے حق میں خراب ہوگئی۔ مگر یوسف زئی چونکہ ہر طرح سے غالب اور صاحب قوت تھے۔ اس لئے گگیانی ان پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یہ کسی طرح قابو میں آجائیں۔ اور اگر موقعہ ہاتھ لگے تو یوسف زئیوں کے ساتھ بُرا سلوک کریں۔ ادھر مرزا الغ بیگ بھی جب مستقل بادشاہ ہوگیا تو یوسف زئی کی طرف سے اس کا خیال بدل گیا۔ یوسف زئی ہر حیثیت سے غالب تھے۔ وہ مرزا الغ بیگ کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ملک سلیمان شاہ اور اس کی قوم یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ اس وقت یوسف زئیوں کا ظلم و تعدی بھی کابل شہر اور دیہات میں حد سے زیادہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ سپاہی، شہری اور عوام ان کے ہاتھوں اپنی زندگی سے تنگ آگئے تھے۔ بد اخلاقی، دست درازی، شراب خوری اور دوسرے فسق و فجور کے کام ان کا پیشہ بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرکت یا مرگٹ کا بیٹا اسماعیل بیج پاؤ الیسوڑی زئی نوری زئی یوسف زئی کی بدمستی اور شراب نوشی کا یہ عالم تھا۔ کہ اصیل اور عزت دار لوگوں کو زبردستی پکڑ کر شراب کے ایک پیالے کے عوض فروخت کر دیتا تھا۔ کابل کے بازار میں دھونس اور دھاندلی سے چیزوں کے نرخ کم کر کے انہیں خرید لیتا تھا۔ اور کوئی بھی اس کی روک تھام نہیں کر سکتا تھا۔

گگیانی قوم پر مرزا الغ بیگ کی چڑھائی

الغرض ایک طرف تو یوسف زئیوں کا زور اور ظلم وستم انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ مگر کسی کو ان سے بازپرس کی جرأت نہ ہوتی تھی دوسری طرف فاطمہ کے اغوا کے واقعے کے سبب یوسف زئی اور گگیانی کے مابین منازعت شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گگیانیوں کی طرف سے بھی دست اندازی ہونے لگی۔ اور ایک مستقل فتنہ قائم ہوگیا۔

مرزا الغ بیگ اور مغلوں کو اس سے نہایت خوشی ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان نفاق کا بیج پڑ گیا۔ مخالفت پیدا ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ دشمنوں کیطرح الگ ہوگئے۔

مرزا الغ بیگ کا خیال تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اس طرح دونوں اس کے محتاج ہوکر قابو میں آجائیں گے۔ اُس نے اپنے سرداروں سے بھی مشورہ کیا اور کہا کہ اچانک فوج کشی کر کے پہلے گگیانیوں پر ہلّہ بول دینا چاہیے۔ اور انہیں تاخت و تاراج کردینا چاہیے۔ یوسف زئی اور گگیانیوں کی مثال دو بازوؤں کی ہے۔ ایک بازو ٹوٹ جائیگا۔ یعنی گگیانی زیروزبون ہوجائیں گے۔ تو یوسف زئی بھی ہمارے محتاج ہوجائیں گے۔ کیونکہ وہ تنہا رہ جائیں گے۔ گگیانیوں پر چڑھائی اور انہیں تاراج کرنیکا یہ مشورہ مرزا نے ملک سلیمان شاہ کے ساتھ بھی کیا۔ ملک سلیمان شاہ ایک جہاندیدہ اور دوربین شخص تھا۔ اس نے ظاہر میں تو مرزا الغ بیگ کی ہاں میں ہاں ملادی مگر اس کا دل گگیانیوں کے قتل وغارت پر راضی نہ تھا۔

چنانچہ جب مرزا الغ بیگ لشکر لیکر گگیانیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اور سلیمان شاہ کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے خفیہ طور سے گگیانیوں کو اطلاع بھیجدی کہ مرزا الغ بیگ تمہیں تاخت و تاراج کرنے آرہا ہے۔ وہ تمہیں تباہ وبرباد کردیگا۔ تم خبردار رہو اور اپنی قوم کو اس سے بچاؤ۔ گگیانی یہ خبر ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر دوسرے مقام کو چلے گئے۔ مرزا الغ بیگ جب وہاں پہنچا تو گگیانیوں کو وہاں نہ پایا جس سے اُسے بڑا صدمہ پہنچا۔ اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے گگیانیوں کو پہلے ہی سے اطلاع دیدی ہے۔ اس لئے وہ اپنی جگہ سے بھاگ گئے ہیں۔ تو لشکریوں نے کہا۔ واللہ اعلم کس نے انہیں اطلاع دی۔ اب گگیانی لوگ ایسے مقام کو پہنچ گئے تھے۔ کہ مرزا ان کا پیچھا کرسکتا تھا۔ اور نہ ان کو قابو میں لاسکتا تھا۔ آخر مرزا الغ بیگ وہاں سے مایوس اور شرمندہ اُلٹے پیروں واپس آیا۔

کابل پہنچ کر اس نے بہت کھوج لگایا۔ اور تحقیق کی کہ آیا ان کی یلغار سے گگیانیوں کو کس نے مطلع کردیا تھا۔ آخر جب چند دن گزر گئے تو گگیانیوں نے بیوفائی کر کے مرزا الغ بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں آپ کی یلغار کی اطلاع آپ کے مدارالمہام ملک سلیمان شاہ نے دی تھی۔ اس نے اپنا ایک معتمد شخص تیز دوڑا کر بھیجا اور ہمیں حقیقت حال سے آگاہ اور واقف کردیا۔ اس لئے ہم اپنی جگہ سے بھاگ گئے اور تمام اثاثوں کے ساتھ ایسی جگہ چلے گئے جو آپ کے دسترس سے باہر تھی۔ اس وجہ سے آپ ہم پر قابو نہ پاسکے۔ یہ بات سننے کے بعد مرزا اور دوسرے مغلوں کی آزردگی ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم سے حدِکمال کو پہنچ گئی۔

سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم کے ساتھ مرزا الغ بیگ کا بغض و حسد انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ رات دن ان کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اور اپنے مقربین کے ساتھ ہر وقت خلوت و جلوت میں مشورے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن مرزا نے گگیانیوں میں سے موسیٰ زئی کے دو سرداروں حسن ابن چینگا اور شبلی ابن توری کو جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اپنے حضور بلاکر صلح کرلی اور انہیں قسم قسم کے اعزازات و مدارات سے سرفراز کرنے کے بعد کہا کہ میں تمام افواج کے ساتھ تمہارا مددگار و معاون ہوں۔ اور یوسف زئی سے بیزار ہوگیا ہوں مجھے اُن کا اعتبار نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم جاکر اپنے لشکر کو جمع کرو اور پوری مستعدی کے ساتھ یوسف زئی قوم سے جنگ کے لیے نکل آؤ۔ ہم تمہارے ساتھ شامل حال ہوجائیں گے۔ یوسف زئی تمہارے بھی دشمن ہیں اور میرے بھی۔ جب بھی بس چلے ان کی رعایت نہ کرو اس پر فریقین نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں۔ اور قول و قرار ہوا۔ مرزا نے کہا کہ پہلے تم یوسف زئی کے مقابلے میں نکلو، جنگ شروع کرو۔ میں بھی فوراً اپنی جمعیت کے ساتھ پہنچ جاؤں گا۔

بالآخر گگیانیوں کے ملک مرزا الغ بیگ سے رخصت ہوکر اپنی قوم میں پہنچ گئے۔ جو کابل کے نواح میں آباد تھی۔

یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ

گگیانی اپنا لشکر جمع کرکے پوری طرح تیار ہوگئے تو یوسف زئی کے مقابلہ میں جنگ کیلئے میدان میں نکل آئے۔ حسب قرارداد مرزا

الغ بیگ بھی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آکر گگیانیوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور ہیئت اجتماعی کے ساتھ یوسف زئی کی طرف بڑھنے لگے۔ کچھ گگیانی فوج سے آگے نکل گئے اور یوسف زئیوں کے مویشی پکڑ لائے۔ یوسف زئی کو اطلاع ملی تو جگہ جگہ سے مسلح ہوکر ان کے تعاقب میں نکلے۔ گگیانیوں نے یوسف زئیوں کا لشکر دیکھا تو گگیانیوں کا اور مغلوں کا لشکر چار صفوں (قطاروں) میں تقسیم ہوگیا۔ یوسف زئیوں نے انہیں چار صفوں میں دیکھا تو خود بھی چار صفیں بنائیں۔ اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر مقابلے اور مقابلے کی نیت سے آمنے سامنے آگئے۔ اور دونوں لشکروں کے درمیان عظیم جنگ واقع ہوگئی۔ لیکن یوسف زئی ان پر ایسے ٹوٹ پڑے اور مردانگی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مغل اور گگیانی دونوں کو مغلوب کرکے شکست فاش دیدی۔ بہت سے مغلوں اور گگیانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میدانِ جنگ جو کابل کے نزدیک ایک سبزہ زار تھا۔ مغلوں اور گگیانیوں کے مقتولین کے خون سے سرخ اور تر بتر ہوگیا۔

الغرض جب مرزا اور گگیانی دونوں شکست کھا گئے تو مرزا کابل لوٹ گیا۔ اور گگیانی اپنی اپنی بستیوں میں چلے گئے۔ مرزا اس واقعہ پر بیحد شرمندہ تھا۔ اسے اس شکست پر بہت ملال ہوا۔ اس کے دل میں یوسف زئیوں کے خلاف غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس نے حسن بن چینگا اور شبلی ابن توری گگیانی سے کہا کہ یوسف زئیوں کے نیست و نابود اور قتل کی فکر پھر سے کرنی ہے۔ حسن اور شبلی نے اُسے مشورہ دیا کہ یوسف زئی نرمی اور دلاسے کے بغیر قابو میں نہ آسکیں گے۔ آپ ان سے صلح کی بات چیت کریں۔ اور آشتی کا رویہ اختیار کریں۔ اس طرح شاید وہ

دھوکہ کھا جائیں۔ اور آپ کے ہاتھ آجائیں۔ مرزا نے کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ صلح کرلوں اور مدارات و ملائمت سے انہیں یہاں لے آؤں تو ان کی ہڈی کون توڑے گا۔ اور کون انہیں قتل کریگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ عذر و معذرت اور دلاسے سے ان کے سرداروں اور جوانوں کو بلالیں۔ پہلے انعام واکرام سے نوازیں۔ پھر انہیں قابو میں کرکے ان کے ہاتھ بندھوالیں۔ اور ہمارے حوالے کردیں۔ ہم انہیں تہہ تیغ کردیں گے۔

جب مرزا اور گگیانیوں کے سرداروں حسن اور شبلی وغیرہ کے درمیان یہ بات طے پاگئی اور وعدہ مستحکم ہوگیا تو مرزا نے عذر و معذرت شروع کی اور یوسف زئی کے سرداروں کو ایسے خطوط لکھے جو لطف و مہربانی اور انعام واکرام کے مضامین پر مشتمل تھے۔ یہ خطوط اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ بھیج دیئے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ:

"میں نے آپ کے کردہ و ناکردہ اور دانستہ و غیر دانستہ تمام گناہوں کو اپنے خلوص و صفائے قلب سے معاف کردیا۔ بس آپ لوگ آئیں اور صلح و آشتی کے ساتھ یگانگت کے تعلقات کو ایک دوسرے کے ساتھ پھر مستحکم کردیں۔ اور جس طرح پہلے اخلاص و محبت سے باہم زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی طرح پھر زندگی گذاریں"!

مرزا نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ کچھ نقد روپے بھی بطور تحفہ بھیج دیئے۔ مرزا کے آدمی پُرخلوص اور محبت آمیز خطوط اور گراں قدر رقومات کے ساتھ یوسف زئی کے پاس پہنچ گئے۔ تو یوسف زئی کے سردار مرزا الغ بیگ کے فریب میں آگئے۔

اور اس ضرب المثل کیمطابق کہ:-

ع زر بلا دی اصیل بندہ کا !
چہ طمع نہ وی پہ شاھانو بہ خندہ کا

"زر ایسی بلا ہے جو اصیل اور شریف کو غلام بنادیتی ہے اور جس میں طمع نہ ہو وہ بادشاہوں پر بھی ہنستا ہے"!

یوسف زئی سردار ان خطوط اور رقومات سے ایسے متأثر ہوئے کہ انہیں آپس میں تقسیم کرلیا اور اصل منصوبے سے غافل ہوکر ان کے جال میں پھنس گئے۔ یوسف زئی خوش ہوکر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کتنا اچھا ہوا کہ مرزا اور گگیانیوں کو شکست بھی دی۔ فتح بھی ہمیں نصیب ہوئی اور مرزا ہمارا پھر محتاج ہوگیا۔ اب منت سماجت اور زاری والحاح کے ساتھ ہمیں بلاتا ہے۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ اب وہ ہمارے ساتھ یقیناً اچھا سلوک کریگا۔ آخر اس بلاوے پر یہ بے عقل یوسف زئی راضی ہوگئے۔ اور مرزا کے اخلاص پر اعتماد اور بھروسہ کرلیا۔

سلیمان شاہ یوسف زئی سرداروں کی ایک جماعت کیساتھ مرزا کے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوکر مرزا کی خدمت میں کابل پہنچ گئے۔ مرزا بھی اپنے امیروں سمیت یوسف زئی کے ملکوں کے استقبال کیلئے نکل آیا تھا۔ اور پوری عزت کیساتھ انہیں اپنے محل میں اتارا۔ اور درجہ بدرجہ قیمتی خلعتیں پہنائیں۔ اور رحم وافر مرحمت کی۔ مہربانیوں اور شفقتوں بھری توجہ مبذول فرمائی۔ جب تک یوسف زئی سرداروں کی جماعت مرزا کے حضور میں رہی۔ مرزا روزانہ ان کی مہمانی میں مصروف اور محفلیں

منعقد کرتا رہا۔

اتفاق سے اس موقع پر بعض خوش رنگ اور من چلے دلیر نوجوانوں نے جو یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شہزادہ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ اپنی تلواریں اور پیش قبضیں نیاموں سے نکال کر دیواروں اور ستونوں پر ضربیں لگاتے اور بدتمیزیاں کرتے رہے ان کی یہ حرکت شہزادہ اور دوسرے مغلوں کو بہت بری لگی۔ مگر یوسف زئی کے خوف اور لحاظ سے قطعاً دم تک نہیں مار سکتے تھے۔ اس واقعہ سے مرزا الغ بیگ اور مغلوں کا جذبۂ قہر و غضب یوسف زئی کے حق میں اور بھی تیز ہوگیا۔ مگر چونکہ یوسف زئی سب کے سب مسلح ہو کر آئے تھے۔ اس لئے مرزا اور مغلوں کا ان پر بس نہ چل سکا۔ مرزا مصلحتاً بھی خاموش رہا۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور اُن کے گھروں کو رخصت کیا۔

چونکہ یوسف زئی سردار بےحد سرفرازی کے ساتھ اپنی قوم میں لوٹ کر گئے تھے۔ اور وقتی طور پر بہت خوش تھے۔ اس لئے پہلے سے بھی زیادہ بدمست اور متکبر ہو گئے۔ اور عاقبت نااندیشی میں اور بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے۔

مرزا الغ بیگ کا یوسف زئیوں کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا

چند دنوں کے بعد مرزا نے دوسری بار عذر خواہی کی بنیاد رکھتے ہوئے ملک سلیمان شاہ اور دوسرے یوسف زئی سرداروں

کے نام اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ:۔

"میں نے شاہی ضیافت کرنے اور آپ سب کو ہر کسی کی شان کے لائق اعلیٰ خلعتوں اور بڑے بڑے انعامات دینے کا دل میں فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ آپ سب حاضر ہوجائیں تاکہ ہر ایک کو شاہی مرحمتوں سے سرفراز کروں۔"

جب یوسف زئی کے کان میں یہ بات پہنچی تو اپنی بے عقلی اور بے فکری کے سبب امیدواری کے شوق و مستی میں ایسے مستغرق ہوگئے کہ مرزا الغ بیگ کے عزائم اور اس کے ارادوں کو نہ بھانپ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں سردار، ملک اور یا کوئی دلیر جوان تھا، حتیٰ کہ بوڑھے اور بزرگ تک سب کے سب جمع ہوگئے۔ اس طرح یوسف زئی کے سات سو مشہور و معروف معززین کابل کیلئے روانہ ہوگئے۔

مرزا کے دیار (یعنی حدود شہر) میں پہنچے تو مرزا کے آدمیوں نے اُنہیں بتایا کہ مرزا نے حکم دیا ہے کہ کوئی تیغ و اسلحہ کے ساتھ شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے جس کے پاس اسلحہ ہے وہ یہاں چھوڑ دے۔ تب شہر میں قدم رکھے۔ اور آداب و تسلیمات بجالائے۔ اگرچہ یوسف زئی کا ہر شخص مسلح تھا لیکن ہر طرح سے مطمئن اور بے فکر، اس لئے ہر ایک نے حسب امر اپنے اپنے ہتھیار وہیں چھوڑ دیئے۔ شرائط تسلیمات بجالائے اور خالی ہاتھ شہر میں داخل ہوگئے۔

مرزا نے سارے ملک صاحبان پر شفقت فرمائی، اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے تمام خوانین اور اُمراء کو جو اس وقت حاضر تھے۔ یہ حکم دیا کہ وقت بے وقت ہوگیا ہے۔ (دیر

ہوگئی ہے) اس لئے چاہیئے کہ یوسف زئیوں کو تقسیم کر کے
اپنے اپنے گھروں کو لیجاؤ۔ اور ان کی بے مثال ضیافت
کرو۔

چنانچہ ان سات سو یوسف زئی معززین کو اپنے اُمراء اور خوانین
میں تقسیم کر دیا۔ اور یوسف زئیوں سے کہہ دیا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ
اس وقت میرے امراء تمہیں آپس میں تقسیم کر کے ہر ایک الگ الگ
تمہاری ضیافت کریگا۔ اور میزبانی کے فرائض انجام دیگا۔ تم ایک
ایک امیر کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ سات سو یوسف زئی مختلف مغل
امیروں کے ساتھ ہولئے۔ اور وہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں لے
گئے۔ مہمانی کے بہانے سے جگہ جگہ اپنے گھروں میں بٹھا دیا۔

اس کے بعد مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور خان سے جاکر
کہا کہ تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھ کر
حاضر کرو۔ چنانچہ ان تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کیطرف باندھ
دیئے گئے چونکہ وہ مختلف امیروں کے گھروں میں منتشر، غیر مسلح
اور بے خبر و بے پرواہ ضیافت کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ اس لئے وہ
اپنے بچاؤ کیلئے بھی کچھ نہ کر سکے۔ مغل اُمراء اور خوانین ان سے کہتے
تھے کہ ہم نے تمہیں باندھ دیا تو کیا ہوا۔ تم فکر نہ کرو مرزا پھر تم
پر مہربان ہو کر تمہیں ضرور رہا کر دیگا۔

کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگۂ یوسف زئی کو باندھنا

غرض یہ کہ ملک سلیمان شاہ کے سوا ان تمام سات سو یوسف زئیوں

کے ہاتھ مرزا کے اُمراء نے پیچھے کی طرف باندھے اور مرزا کے دربار
میں حاضر کیا۔ ملک سلیمان شاہ کو اس لئے نہیں باندھا تھا کہ
مرزا اس کا زیر بارِ احسان تھا۔ اور اس کے مرتبے کی بہت رعایت
اور لحاظ کرتا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ جب یوسف زئی باندھ لئے گئے تو مرزا نے حکم
دیا کہ انہیں دست بستہ لے آؤ اور ان کے بعد ان کی گردنیں اُڑا دو
چنانچہ مرزا کے خوانین اور اُمراء نے سات سو یوسف زئیوں کو
دست بستہ مرزا کے دربار میں حاضر کر کے کھڑا کر دیا۔ ملک سلیمان شاہ
آزاد مگر بہت حیران و پریشان تھا۔ یوسف زئی اور مرزا کے درمیان
پھرتا تھا۔ اور یوسف زئی کی رہائی کے لئے مرزا سے گڑ گڑا کر سفارش
کرتا تھا۔

مرزا اس وقت دیوان خانے سے دور کسی دوسری جگہ چھپ
کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں یوسف زئی رانڑے زئی کے پانچ
چیدہ لوگ جن میں ایک ملا حسین رانڑے زئی اتمانزئی کا فرزند کوشو
بھی تھا، ان حالات سے بے خبر اچانک یوسف زئی سے ملنے
آئے اور ان دست بستہ یوسف زئیوں میں گھر گئے۔ بعض یوسف
زئیوں نے اُن سے کہا کہ "بندگانِ خدا! تمہیں ہمارے پاس کون
سا گناہ لے آیا۔ انہوں نے جو یہ حالت دیکھی تو حیرت زدہ اور سراسیمہ
ہوگئے۔ مغلوں نے جوں ہی انہیں دیکھا، ان پانچوں کے ہاتھ بھی
پیچھے کیطرف مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے۔
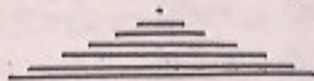
شیخ عثمانؒ اوساخیل ملی زئیؒ یوسف زئیؒ کا مکاشفہ

حضرت عمدۃ الاولیا، شیخ عثمان بن موتی اوساخیل ملی زئیؒ بھی ان مظلوموں میں دست بستہ کھڑے تھے۔ انہوں نے ان پانچوں واڑے زئیوں کو آواز دی کہ "خدا تمہیں کہاں سے لے آیا" انہوں نے عرض کیا کہ "ہماری قوم یہاں آئی تھی۔ ہم اُن کے پیچھے آگئے ان حالات سے آگاہ نہ تھے"۔ شیخ عثمان نے کہا کہ میں نے جن سات سو یوسف زئیوں کو دیکھا تھا کہ سب ایک ہی جگہ قتل کر دیئے گئے ان میں تم نظر نہیں آئے تھے۔ پھر تمہیں کہاں سے خدا لے آیا۔ انہوں نے پھر یہی کہا کہ قوم سے ملنے کے خیال میں آگئے تھے۔ ہمیں حالات کا کچھ بھی علم نہ تھا۔

القصہ جس دن مرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کا انتظام کیا گگیانیوں کے سردار بھی موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے چیدہ سات سو مردانِ یوسف زئی، دست بستہ تمہارے حوالے ہیں۔ اور لاف زنی بھی تم ہی نے کی تھی۔ کہ پہلے ہم ان کا زور توڑیں گے۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو اور اپنا عہد پورا کرو باقی سب کی گردنیں میرے جلّاد اُڑا دیں گے۔

آخر گگیانیوں کے ملک اور مرزا کے جلّاد ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں لیئے اُن دست بستہ مظلوموں کے طرف بڑھے۔

ملک سلیمان شاہ نے بہت دوڑ دھوپ کی اور یوسف زئی کی رہائی کیلئے مرزا کی بہت منت سماجت کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

سلیمان شاہ زار و قطار روتا ہوا اس درمیان میں پھر رہا تھا۔ آخر مرزا نے اس سے کہا کہ ملک صاحب! آپ کیوں آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ کو تو قتل نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ کو تو معاف کر دیا گیا۔ اِس لئے کہ آپ تو میرے باپ ہیں۔

سلیمان شاہ نے کہا کہ میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر ایک بات کی حسرت رہ گئی۔ وہ یہ کہ جب تم بچے تھے ایک دن میرے زانوں پر بیٹھے تھے اور میں تمہیں کھلا رہا تھا۔ ہمارے شیخ عثمان نے تمہارے متعلق ایک بات کشف سے مجھ سے کہی تھی۔ اور اس حال سے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہ دن آپہنچا اور میں نے تمہارا حال دیکھ لیا"۔ مرزا نے کہا کہ تم مت ڈرو تم میرے باپ ہو"۔ سلیمان شاہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں اپنی گود میں کھلایا۔ اپنے زانو پہ بٹھا کر بڑا کیا۔ تمہیں بادشاہ بنایا۔ تمہارے ساتھ بہت سی نیکیاں کیں۔ اور تم نے بھی مجھے باپ بنایا تھا۔ تمہارے ذمے میرے بہت سارے حقوق ثابت ہیں۔ ان کا لحاظ کرو۔ اور اِن لوگوں کو قتل نہ کرو۔ اور اگر میرے ان حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو میری تین عرض ہیں وہ ضرور قبول کرو۔ مرزا نے پوچھا وہ تین عرض کون کون سی ہیں۔ کہو۔

ملک سلیمان شاہ نے کہا:-

(۱) پہلی عرض تو یہ ہے کہ مجھے سب سے پہلے قتل کرو کہ میں انہیں اپنے سامنے قتل ہوتا ہوا نہ دیکھوں۔ اور ان کے خون کا گناہ میرے ذمے نہ ہو جائے۔ کیوں کہ شیخ عثمان نے مجھے تمہارے اس حال سے خبردار کیا تھا۔ اور میں نے نہیں مانا تھا۔ تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تا آنکہ تمہیں بادشاہ بنا دیا۔

(۲) اور دوسری عرض یہ ہے کہ میری جگہ میرے بھتیجے ملک احمد سلطان شاہ کے فرزند کو جسے باندھا گیا ہے بخش دو۔ اُسے قتل نہ کرو۔

مخفی نہ رہے کہ ملک احمد بن سلطان شاہ بن ملک تاج الدین اس وقت تقریباً پندرہ سال کا بے ریش نوخیز نوجوان تھا۔ بچپن ہی سے رشد و قابلیت کے آثار نمایاں اور بزرگی و ریاست کے اطوار اس کی پیشانی میں جلوہ گر تھے۔ بے انتہا عقل و فراست کا مالک، خوش بیان اور بلا کا مقرر تھا۔ اس لئے ملک سلیمان شاہ اُسے اپنے سگے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور اس نے اس کی اچھی تربیت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُسے بھی وہ اس دفعہ اپنے ساتھ مرزا کے سلام کے لئے لایا تھا۔

(۳) تیسری گذارش یہ ہے کہ ہم سات سو افراد جو یہاں موجود ہیں۔ احمد کے سوا سب کو قتل کرو۔ لیکن اس کے بعد یوسف زئی قوم سے تعرض نہ کرنا۔ قتل و غارت قید و بند سے باز رکھنا۔ اور ہمارے بعد یہ لوگ جہاں جانا چاہیں اُنہیں جانے دینا۔ کوئی روک ٹوک نہ کرنا اور ان پر کوئی پابندی نہ لگانا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت ملک سلیمان شاہ ملک احمد کی رہائی کیلئے مرزا سے عرض کر رہا تھا۔ اس وقت حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گگیانی مرزا کے پاس حاضر تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سلیمان شاہ کی عقل ماری گئی ہے۔ کور چشم ہے۔ اپنے آپ کو نہیں بچاتا۔ کہ ساری قوم کا سہارا اور آبادی کا باعث ہے۔ اور احمد کی رہائی کی درخواست کر رہا ہے۔ جو ابھی ناپختہ ذہن اور ناتجربہ کار بچہ ہے۔ یہ قوم کی کیا راہنمائی کرے گا۔

ملک سلیمان شاہ نے یہ بات سنی تو اُن سے کہا کہ میں اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں۔ اور احمد ابھی نوخیز جوان ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ قوم کو ضرور بچا لے جائیگا۔

الغرض مرزا الغ بیگ نے سلیمان شاہ کی تینوں باتیں قبول کرلیں۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا ملک صاحب میں نے تمہاری تینوں عرض قبول کرلیں اسیطرح کروں گا۔ اس نے احمد کو زندہ چھوڑ دیا۔ اور اس کی جگہ ملک سلیمان شاہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ ملک مذکور اُن دست بستہ لوگوں میں چلا گیا جو قتل کئے جانے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ کیا ہم میں سے آج کا دن کسی صاحب کشف اور باطن کے سوا کو نظر نہیں آرہا تھا۔ کیا ہم میں کوئی ایسا صاحب بصیرت نہیں تھا جو ہمیں آج کے دن کی تباہی سے بچاتا!

شیخ عثمان علیہ الرحمتہ نے یہ بات سنی تو اُن سے کہا تم اپنے ملک سے پوچھو کہ میں نے آج سے بہت پہلے اس سے کہا تھا؛ میں نے اسے اس واقعے سے آگاہ کر دیا تھا یا نہیں؛ ملک سلیمان شاہ نے کہا: شیخ سچ کہتے ہیں بے شک انہوں نے مجھے اس حال سے آگاہ کیا تھا لیکن میں نے ان کی بات کی پرواہ نہیں کی تھی۔ آج یہ دن ہے جس کی یہ خبر دے رہے تھے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے بعد شیخ عثمان نے بلند آواز سے کہا:

"چہ دا دود مې ولید و بلنا کہ نے او ریدہ
دنداۓ پہ کړه نے لاس نہ رسیدہ"

(کہ یہ منظر ہم دیکھ رہے تھے اور شور و فریاد سن رہے تھے

مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا۔)

شیخ عثمان نے مزید کہا کہ جو واقعہ میں دیکھ رہا تھا وہ پیش آگیا۔ پھر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے میں تور نامی قوال بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ حالانکہ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ کیسی بات ہے۔ اچانک اسی گھڑی تور قوال بھی وہاں پہنچ گیا۔ تور سیر کیلئے قندھار گیا ہوا تھا۔ عین اُسی وقت دربار میں داخل ہوا۔ اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جونہی دور سے دکھائی دیا شیخ نے کہا کہ دیکھ لو وہ تور قوال بھی آگیا اور اس واقعے میں ہمارے ساتھ شریک ہوگیا۔ اب ہمارے قتل کیے جانے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ وہ واقعہ سچا تھا۔ بالتحقیق اسی شکل میں دیکھ رہا تھا جیسا کہ سامنے آیا۔

تور قوال یوسف زئی کے نامی اور مشہور شیخوں اور درویشوں میں سے تھا۔ اور ملی زئی میں رہتا تھا۔ اِس وقت بھی یوسف زئی میں ایک گروہ اس کی اولاد سے موجود ہے جو قوال خیل[1] کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

قصہ مختصر جب گگیانیوں کے سردار اور مرزا کے جلاد یوسفزئی کے قتل کرنے کیلئے ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ تو سب نے تلواریں سونت لیں۔ اسی حالت میں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گگیانی نے ملک سلیمان شاہ کو یہ شعر سنایا:۔

لکه وایو هسے دینه — لاس ترلي خدائے داکړي

اوس به مو وژنو لکه پسونه

---

[1] قوال خیل اسوقت عاشزئی کے موضع ایلئی بونیر میں آباد ہیں۔

ترجمہ:۔ جیسے ہم کہتے ہیں ویسے ہی واقعہ ہے۔ کہ دست بستہ خدا نے تمہارے حوالے کر دیا۔ اب ہم بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کریں گے۔

ان کے جواب میں ملک سلیمان شاہ نے یہ رباعی کہی:۔

کۀ جنګ وے په برغونه ؛ تۀ به راغلے په مړونه
لکه ئے لاس ترلي دد کړو ؛ اوس مو وژنه لکه مېږونه

ترجمہ:۔ گگیانیو! اگر میدان میں زورِ بازو کی جنگ ہوتی تو تم کبھی مردوں کی طرف رُخ نہ کرتے۔ مگر اب جب کہ دست بستہ ہم تمہارے حوالے کر دیئے گئے ہیں تو اب بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کرو۔

اس کے بعد پہلے حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری نے ملک سلیمان شاہ کا سر قلم کر دیا۔ اور بعد ازاں انہوں نے دوسروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ بہت سے معززین اور نامی گرامی لوگوں کی گردنیں اڑائیں۔ اور پھر مرزا کے جلادوں نے ہر طرف سے تلواریں چلانی شروع کر کے سب کی گردنیں اڑا دیں۔ شیخ عثمان کی گردن مار کر سرتن سے جدا کر دیا گیا۔ مگر خدا کے حکم سے بہت دیر تک جنبش کرتا رہا۔ اور زبان سے حق حق کی آواز بلند ہوتی رہی اس کا جسم بھی کافی دیر اسی جگہ سر بریدہ کھڑا رہا۔ کہ کئی بدبخت جلادوں نے ہاتھ سے زور کے ساتھ دھکا دیکر زمین پر گرا دیا اس کے بعد سر حرکت کرنے اور زبان حق حق کہنے سے رک گئی۔ شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کے مشاہدے سے جلادوں پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ کوثر ابن ملاحسین رانڑے زئی اتمانزئی کے قتل کی نوبت آئی۔ اور جب

جلاد نے شمشیر براں سے زور کے ساتھ اس کی گردن مارنی چاہی تو تلوار بالکل کارگر نہ ہوئی۔ جلاد حیران و پریشان رہ گیا۔ کہ یہ کیسا بزرگ ہے۔ کہ تیز دھار تلوار کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا۔ آخر وہ جلاد فی الفور مرزا کے پاس گیا۔ اور شیخ عثمان کے تن اور سر اور کوثر بن ملا حسین کی گردن پر تیز دھار شمشیر کے اثر نہ ہونے کیمتعلق عرض کیا۔ مرزا حیران ہوا مگر کہنے لگا تم جھوٹ بولتے ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مرزا نے جلاد کے ساتھ اپنا ایک معتمد آدمی بھیجا تاکہ وہ لوٹ کر مرزا کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرے۔ جلاد نے اس کے سامنے کوثر پر پھر تلوار چلائی لیکن ان کے خراش تک نہ آئی۔ مرزا کے آدمی نے آکر اُسے بتایا کہ جلاد سچ کہتا ہے۔ میرے سامنے اس نے کوثر کی گردن پر تلوار چلائی مگر تلوار کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر مرزا نے حکم دیا کہ کوثر کو لے آؤ اس کیلئے امان ہے جب مرزا کے آدمی وہاں جاکر اُسے چھوڑنے لگے تو کوثر نے کہا کہ مجھے تنہا مت چھوڑو، اگر میرے ان چار ساتھیوں کو بھی جو میرے ساتھ آئے ہیں، چھوڑتے ہو تو مجھے بھی چھوڑ دو اور اگر انہیں نہیں چھوڑتے تو مجھے بھی نہ چھوڑو۔

مرزا کے آدمیوں نے پھر اس کے پاس جاکر ان کا حال بیان کیا۔ مرزا نے کوثر کو ان کے چاروں ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح مہلکۂ عظیم سے کل چھ افراد کوثر، اس کے چار ساتھی اور احمد بن سلطان شاہ، ملک سلیمان شاہ کے بھتیجے کے سوا ان سات سو آدمیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ سب کو شہید کر دیا گیا۔

سلیمان شاہ ملک تاج الدین کا بیٹا تھا۔ اور ملک تاج الدین بڑا عالی جاہ اور صاحبِ شوکت مرد تھا۔ جس زمانے میں خاشی قبائل۔ یعنی یوسف زئی، گگیانی اور ترکانی قندھار کی نواحی وادی گار کے، پیشکے اور دریائے خاش دلہنڈ کے گرد و نواح میں سکونت پذیر تھیں۔ سب اس کی تابع اور فرمانبردار تھیں۔

غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو مرزا الغ بیگ نے حکم دیا کہ ان تمام مقتولین کو شہر کابل سے باہر لیجا کر دفن کیا جائے۔ چنانچہ اُس کے حکم کے مطابق تمام مقتولین کو کابل سے دو تین تیروں کے فاصلے پر شرق اور شمال کے درمیان موضع سیاہ سنگ میں دفن کر دیا گیا۔ لوگ اس مدفن کو "شہیدان یوسفزئی کا احاطہ" کہتے ہیں۔ اور آج تک معلوم و مشہور ہے۔ اور شیخ عثمان بن موتی اوسا خیل ملی زئی قدس سرہٗ کی قبر بھی وہاں معروف اور مشہور ہے لوگ ان کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ اور اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ کل چھ افراد بچ کر اپنی قوم میں پہنچے۔ اور باقی تمام یوسف زئی سردار اور نوجوان شہید کر دیئے گئے۔ یوسف زئیوں کے لئے وہ دن گویا قیامت کا دن تھا۔ ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

مرزا نے اس وعدے کیمطابق جو اس نے ملک سلیمان شاہ سے کیا تھا۔ یوسف زئیوں کے اہل و عیال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ البتہ ایک فوج اس غرض سے بھیج دی کہ ان کے علاقے کو تاخت و تاراج کرے۔ اور ان کے مال و مویشی لے آئے یہاں تک کہ پہنے ہوئے کپڑے بھی اتروالیے جائیں اور انہیں تہیدست و برہنہ کر کے چھوڑ دیا جائے اور وہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ

لشکرگیا۔ اور اس کے حکم کیمطابق عمل کیا۔

یوسف زئیوں سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا۔ اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس حادثے میں کسی کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ البتہ موسٰی ابن ایسکو اکوزئی کا خزانہ محفوظ رہ گیا ازاں بعد انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ ان کی سمجھ میں جو آئیں کریں۔ اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں، جائیں۔ کوئی ان کے مانع نہیں آئے گا۔

الغرض جب ملک احمد پانچ نفر رڈھرے زئیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو تمام یوسف زئی جو اپنے گھروں میں تھے۔ اور زندہ بچ نکلے تھے۔

فی الفور جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ اس کے بعد ہمارے لئے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ہمارا آب و دانہ ختم ہوگیا ہے۔ اب یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ جب اس پر یوسف زئی متفق ہوگئے تو آستانہ دار مشائخ سے عرض کیا۔ کہ آپ حضرات فرمائیں کہ یوسفزئی کا ملک کونسا ہے۔ اب ہم کہاں جائیں!

شیخ زنگی ابن ملا خلیل ماڈڑی زئی خوازہ خیل (اللہ اُن پر ان کی قبر روشن کرے) جو اس وقت یوسف زئی کے آستانہ داروں میں کشف وکرامات میں مشہور اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے یوسف زئیو! جاؤ ہمارا ملک سوات ہے۔ اللہ تعالی ہمیں عطا فرمائیگا۔ مگر سوات میں باڈوان کے مقام پر زاؤ کی ڈھیری (مٹی کا ٹیلہ) ہے۔ وہ میرا شکرانہ کر کے مجھے دیدو۔ چنانچہ انہوں نے زاؤ ڈھیری کے نام پیران کا شکرانہ کیا۔ اور اس وعدے پر سب نے دعائے خیر پڑھی۔ پھر سارے یوسف زئیوں نے ملک سلیمان شاہ کے فرمودہ کے

مطابق جو انہوں نے شہادت کے وقت کہا تھا کہ یوسف زئی کی سرداری ملک احمد کی ہو۔ یہ قوم کے وجود اور عزت کو برقرار رکھے گا۔ اور ان کی تعمیر کرلے گا۔ ملک احمد کو اپنا سردار بنالیا۔

ملاحسین ابن اتمان ماڈڑی زئی اتمان زئی، کوٹھر کے والد یوسف زئی مستجاب الدعوات تھے۔ ملاحسین کا گھرانہ یوسف زئیوں میں اب تک آستانہ دار تھے۔ کوئی بھی اہم معاملہ ہو اور ان کے گھرانے کا آدمی حاضر ہوگا تو اس میں کامیابی کیلئے دعا وہی کرے گا۔ ملاحسین کی احمد بن سلطان شاہ کے حق میں دعا کے بعد یوسف زئی بڑے شاد وآباد ہوگئے تھے۔ اس لئے یوسف زئی اس کی اولاد کی دعا کو نیک فال سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی مہم یا ضرورت پیش آجاتی ہے تو اس سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ ملاحسین کے گھرانے کے فرد ہیں ہمارے لئے دعا کریں۔ کہ اللہ ہماری حاجت پوری فرمائے۔ ملاحسین کی اولاد آج تک موجود ہے۔ جو حسین خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ اس وقت موضع بٹ خیلہ ضلع سوات میں آباد ہیں۔

غرض یہ کہ ملاحسین جرگہ یوسف زئی کے درمیان سے اٹھے۔ اور ایک شاخ (چھڑی) کاٹ کر احمد کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دی۔ کہ جاؤ میں نے تمہیں قوم کا سردار (ملک) بنا دیا یہ ملکی اور سرداری تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد ہر شخص نے ملک احمد کو سردار بننے کی مبارک بادی اور دعائے خیر کی۔

اس دن کے بعد سے ملک احمد ساری یوسف زئی قوم کا سردار بن گیا اور ملک سلیمان شاہ کی جگہ یوسف زئی کی سرداری کی مسند پر متمکن ہوگیا۔ اور دن دگنی رات چوگنی اس کی ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ وقت

وحشت کی معراج پر پہنچ کر عظیم الشان ممالک کا فاتح بنا۔ اس کے تفصیلی حالات مناسب موقع پر بیان کر دیئے جائیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ یوسف زئی بالکل خوار و زار اور حیران و پریشان ہو کر نواح کابل سے بچے پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارے یہ لوگ قطعاً بے زاد و راہ۔ خالی ہاتھ، بغیر باربرداری کے، پیدل، تھکے ماندے تھے۔ مغلوں نے انہیں ایسا تاراج کیا تھا۔ کہ کسی کے پلے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ مگر اللہ پاک کے حکم سے موسیٰ ابن ابکو ابن سہیل ابن بازید ابن اکو یوسف زئی کا خزانہ باقی رہ گیا تھا۔ موسیٰ یوسف زئی میں بڑا نامدار سردار گزرا ہے۔ اور اس کی اولاد میں بھی پشت در پشت سرداری چلی آئی ہے۔ چنانچہ موسیٰ خیل[1] اس کی نسل سے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم تاراج سے بچا لیا تھا۔ اس لئے کوچ کرتے وقت اسے اپنے ساتھ اٹھا کر کے لے آئے۔ موسیٰ نے اپنی رفیقۂ حیات سے کہا کہ ہمارا خزانہ اللہ نے اس ہمہ گیر تاراج میں بچا لیا۔ اور باقی قوم کا خزانہ لوٹ لیا گیا ہماری قوم پر اس سے زیادہ اور کونسا وقت آئیگا۔ چاہیئے کہ اس تنگ دستی کے وقت میں ہم یہ خزانہ ان میں تقسیم کر دیں کہ ہماری قوم اس سے تازہ دم ہو کر آرام کی سانس لے سکے۔ اور ہر کسی کو کھانے پینے کا سامان میسر آسکے۔ نیک بخت بیوی نے کہا۔ آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ آپ ضرور ایسا کیجئے۔ یہ بہت بہتر ہو گا۔ بالآخر موسیٰ نے اپنا سارا خزانہ جو نقدی کی شکل میں تھا یوسف زئیوں میں تقسیم کر دیا جس سے قوم شاد و آباد ہو گئی۔

---

[1] موسیٰ خیل اسوقت مواضعات کوزشٹہ، ابوھہ اور نوبجلے سوات میں آباد ہیں۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۲)

کلپانی[1] میں رہنے والے دلزاک سے جنگ، پشاور، دوآبہ، باجوڑ اور اشنغر کا دلزاک سے لینا اور ان کے ملک پر قبضہ کرنا

[1] کلپانی (کلپانڑی) مالاکنڈ کی سڑک پر مردان اور تخت بھائی کے درمیان گوہر گوھی کے پاس ایک قصبہ تھا۔ قصبے کے درمیان سے ایک ندی گزرتی تھی۔ جو ایک پل کے ذریعہ کلپانی کے دونوں حصوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ یہ ندی اب بھی باقی ہے۔ قصبے کے نام پر اُس ندی کا نام بھی کلپانی پڑ گیا۔ اور اب تک اسی نام سے موسوم ہے۔ لیکن قصبہ گردش زمانہ سے غیر آباد و برباد ہو گیا۔ اب اس کے صرف آثار باقی ہیں۔ اور اس مقام پر کلپانی نام کا ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس علاقے کا قدیم ترین قصبہ یہی کلپانی تھا۔ اور اُسے وہی حیثیت حاصل تھی جو اب ہوتی اور مردان کو حاصل ہے۔ ہوتی اور مردان بعد میں آباد ہوتے۔ اُس وقت مردان کا نام و نشان تک نہ تھا۔

○

القصہ کابل کی اس کھلی شاہراہ پر سارے یوسف زئی اپنے پیچھے کچھے اثاثے سمیت کوچ کرتے ہوئے خیبر کے راستے پشاور پہنچے یوسف زئی جو اُس وقت پشاور پہنچے۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خیبر میں سرس کا ایک تناور درخت تھا یوسف زئی کے سب مرد وزن، چھوٹے، بڑے اس کے نیچے بیٹھ گئے اور سب اس کے سائے تلے سما گئے۔ بس اتنے ہی یوسف زئی تھے۔

یوسف زئی خیبر سے ہوکر پشاور میں وارد ہوئے۔ اس وقت پشاور میں مقیم دلزاک بڑے زورآور اور ممالک گیر تھے۔ وہ ان ممالک پر غوریوں کے عہد میں قبضہ کرکے مضبوطی کیساتھ اپنے قدم جما چکے تھے۔ چنانچہ پشاور، دوآبہ، باجوڑ، ننگرہار، کلپانی، ہزارہ اور علاقہ چھچھ و مرگلہ تک تمام ممالک دلزاک کے قبضے میں تھے۔ اور ہر مقام پر یہی لوگ آباد تھے۔ اس لئے یوسف زئی نے آکر ان سے التجا کی اور ان کے پہلو میں مقیم ہوگئے۔ دلزاک نے یوسف زئی کو مُلک (علاقہ) عطا کرنے کے سلسلے میں آپس میں جرگہ کیا کہ انہیں ایک مُلک دینا چاہیئے جس پر جاکر یہ آباد ہو جائیں کیونکہ یہ ایک گاؤں جتنے لوگ آئے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ایک مُلک اُن کو دے دیں۔ آخر دلزاک کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دوآبہ یوسف زئی کو دے دینا

چاہیئے۔ اس فیصلے کے بعد یوسف زئی سے کہہ دیا کہ ہم نے دوآبہ تم کو دے دیا۔ مبارک ہو جاؤ۔ اس پر آباد ہو جاؤ۔

ملک احمد نے ان سے کہا کہ اے دلزاک بھائیو! میری قوم مصیبت کی ماری کمزور اور ناتواں ہے۔ اس کے بہت سے لوگ کابل اور دوسری جگہوں میں رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ ایک دم گھر چھوڑ کر روانہ ہو جائیں۔ ابھی صرف وہ لوگ جو قوت اور استعداد کے مالک تھے۔ یہاں آگئے ہیں۔ جو لوگ وہاں رہ گئے ہیں۔ بعد میں وہ لوگ بھی ہمارے پاس آجائیں گے اس لئے صرف دوآبہ کا علاقہ ہمارے لئے ناکافی ہے۔ میری پوری قوم اس میں نہیں بس سکے گی۔ اور نہ اس کی پیداوار پر ہماری گزراوقات ہو سکے گی۔ دلزاک نے کہا اچھا دوآبہ سے متصل دانشکول، عنبر اور باجوڑ کے علاقے اور ان کے ملحقات و مضافات سمیت بھی تمہیں دے دیئے۔ جاؤ وہ بھی تمہارے ہوگئے۔ اس پر ملک احمد خوش ہوگیا۔ اور ان ممالک کو قبول کرلیا اس کے بعد دلزاک نے ملک احمد سے یہ بھی کہا کہ اشنغر بھی دوآبے سے ملحق ہے جب کچھ زور اور قوت پکڑ لو تو اشنغر اپنی طاقت اور زور سے شلمانیوں سے لیکر اپنے تصرف میں لے آنا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اشنغر دلزاک کے قبضے میں نہیں تھا۔ اس پر شلمانی قابض تھے۔ شلمانی ذات کے لحاظ سے افغان قوم سے ہیں۔ یہ لوگ غوریوں کے لشکر میں تیراہ کے توابع شلمان اور کرمان سے آئے تھے۔ ان کا اصل وطن شلمان اور کرمان تھا۔ اس کی نسبت سے شلمانی کہتے ہیں۔

القصہ اشنغر پر اس وقت شلمانیوں کا قبضہ تھا۔ اور یہی

تمام محصولات وصول کرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ تمام شلمانی سلطان پکھل کی رعیت اور اس کے مالگزار تھے۔ سلطان پکھل سوات کا بادشاہ تھا۔

کہتے ہیں کہ اشنغر سے اوپر بگیاڑ سے حصار بلول[1]، پلیئی، شیرخانے مورا نامی پہاڑ تک، سوات اور توتنٹے، عثروبی، سیودی، ملاکنڈ کی چوٹی تک اور سارا سوات اپنے توابع اور مضافات سمیت اور سارا بونیر سلطان پکھل کے زیر تصرف تھا اور ہر جگہ اس کے حاکم تحقدار اور گماشتہ (محصّل)، مقرر تھے۔ شلمانی اس کے حکم سے اشنغر میں بستے تھے اور حاکم اشنغر حصار میں ہوتا تھا۔

سلطان پکھل خود منگلور کے قلعہ میں رہتا تھا۔ جو سلاطین سوات کا پایہ تخت تھا۔ یہ قلعہ سلاطین سوات کے عہد میں نہایت آباد تھا۔ اندر اور باہر رنگارنگ مکانات اور عجیب عجیب حویلیاں، اونچے اونچے قصر اور قلعے کے اندر عدیم المثال نہریں بہتی تھیں۔ بازار پُر رونق اور دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ سوات کے تمام سلاطین سلطان پکھل وغیرہ سلطان جہانگیر کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ غوریوں کے لشکر میں علاقہ ورغطر، کوہ گبر اور دریائے توچی کے وادی سے آئے تھے۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی پشتوں تک سوات پر حکومت کی۔ ان کا آخری سلطان، سلطان اویس تھا۔ جسے یوسف زئیوں نے متعدد عظیم لڑائیوں کے بعد وہاں سے بیدخل کر کے سوات پر خود متصرف ہو گئے

---

[1] حصار بلول آج کل "مسری بالول" کہا جاتا ہے تخت بھائی سے مردان کی طرف تقریباً دو میل کے فاصلے پر مٹی کا ایک بڑا ٹیلا ہے۔ جس پر اب ایک گاؤں آباد ہے۔

سلطان اویس وہاں سے فرار ہو کر نیاگ میں کوہ کفار کے درمیان ایک مستحکم قلعہ بنوا کر اس میں رہنے لگا یہاں تک کہ اجل کے سواروں نے اس پر حملہ کر کے اس کے وجود کو ختم کیا۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ سلطان اویس، سلطان پکھل کا فرزند تھا۔ ان تمام سلاطین کے حالات اپنے محل میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیے جائیں گے۔

واقعے کی طرف رجوع

جب دلزاک نے ازراہ ہمدردی اور بطور احسان کے یوسف زئی کو مذکورہ ممالک دے دیے۔ تو یوسف زئی نے اپنے اثاثے اور مال واسباب سمیت پشاور سے کوچ کیا۔ اور دوآبے میں آ کر مقیم ہو گئے اس کے بعد وہ بیوائیں، یتیم اور یوسف زئی کے دیگر افراد جو کابل کے نواح میں رہ گئے تھے۔ اور تجارت پیشہ بھی جو کاروبار میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور پہلے قافلے کے ساتھ نہ آ سکے تھے۔ رفتہ رفتہ آنا شروع ہو گئے۔ اور دوآبہ میں مقیم ہوتے رہے۔ یوسف زئیوں میں جو لوگ مال واسباب اور مویشی رکھتے تھے وہ اپنے گھرانوں کے ساتھ میرجمال بن بازید منڈڑ امان زئی کے ساتھ (جس کا ذکر اپنے محل میں آئے گا) اوپر دانشکول اور عنبر چلے گئے جن میں سے کچھ دانشکول اور عنبر میں رہ گئے اور بعض منڈڑ کے بڑے بڑے نامور گھرانے، زیادہ تر آمان زئی، کمال زئی، ماموزئی اور یوسف نامے سے زیادہ تر خواجوزئی مثلاً ناصر بن شرغہ، علاؤالدین زئی اور مبارک بن پائندہ علی زئی پائندہ خیل اور الیاس بن دلتک علی زئی سلطان خیل اور الکی بن احمد حسن خیل شامیزئی، جو نامور سردار تھے باجوڑ کو چلے گئے اور لاشوڑہ کے مقام پر جہاں اب قطب الزمان

شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی ترنگی قدس سرہ کی قبر واقع ہے، سکونت پذیر ہوگئے۔ اس ارادے سے کہ باجوڑ بھی ہمارا ہے دلزاک نے دیا ہے۔ اس میں آباد ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ ملک ہیبو بن جتہ دلزاک عمر خیل جو اُس آوان میں بڑا نامور اور بہت اہم شخصیت کا مالک تھا، تقریباً ایک ہزار عمر خیل گھرانوں کے ساتھ باجوڑ میں جندول کے مقام پر آباد تھا، اور عمر خیل دلزاک میں بہادر قبیلہ تھا۔ پشاور کے دلزاک نے جس جرگے میں دوآبہ، عنبر اور باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کیا تھا اس میں ملک ہیبو موجود نہیں تھا۔ جرگے نے اس سے پوچھے بغیر باجوڑ بھی دے دیا تھا۔ جب ملک ہیبو نے یہ سنا کہ یوسف زئیوں کو باجوڑ بھی دیدیا گیا۔ اور وہ اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے ہیں۔ تو اُسے سخت غصہ آیا اور کہا کہ اگر دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کردیا ہے تو کیا ہوا، میں انہیں باجوڑ پہ ہرگز قبضہ نہیں کرنے دوں گا۔ دلزاک کون ہیں جو میرا ملک یوسف زئیوں کو دے دیں۔ ملک ہیبو سخت مشتعل تھا اور ڈینگیں مارتا تھا کہ یوسف زئیوں کی کیا مجال کہ جندول میں قدم رکھیں۔ یوسف زئیوں نے متعدد قاصد اور خطوط ملک ہیبو کے پاس بھیجے کہ جرگے کے فیصلے کا احترام کرو۔ اگر تمام دلزاکوں نے بہ اتفاق رائے باجوڑ ہمیں دے دیا ہے تو تم بھی اسے واگزار کردو۔ اور میدانی علاقے میں جہاں دوسرے دلزاک آباد ہیں وہیں تم بھی چلے جاؤ بدی اور لڑائی اختیار نہ کرو۔ ملک ہیبو نے جواب میں کہا کہ اللہ کی وحدانیت

لہ ترنگ ایک قصبے کا نام ہے جو سجستان میں قندھار کے جنوب میں دریائے ارگنداب کے کنارے واقع تھا۔ شیخ میرداد خلیل کو ترنگ گاؤں کے رہائش کی نسبت سے ترنگی کہا گیا۔

کی قسم ہے کہ جنگ اور زور کے بغیر میں باجوڑ ہرگز واگزار نہ کروں گا۔ دلزاک کو اُس کے اِس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اُسے اس ارادے سے باز رکھنے اور جرگے کا احترام کرنے کا مشورہ دیا اور سب نے متفقہ طور پر ملک ہیبو کے نام خط لکھا کہ ایسا نہ کرو۔ باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ تمام دلزاکوں نے انصاف، یگانگت اور اخوت کے جذبے کے تحت کیا ہے۔ تم بھی باجوڑ ان کیلئے چھوڑ دو۔ اور اپنا سامان اٹھا کر باجوڑ سے آجاؤ۔ ہمارے پاس اب بھی بہت سارے ملک ہیں، ہم سب مل کر یہاں رہیں گے اور کمائیں کھائیں گے۔ مگر ملک ہیبو نے کسی کا کہنا نہیں مانا۔ اس نے اپنے دل میں جنگ کی ٹھان لی تھی۔ آخر ان یوسف زئیوں نے بھی جو بال بچوں اور مال واسباب سمیت جاکر لاشوڑہ میں مقیم ہوگئے تھے یہ فیصلہ کیا کہ جندول پہنچ کر اس پر قبضہ کرلینا چاہیے کیونکہ علاقہ باجوڑ میں سب سے بہتر ملک تو جندول ہے، یوسفزئی یہاں تک پہنچے بھی جندول ہی کے ارادے سے تھے۔

ملک ہیبو پوری رعونت اور غضب کے ساتھ اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ جندول سے کوچ کرتے ہوئے جنگ کی نیت سے آیا اور اوپڑ تکڑ نیگہ " (گاڑے ہوئے پتھر کے ستون) کے پاس جو آب تک لاشوڑہ کی ندی کے شمال میں عین کنارے پر ایستادہ ہے، پڑاؤ کیا۔ ادھر یوسف زئی کا لشکر میرجمال امان زئی منڈڑ کے ساتھ ٹوپ اور ملخوڑئی میں پڑا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان تخمیناً ایک میل کا فاصلہ تھا۔

خواجو مورخ اپنے جد بزرگوار شیخ میرداد خلیل کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"جب یوسف زئی موضع لاشوڑہ میں آکر مقیم ہوئے تو اس کے تقریباً ایک سال کے بعد قطب زمان جدی شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی اللہ اُن کی قبر کو منور فرمائے، بھی اپنے افاغنہ مریدوں کی ایک

جماعت کے ساتھ جو کم و بیش تین سو پچاس نفر تھے اور زیادہ تر ان میں خلیل لوگ تھے جو اپنی قوم سے رنجیدہ ہو کر تر نک، ارگنداب اور قلات نواح قندھار سے آکر موضع لاشوڑہ میں یوسف زئی کے ساتھ سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ یوسف زئی کے بہت سے لوگ بھی شیخ میرداد خلیل کے معتقد ہوگئے تھے۔ اور پھر ایک مدت کے بعد ایک حادثے کے سبب سارے خلیل اپنے بال بچوں کے ساتھ کوچ کر کے شیخ میرداد کے پاس چلے آئے تھے اور لاشوڑہ میں اقامت پذیر ہوگئے تھے"۔

چونکہ خلیل کا مرنا جینا یوسف زئیوں کے ساتھ تھا اس لئے خلیل بھی اس معرکے میں ان کے ساتھ متحد ہوگئے اور ہیبو بن جتہ کے مقابلے میں جنگ کیلئے میدان میں نکل آئے۔ ادھر دوآبے کے یوسف زئیوں کو ملک ہیبو سے بگڑے ہوئے حالات کی خبر پہنچی تو وہ بھی ایک لشکر کے ساتھ مسلح ہو کر اپنی قوم کی مدد کیلئے باجوڑ آگئے۔ یوسف زئی اور خلیل دونوں مل کر لاشوڑے کے میدان کی طرف بڑھے جہاں اُس زمانے میں متسمی عرب کا قلعہ اور خار نامی شہر آباد تھا۔ ہیبو نے جب ان کے لشکر دیکھے تو اپنے لشکر کے ساتھ جو پوری طرح مسلح و مستعد تھا "تکہ تیگہ" سے مقابلے کی نیت سے آگے بڑھے۔ یوسف زئیوں اور خلیل نے جو اس کا لشکر دیکھا تو ہیبت سے پسپا ہو کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔

ملک ہیبو نے دیکھا کہ یوسف زئی پیچھے ہٹ گئے ہیں تو سمجھا کہ یوسف زئیوں میں مقابلے کی تاب نہیں اس لئے وہ بے کھٹکے ان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا اور لاشوڑے کی ندی کو (جنوب کی طرف) پار کرلیا۔ یوسف زئی اور پیچھے ہٹ گئے۔ اب اس نے وہاں قدم جمائے جہاں پہلے یوسف زئی کھڑے تھے۔ یوسف زئیوں نے یہ صورت دیکھی تو

تو اور پیچھے ہٹ گئے۔ یہ اور بھی دلاور ہوتا گیا۔ غرض یہ کہ یوسف زئی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے گئے اور یہ ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا گیا، بالآخر یوسف زئیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کہاں تک پیچھے ہٹیں گے اگر ہم اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو یہ ہمارے جوانوں پر قابو پالیں گے۔ جنگ سے چھٹکارا نہیں، آگے بڑھو اور جوانمردی کے جوہر دکھاؤ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت ترکلانی لوگ لغمان میں اور مہمند کابل کے نواح میں تھے اور اس وقت ملک سرخابی بن شمو ترکلانی قبیلے کا نامور سردار تھا، وہ بابر بادشاہ کا قریبی مصاحب و معتمد تھا اور ملک گھگڑ مہمند قبیلے کا سردار اور شجاع وقت تھا۔ ان دونوں کو جب اس نزاع کی خبر پہنچی تو وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور باجوڑ پہنچ گئے تاکہ فریقین میں مصالحت کی کوشش کریں۔ یہ دونوں سردار فریقین کے درمیان صلح کرانے کیلئے پھرتے رہے، لیکن دل سے وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ جس طرح دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ کا علاقہ یوسف زئی اور خلیل کو دے دیا ہے، ملک ہیبو کو بھی چاہئے کہ یہ ملک ان کیلئے چھوڑ دے اور خود اپنے عزیزوں کے ساتھ میدانی علاقے میں جاکر سکونت پذیر ہو جائے جہاں ان کی اکثریت رہتی ہے۔

ملک سرخابی اور ملک گھگڑ نے ہیبو کو نصیحت کی کہ خدا نے تمہیں بہت سارے ممالک عنایت کئے ہیں، اختلاف و جنگ کا راستہ اختیار نہ کرو یہ ملک برضا و رغبت یوسف زئی کو دیدو۔ مگر ہیبو کو یہ نصیحت پسند نہیں آئی اور وہ صدائے اَنَا وَلَا غَیْرِی (صرف میں ہوں میرا کوئی مدمقابل نہیں ہے) بلند کرتا رہا۔ وہ اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ملک سرخابی اور گھگڑ تو صرف صلح و صفائی کرنے والے ہیں ہمارے

مقابلے میں جنگی فریق بننا پسند نہیں کریں گے اس لئے ہیبو بے دھڑک ہوکر یوسف زئی اور خلیل کے گھروں اور بال بچوں پر چڑھ آیا اور تیر برسانا شروع کر دیئے۔

ملک سرخابی اور گھگڑ کے لشکر ایک طرف کو کھڑے تھے اب ان کیلئے صورتِ حال ناقابل برداشت ہوگئی۔ خونی قرابت داری کے جذبے نے بے اختیار کر دیا۔ وہ غصے سے بپھر گئے۔ چنانچہ ایک دم اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہیبو کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور یوسف زئی اور خلیل کو بھی للکارا۔ اچانک وہ بھی حملہ آور ہوئے اور ایک ایسی بے پناہ جنگ شروع ہوئی کہ تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

کہتے ہیں کہ ملک سرخابی ترکانی، ملک گھگڑ مہمند اور میر جمال بن بایزید بن حسام دولت زئی امان زئی مندڑ نے سب سے پہلے دلزاک پر حملہ کیا تھا۔ ازاں بعد دوسرے سواروں نے بھی ان کی پیروی کی۔ ہر کسی کی نگاہ ہیبو پر لگی ہوئی تھی۔ دوسری جگہ وہ اپنے آپ کو نہیں پھنسانا چاہتے تھے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ درمیان میں رکے بغیر اس تک پہنچ جائے۔ چنانچہ بہت سے عمرخیل کے دلزاک بہادروں اور شہسواروں کو قتل کرتے ہوئے ہیبو تک پہنچ گئے اور ہیبو اور اس کے بھائی جہان شاہ کو تہہ تیغ کرکے زمین پر گرا دیا۔ ہیبو پر سب سے پہلے پائندہ ترکلانی ککازئی نے تلوار کا وار کیا پھر برہان ترکلانی ککازئی نے تلوار سے اس کی گردن پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر گر گیا۔ میر جمال امان زئی مندڑ نے گھوڑے سے کود کر اس کی زرہ اتار لی اور تلوار بھی اپنے قبضے میں کر لی۔

کہتے ہیں کہ ملک ہیبو کی زرہ اور تلوار دونوں قیمتی تھیں، میر جمال کی اولاد کے پاس وہ زرہ ۱۰۳۰ تک یادگار کے طور پر محفوظ اور سارے یوسف

مندڑ، بلکہ خشی قبائل میں مشہور ہے۔ اس کے لئے کئی سو روپے تک کی پیش کش کی گئی لیکن میر جمال کی اولاد نے اُسے دینے سے انکار کر دیا ملک ولی بیگ ترکلانی نے بھی اس کیلئے بڑی سعی کی اور ہاتھ پیر مارے کہ یہ یادگار چیز اس کے پاس آجائے باوجودیکہ یہ آپس میں قریبی عزیز بھی تھے، اور دو سال تک یہ زرہ اس کے گھر میں پڑی رہی تھی اور کوشش کی کہ یہ ان کے گھر سے نہ نکلے لیکن میر جمال کی اولاد نے نہیں مانا اور زرہ اس سے واپس لے لی۔

۱۰۳۱ھ میں یہ زرہ میر جمال کی اولاد کے گھر سے ملک باگو ابن سر ابدال ابن یحییٰ (ادین زئی) علاؤالدین زئی سرخیل فروخت کرنے کی غرض سے لایا تھا اور کوئی شخص تین سو روپے دے رہا تھا مگر اس نے نہیں دی اور واپس لے گیا۔ اس وقت میر جمال کی اولاد شیر درہ میں آباد تھا۔ اور وہ شخص جس کے پاس یہ تاریخی زرہ تھا وہ بھی شیر درہ میں امان زئی کے ساتھ رہتا تھا۔

القصہ جب ملک ہیبو اور اس کا بھائی جہان شاہ دونوں قتل ہوگئے و دلزاک پسپا ہوکر دوآبہ جندول کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے یوسفزئی وران کے حریف ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ انہیں جندول کے رود (ندی) کے پار کر دیا اور یہ ٹوپ، مخزئی میں اپنے اپنے مکانوں کو لوٹ آئے۔ ملک سرخابی اور ملک گھگڑ نے یوسف زئی اور خلیل سے کہا کہ ہم نے تمہیں فتح دلا دی اور باجوڑ تمہارے لئے جیت لئے اب تم دونوں امن سے رہو اور کھاؤ پیو، ہم اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک سرخابی اور ملک گھگڑ اپنے اپنے لشکروں کے ہمراہ اپنے اپنے گھروں یعنی کابل اور لمغان کو روانہ ہوگئے۔ دلزاک جو زندہ بچ گئے تھے جندول چلے گئے، لیکن اب حالات پر ان

قابو نہ تھا اور ان کے قدم اکھڑ چکے تھے اس لئے سب نے وہاں سے کوچ کر کے پنجے کی طرف جانیکا فیصلہ کیا مگر لاشوڑے کے راستے پر یوسف زئی اور خلیل کا قبضہ تھا اور وہ انہیں چھوڑ نہیں رہے تھے آخر کوہ مور یا کیمور والی درے کی چوٹی پر چڑھ کر عنبر اور دانشکول پہنچے اور اکٹھے رہنے لگے۔ یوسف زئی اور خلیل نے باجوڑ کا علاقہ آپس میں تقسیم کرلیا۔ لاشوڑے سے ہندو راج تک اور چارمنگ سے ناوگئی تک مع توابع اور ملحقات کے خلیل کے حصے میں آیا اور جندول، بابقرہ مع مضافات یوسف زئیوں کے حصے میں۔ دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں میں جاکر آباد ہوگئے اور جو یوسف زئی بطورِ کمک دوآبے سے گئے تھے پھر وہ دوآبے کو لوٹ آئے۔

عرصہ دراز تک یوسف زئی اور خلیل نے آپس میں بہت اچھے تعلقات استوار رکھے لیکن پھر خلیل کیطرف سے بگاڑ کا آغاز ہوا۔ وہ یوسف زئی پر تعرض اور زیادتی کرنے لگے۔ فساد کی منشا یہ تھی کہ میرجمال بہت مالدار تھا اور گھوڑوں کا بہت گلہ رکھتا تھا جن سے بہترین گھوڑے پیدا ہوتے تھے اور فروخت کئے جاتے تھے۔ اتفاقاً پائی بن سالار خلیل ہاڑوزئی، ملازئی، عمرزئی نے جو ایک نامی شخص تھا، میرجمال سے چند گھوڑے بطورِ قرض ایک مہینہ مدت کی میعاد پر لے لیے جب میعاد پوری ہوگئی اور میرجمال نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو پائی نے بدمعاملگی شروع کی اور ٹال مٹول کرنے لگا حالانکہ وہ ایک مالدار شخص تھا اور قرض کی ادائیگی اس کیلئے کچھ مشکل نہ تھی مگر بدمعاملگی اور شرارت اس کی طبیعت بن گئی تھی اور فتنہ انگیزی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ ہر چند کہ میرجمال اس سے ملائمت اور نرمی سے قرض مانگتا تھا اور جرگے بھیجتا تھا مگر وہ قرض کی ادائیگی میں برابر لیت و لعل

سے کام لے رہا تھا۔

آخر میرجمال ہر طرح سے کوشش کر کے تھک گیا۔ اسی طرح دوسرے خلیل نے بھی شرارت، بدمعاملگی اور دست اندازی کو اپنا شعار بنالیا۔ یوسف زئی کے مال اور فصلوں پر رات کو چپاؤ کرتے اور لوٹ لیجاتے۔ گھی اور دوسری چیزیں یوسف زئی سے خریدتے تھے اور قیمت نہیں دیتے تھے، آخر تمام یوسف زئی میرجمال کی طرح خلیل سے عاجز آگئے اور خلیل کے بارے میں ان کی رائے بہت خراب ہوگئی۔ ایک دن میرجمال اور پائی کے درمیان قرضہ مذکورہ کے سبب ہاتھاپائی ہوگئی۔ اس کے بعد گویا کہ یوسف زئی اور خلیل قومی حیثیتوں میں ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور لاشوڑے اور بابقرے کی حد، باریکاب کے دریا اور ورسک کے مقام پر جنگ ہوگئی۔

ورسک وہ مقام ہے جہاں سے باجوڑ جاتے ہوئے بابر بادشاہ نے گبر کوٹ گبریوں کے سردار حیدر علی سے چھینا تھا اور بہت سے گبریوں کو قتل کیا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک بلند چٹان ہے اور دوسری طرف بابر نے ایک بڑی خندق کھدوا کر اس کے اردگرد زبردست حصار بنایا تھا۔ پھر زین خان کوکہ نے اکبر بادشاہ کے عہد میں جب وہ یوسفزئی کی مہم پر آیا تھا، مٹی کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام چار قلعہ رکھا تھا اس قلعے کے کھنڈرات تاحال موجود ہیں۔

القصہ یہ کہ خلیل نے اس جنگ میں یوسف زئیوں کو شکست دے دی اور تعاقب کر کے جندول کی ندی کے پار پنجکوڑے کے مقام تک انہیں بھگا دیا مگر خلیلوں نے یہ احسان کیا کہ ان کے بال بچوں اور دیہات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہ دیہات جندول اور بابقرے کی شاہراہ پر واقع تھے۔ خلیل اس جیت سے خوش ہوکر اپنے گھروں کو چلے گئے اور

یوسف زئی کی ساری قوم کیا باجوڑ اور کیا دوآبے کی اس شکست پر اور اپنے مُردوں پر جن میں نامی گرامی لوگ شامل تھے، خجل اور منفعل ہوگئی۔ اس لئے باجوڑ کے یوسف زئی پھر لشکر کی فکر میں لگ گئے وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی فیصلہ کن جنگ لڑیں جس میں ہمیشہ کیلئے فیصلہ ہوجائے کہ باجوڑ میں کون رہتا ہے، یوسف زئی یا خلیل!

آخر باجوڑ میں یوسف زئی کے سارے ملک جمع ہوئے اور مشورے سے یہ طے پایا کہ پہلے جرگے کی شکل میں دوآبے میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے جائیں گے۔

آخر یہ صلاح ناصر بن شرغہ اکوزی خواجوزی علاؤالدین زئی اور مبارک بن پائندہ علی زئی پائندہ خیل اور الیاس بن دلنک علی زئی سلطان خیل اور الکی بن احمد خواجوزئی شامیزی حسن خیل اور کدبن متر ک منڈڑ ماموزئی اور تاجک بن معروف ملک زئی منڈڑ جو یوسف زئی کے نامور ملک تھے بطریق جرگہ دوآبہ گئے اور اپنی ساری قوم کے ساتھ صلاح ومشورہ کیا انہیں اپنی سرگذشت سنائی اور انہیں بتایا کہ خلیل نے کس طرح بدخصلتی اور تعدّی کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ اور ناحق ہم پر لشکرکشی کی اور ہمیں قتل وغارت کیا پھر اُن کی یہ بدی اور شرارت اب بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ مسلسل جاری ہے۔ چنانچہ گاڑکے اور نیشکے کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اب باجوڑ بھی ہم سے چھین لیا۔ چنانچہ ملک احمد جو سب کا سردار اور سربراہ تھا اور شیخ علی بن پیر کی اکازئی اتمان منڈڑ جو مشاہیر میں سے تھا اور ملک احمد کا ثانی، ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی منڈڑ خان، کجو کا پدر بزرگوار جو اپنے زمانے کے نامی لوگوں میں سے تھا اور ملک محمود بن یحییٰ اکوزئی خواجوزئی علاؤالدین زئی اور خواجہ خضر بن شیخ عثمان

بن موتی ملی زئی اوسا خیل جن کے مقاماتِ عالیہ کا ذکر اس سے قبل گزرچکا ہے اور شیخ سینا ابن نیکپی خواجوزئی نیکپی خیل جو یوسف زئی کے مقتداؤں میں سے تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام مشاہیر وقت نے ان حقائق کو بالاتفاق تسلیم کیا اور کہا کہ فی الحقیقت خلیل "گاڑکے" اور "نیشکی" کے زمانے سے ہمارے درپے آزار رہے ہیں۔ وہاں بھی ہم پر تعدّی اور فتنہ انگیزی کرتے تھے پہلے قندھار سے ہمیں نکالا پھر جب ہم یہاں آگئے تو یہ یہاں بھی ہمارے پیچھے لگے ہوتے ہیں اور ان کی بیوفائیوں اور تمام برائیوں کے باوجود جب اُن پر بُرا وقت پڑا اور یہ یہاں آئے تو ہم نے ان کے ساتھ یہ احسان کیا کہ آدھا باجوڑ اُن کو دے دیا۔ لیکن ہمارے اس احسان کے باوجود نہ تو انہوں نے ہمارا احسان مانا اور نہ ان کی سرشت بدلی۔ اپنی بداعمالیوں پر نادم ہونے کے بجائے اپنی پُرانی بدخلقی پر اُترآئے۔ چنانچہ بعد صلاح ومشورہ طے پایا کہ اس وقت خلیل تنہا ہیں۔ مہمند اور داؤدزئی ان کے ساتھ نہیں ہیں اس لئے ان پر لشکرکشی کرنے اور باجوڑ سے انہیں نکال باہر کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں داؤدزئی اور بعض مہمند جو مقر اور قرہ باغ سے آئے ہوئے تھے، کابل کے نواح میں سکونت پذیر تھے اور بعض مہمند ابھی ارگنداب، مقر اور قرہ باغ ہی میں تھے اس لئے یہ صلاح ہوئی کہ ہجوم واقدام میں جلدی کریں تاکہ مہمند اور داؤدزئی ان کی مدد کیلئے نہ آسکیں۔ یوسف زئی نے بہ عجلت تمام لشکر کا انتظام کیا اور جمعیت تمام اور ہیبت عظیم کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ ان ایام میں یوسف زئیوں نے پھر اشنغر پر قبضہ

کرلیا تھا۔ حصار اشنغر کے نالے سے حصار بالول، حصار بیغی، کاٹلنگ، سنگاؤ، شیر خانئی، بازدرے، مورا نامی پہاڑ اور ٹوٹئی تک کا جنگلہ سیوری، مالاکنڈ تک تمام میدانی، پہاڑ کے دامن تک تمام علاقہ شلمانیوں سے جنگ میں انہیں شکست دے کر چھین لیا تھا اور جابجا اس میں آباد ہوگئے تھے۔ اس زمانے میں اشنغر کے ساکنین شلمانی تھے اور اشنغر کے ماسوا سارے علاقوں میں دہگان لوگ آباد تھے جو سلطان پکھل کی رعیت تھے۔ سلطان پکھل سوات کا سلطان تھا جس کا ذکر اپنے محل میں (انشاءاللہ تعالیٰ) آجائیگا۔

القصہ یوسف زئی اپنے تمام شرکاء اور ہمسایوں مثلاً گدون، ککار اور اتمان خیل وغیرہ کے ساتھ جو اس وقت تک یوسف زئی کے ساتھ رہتے تھے، لشکر بنا کر پنڈیالی اور کڑپہ کے راستے روانہ ہوئے اور دانشکول پہنچ کر پڑاؤ کیا۔

ٹھیک اس زمانے میں جب باجوڑ کے یوسف زئیوں کا جرگہ دوآبہ جارہا تھا دوسرا جرگہ میر جمال امان زئی منڈڑ کی سرگردگی میں دانشکول روانہ کیا گیا تھا تاکہ دلزاک سے صلح وصفائی کرکے انہیں اپنی مدد کیلئے آمادہ کریں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت میر جمال امان زئی ملک ہیبو کے یہاں بہ طریق جرگہ اور گناہ بخشوانے جارہا تھا تو میر جمال اور اس کے فرزند احمد دونوں نے تلوار اور کفن گلے میں ڈال لئے تھے۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں ملک ہیبو کے گھر میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ میر جمال ہیبو کے گھر میں داخل ہوگیا، اس نے جاکر مسجد میں یہ بات کہہ دی۔ مسجد والوں نے ہیبو کی بیوہ کے پاس آدمی بھیجا کہ میر جمال کے ساتھ عزت وحرمت کا سلوک اور خاطر مدارات کرو صبح کو ہم احوال معلوم کریں گے۔

ملک ہیبو کی بیوہ نے میر جمال کی اچھی طرح مدارات کی۔ صبح کو عمر خیل دلزاک ملک ہیبو کے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ گئے اور ان کی بڑی قدر ومنزلت کی اس کے بعد دریافت کیا کہ خیر سے آپ کا آنا کیسے اور کس مطلب سے ہوا ہے؟ میر جمال نے کہا کہ مجھ سے تقصیر ہوئی ہے آپ کا قصوروار ہوں، یہ رہی تلوار اور کفن، آپ کو اختیار ہے خواہ مار ڈالیں خواہ معاف کردیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھ بدسلوکی خلیل نے کی ہے یوسف زئی نے نہیں کی، اگر خلیل نہ ہوتے تو یہ بدسلوکی بھی نہ ہوتی اس فساد کا سبب وہی لوگ تھے اب وہ آپ کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے بھی قدیمی دشمن ہیں۔ گاڑکے اور نیشکے کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ آزاد رسانی اور برائی کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ ہم نے ان پر احسانات کئے تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کس شان سے بدسلوکی کی، میں اب جرگے (ننواتے) کے طریق پر آیا ہوں ہمارے ساتھ لشکرکریں کہ ان کے ساتھ جنگ کریں باجوڑ یا ہمارا ہوجائے یا ان کا، ان کے ساتھ شریک رہنا اب ہم سے نہیں ہوسکتا۔

دلزاک عمر خیل نے میر جمال سے کہا کہ میر جمال! اب جبکہ تم معافی مانگنے آئے ہو اور مہم کی غرض سے آتے ہو، تم ہمارے عزیز ہو ہم تمہارے ساتھ لشکر بھی کردیں گے اور تمہاری مہم کو تکمیل تک پہنچا دیں گے۔

یوسف زئیوں کا لشکر دانشکول پہنچا تو میر جمال ابھی تک وہیں تھے۔ انہوں نے حالات کو اپنی منشاء کے مطابق درست کرلیا تھا۔ اب دوآبہ کے یوسف زئی اور میر جمال اور عمر خیل کا لشکر سب کا سب دانشکول پر جمع ہوگیا سب نے باہم مشورہ کیا کہ عمر خیل اور

باجوڑ کے یوسف زئی میر جمال کے ساتھ شارع عام پر چارمنگ پہنچیں تاکہ خلیل کے لئے سرکوب (چوٹی) کا راستہ بند کردیں اور ناوگئی کے راستے کی بھی دیکھ بھال کریں تاکہ خلیل پشت کیطرف سے کونڑ کے راستے لغمان (کابل) نہ بھاگ جائیں اور یہ عظیم لشکر بھی اور ہم، رشت (یارخت) کی چوٹی پر سے باجوڑ میں بخیریت اُتر جائیں۔

آخرُالامر میر جمال اپنے عزیزوں اور دلزاک کی معیت میں چارمنگ کے راستے اور دوسرے قبائل کا زبردست لشکر رخت کی چوٹی کے راستے باجوڑ کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب میر جمال کے لشکر نے چوٹی کو سر کرلیا تو نیچے لاشوڑے کے میدان میں ایک بڑے لشکر پر اس کی نظر پڑی (یہ ایک خطرے کی علامت تھی)۔

میر جمال ملک ہیبو کے گھر دانشکول جارہا تھا تو اپنے اعیانی بھائی ابوبکر نامی سے جو ساری قوم میں بہت بہادر اور اپنے وقت کا بے نظیر شخص تھا، کہا تھا کہ تم اپنے مابقیہ عزیزوں کے ساتھ ہمیشہ نکل کر اپنے گاؤں اور گرد و نواح کی پاسبانی اور حفاظت اور حدود کی نگہداشت کرتے رہنا۔ چنانچہ ابوبکر مذکور میر جمال کی ہدایت کے مطابق سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ روزانہ پاسبانی اور حفاظت کرتا تھا۔ خلیل کو یہ معلوم ہوا تو اس کی تاک میں رہنے لگے اس روز خلیل نے ابوبکر کی تلاش میں اس جگہ جہاں پر شیخ اسماعیل بن محمود مہمند قدس سرہ کی قبر واقع ہے چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب ابوبکر اس کے قریب پہنچ گیا تو اچانک پناہ گاہ سے نکل کر اس پر حملہ کردیا اور ابوبکر کو سواروں سمیت قتل کردیا۔ میر جمال کو جو خطرہ تھا اور جس کے پیش نظر اس نے جاتے ہوئے اپنے بھائی سے چوکنا رہنے

کی تاکید کی تھی وہ پیش آچکا تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ خدانخواستہ میرے بھائی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہو! اس نے اپنے بیٹے احمد کو ساتھ لیا اور لشکر سے آگے نکل گیا راستے میں اپنے فرزند احمد سے کہنے لگا، کاش! ابوبکر کو زندہ دیکھ سکوں! مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ابوبکر مردہ پڑا ہے۔ دونوں بہت رنجیدہ ہوئے میر جمال نے بیٹے سے کہا کہ جلدی سے اتر کر ابوبکر کے دھڑ کو دو ٹکڑے کر دو نصف تم لے لو اور آدھا مجھے دے دو تاکہ آسانی کے ساتھ اٹھا کر لے چل سکیں۔ احمد نے غمزدہ لہجے میں کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ میر جمال نے اس پر غصے کا اظہار کیا اور خود اتر کر ابوبکر کی لاش کے دو ٹکڑے کیئے آدھا حصہ خود لیا اور آدھا احمد کو دے کر روانہ ہوگئے اور لشکر سے جاملے۔ اہل لشکر نے اس پر بڑا افسوس کیا۔ لشکر نے لاشوڑہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ خلیل بھاگ کر ہندو راج کے درے میں اکٹھے ہوگئے۔ عمرخیل نے جنگ کا نقشہ اس طرح بنایا تھا کہ میر جمال اپنے عزیزوں کو ساتھ لیکر چارمنگ کے راستے ہندو راج پہنچیں اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کرکے وہاں کے باشندوں سے کہیں کہ ان کا لشکر ہندو راج کی چوٹی پر خلیل کا راستہ روک لے تاکہ وہ اسے پار کرکے دوسری طرف نہ جاسکیں۔ سرکوب کے راستہ کی ناکہ بندی عمرخیل کو کرنی تھی اور ایک لشکر کو نیچے کی طرف سے خلیل پر حملہ کرنا تھا اور اس طرح گھیر کر ان کو قتل کرنے اور ہمیشہ کے لئے عمرخیل دلزاک اور یوسف زئیوں کے درمیان سے اس کانٹے کو نکال دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور یہ تصفیہ بھی کرلیا گیا تھا کہ چوٹی کے اس طرف کا علاقہ یوسف زئیوں کا اور اس طرف کا عمرخیل دلزاک کا ہوجائیگا۔

چنانچہ اس جنگی منصوبے کیمطابق میر جمال نے ہندو راج پہنچ

کر وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہندوراج کی چوٹی کی ناکہ بندی کردی۔ مؤرخ خواجو لکھتے ہیں کہ :۔

" کوہ ہندوراج کے متصل ایک بڑے پہاڑ کا درہ ہے اور ہندوراج ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو ہندوراجی کہتے ہیں۔ اس وقت جب کہ ۱۰۳۲ھ ہے اُس کے جنوب کی طرف اسماعیل زئی ترکلانی آباد ہیں اور شمال کی طرف پرانے زمانے سے اب تک کفار رہتے ہیں اور سارا علاقہ ان کے تصرّف میں ہے "

الغرض میر جمال نے ہندوراجیوں کے ساتھ مل کر کوہ ہندوراج کی چوٹی پر قبضہ کرلیا اور نیچے کی طرف سے بڑے لشکر نے پیش قدمی کی۔

جس وقت بڑا لشکر دو میل کے فاصلے پر درے کے سنگر پر پہنچ گیا۔ خلیل کا لشکر بھی پوری تیاری اور کامل جمعیت کے ساتھ اپنی پناہ گاہوں سے نکل آیا۔ اس میدان میں جہاں اب ملک یار حسین ابن پیر ترکلانی اور بازئی کا قبیلہ آباد ہے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اور ایک سخت معرکہ پیش آیا۔ دونوں فوجوں نے خوب ڈٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ کوئی کسی کو شکست نہ دے سکا ابھی معرکہ کارزار گرم تھا کہ میر جمال اور ہندوراجی پیچھے سے سنگر پر چڑھ آئے، خلیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہوگئے۔ اور ہمت ہار بیٹھے اور سنگر کیطرف پسپا ہونے لگے، بعض میدان جنگ میں مارے گئے اور بعض پسپا ہونے میں مارے گئے اور اکثر سنگر میں اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ بہت سے لوگ جو بچ گئے تھے وہ ناوگئی کی طرف بھاگ نکلے۔ سنگر غارت وتباہ ہوگیا اور عورتیں اور بچے قیدی بنالیے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں اس قدر لوگ قید ہوگئے تھے کہ بعض یوسف زئیوں نے مٹی کے برتنوں کے عوض قیدی فروخت کئے۔ چنانچہ یوسف زئی خلیل کو اب تک یہ طعنہ دیتے ہیں۔ جس جگہ خلیل نے پڑاؤ کیا تھا اُسے ابھی تک سنگر درہ کہتے ہیں اسی جگہ لشکر نے رات گزاری، ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے آپس میں مشورہ کرکے خلیل کے قیدیوں کو رہا کردیا۔ جس جس کے یہاں قیدی تھے سبھوں نے چھوڑ دیے۔ پھر بھی بعض لوگوں نے چھپالیئے۔ زاں بعد سب خوش وخرم فتح کے شادیانے بجاتے دوآبے کو واپس آگئے۔

کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب کہ یوسف زئی کابل سے آکر دوآبے میں سکونت پذیر ہوگئے تو کچھ زمانے کے بعد دلزاک کے اشارے پر اشنغر پر قبضہ کرنے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ اس وقت اشنغر کا حاکم میر ہندا بن آرزو تھا جو قوم کا دھگان اور نسلاً دووال (دودان) سے متعلق تھا۔ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا نامور اور بہادر تھا، جو اشنغر کے قلعے میں رہتا تھا اور اُس طرف سلطان اویس سوات کا بادشاہ تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر سلاطین سوات کے سلسلے میں اپنے مقام پر آئیگا۔ سوات سے لیکر شیر خانے، باذورہ، برسول، سنگاؤ، حصارِ بالول اور حصارِ بیغم اور حصارِ اشنغر اس کے تصرّف میں تھے اور ان تمام ممالک کے لوگ سلطان اویس کی رعیت تھے۔

اس زمانے میں تمام ملک اشنغر میں شلمانی قوم آباد تھی۔ اشنغر کا قلعہ اس زمانے میں بڑا سنگین اور مضبوط تھا جو اونچے پشتے پر اس جگہ واقع تھا۔ جہاں ملک فتح خان بن ملک سعید خان بن ملک خضر خان بن نصرت خان محمد زئی بارک زئی اشنغری کا مسکن اولین تھا جسے قلعہ اشنغر کہا جاتا تھا اب یہ قلعہ ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گیا ہے۔

القصہ جب یوسف زئی نے اشنغر کے ملک پر قبضہ کا قصد کیا تو یوسف نامے کے چند نوجوانوں کو چھاپہ مارنے کی غرض سے اشنغر بھیجا، تاکہ شلمانیوں کے مال و مویشیاں چراگاہ سے پکڑ لائیں۔ یہ چھاپہ مار اشنغر گئے اور شلمانیوں کے مویشیوں کو پکڑ کر لے بھاگے لیکن میر ہندا اور شلمانیوں کو واقعہ کی خبر مل گئی، انہوں نے ان کا پیچھا کر کے اپنے مویشی چھڑا لیے۔ یہ جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ دوآبے واپس آگئے۔

صبح کو مندڑ نے خوب تیاری کر کے کچھ سواروں اور پیادوں کو پار بھیجا۔ سوار تاک میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ پیادوں نے جاکر شلمانیوں کے مویشی ہنکائے۔ میر ہندا اور شلمانیوں کو پھر اطلاع مل گئی۔ انہوں نے پوری قوت اور کامل جمعیّت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ شلمانی تعاقب کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں مندڑ کے سوار چھپے ہوئے بیٹھے تھے تو اچانک سواروں نے اُن پر حملہ بول دیا اور ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ اسی اثنا میں یوسف نامے کے لوگ بھی امداد کیلئے پہنچ گئے اور باہم لڑائی چھڑ گئی۔ آخر میر ہندا اور شلمانیوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ تعاقب کرتے رہے تاآنکہ شلمانیوں نے قلعے میں گھس کر دروازے بند کر لیئے اور یوسف زئی نے ان کا محاصرہ کر لیا۔

مؤرخ خواجو کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے اشنغر پر قبضہ کرنے کی نیّت کر لی تو اشنغر میں جہاں جہاں شلمانی مقیم تھے وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر اپنے مال و اسباب سمیت حصار (قلعہ) میں داخل ہو گئے تھے۔ یوسف زئی نے حصار اشنغر اور جیند دریا کے درمیانی علاقے کی ناکہ بندی کر کے ان کا پانی بند کر دیا۔ تین چار دن کی محصوری سے بہت عاجز اور مضطرب و مجبور ہو گئے اور ملک احمد کو پیغام بھیجا

کہ ہمیں خدا نے شرمندہ کر دیا، اب عاجز و لاچار ہیں راستہ دیدیں۔ کہ یہاں سے چلے جائیں اور اس قدر سہولت دیدیں کہ جو مال و اسباب اپنے ساتھ لیجا سکیں لیجائیں۔

ملک احمد اور دوسرے سرداروں نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں وہاں سے چلے جانیکی اجازت دیدی۔ تمام شلمانی اور اور میر ہندا اپنی فوج کے ساتھ جس قدر مال و اسباب اٹھا کر لیجا سکتے تھے اٹھا کر رات کے وقت قلعے سے نکل کر حصار بالول کی طرف روانہ ہو گئے اور بقیہ مال و اسباب سب وہیں چھوڑ گئے۔ ساری رات کوچ کرنے کے بعد صبح کے وقت حصارِ بالول میں پہنچ گئے جو سنگین اور محکم تھا۔ صبح تڑکے یوسف زئی حصار اشنغر میں داخل ہوئے اور بقیہ تمام مال و اسباب کو غارت کر دیا اور سارے اشنغر کو اپنے تصرّف میں لے آئے اور دوآبے سے ہر نسل اور ہر قبیلے سے برابر برابر لوگوں کو لیکر اشنغر میں آباد کرا دیا۔ اس کے بعد میر ہندا کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب میر ہندا کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حصارِ بالول سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا اور حصارِ بیغم میں پناہ لی۔ یوسف زئی حصارِ بالول سے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اسے یہ معلوم ہوا تو وہ حصارِ بیغم سے بھی فرار ہو کر شیر خانئی کو چلا گیا۔ مخفی نہ رہے کہ قلعہ بالول اور قلعہ بیغم دونوں چھوٹے، مگر سنگین قلعے تھے اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں قلعے موضع کلپانڑئی کے علاقے میں واقع تھے۔ قلعہ بیغم بلند ٹیلے پر واقع تھا اور حصارِ بالول سے خوبصورت تھا مگر اب ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ دونوں قلعوں کے درمیان اڑھائی میل کا فاصلہ ہے۔

یوسف زئی اسیطرح میر ہندا کے تعاقب میں بڑھتے رہے اور وہ آگے آگے فرار ہوتا رہا۔ کسی جگہ بھی اس کے پیر نہ ٹک سکے یہاں تک کہ میدانی علاقے میں دہگان[1] قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔
سب کے سب مورا نامی پہاڑ کی چوٹی کو عبور کر کے سوات چلے گئے میر ہندا کا گھر تھانہ میں تھا اور اس کا قبیلہ ڈوڈال بھی تھانے میں رہتا تھا وہ بھی تھانے چلا گیا۔ تھانہ سوات میں ایک مشہور گاؤں ہے۔

اس کے بعد یوسف زئی واپس لوٹ آئے اور دامنِ کوہ اور میدانی علاقے کے تمام ممالک حصار اشنغر کے جیندے نالے سے لیکر اشنغر، حصارِ بالول، حصارِ بیغم، شیر خانئی، کاٹلنگ، سنگاؤ، بازورہ، مورا نامی پہاڑ تک تسلمانیوں اور دہگانوں سے خالی کرالیے اور اپنے تصرف میں لے آئے اور اس طرح اپنے مقابلے میں ان ممالک کے کسی دعویدار کو باقی نہ چھوڑا۔ مگر اتفاقاً اس اثناء میں یوسف زئی اور شاہ دلزاک کے مابین مخالفت پیدا ہوگئی۔

ان حالات کی تفصیل یہ ہے۔ کہ پشاور کے دلزاک چوری چھپے رات کو اور دن کو بھی پار آکر یوسف زئی کے گرد و نواح میں پھرتے رہتے تھے اور جوں ہی موقع پاتے نقصان پہنچاتے تھے جب ملک احمد اور دیگر سرداران یوسف زئی، ان سے شکایت کرتے تو یہ جواب میں کہتے کہ ہم کسی کے ساتھ برائی کرنے کے

---

[1] دہقان یا دہگان وہ شخص جو امور میں تصرف پرستی کیساتھ قادر و توانا ہو، دانائے کار، رئیس وہ۔ یہ دہگان کا معرب ہے۔
(بحوالہ فتوح البلدان، اردو مترجم سید ابو الخیر مودودی ص ۲۴۱)

روادار نہیں ہیں آپ چور و چکار سے ہوشیار رہیں۔
بالآخر دلزاک کے دھاڑوں اور چوریوں سے یوسف زئی لاچار ہوگئے۔ ملک احمد نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایک رات پار جاکر دلزاک کے مویشی ہانک لائیں شاید وہ اس طرح ڈر کر برائی سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ ایک رات یوسف زئی کے ڈاکو پار گئے اور ملک محمد خان دلزاک کی خاص سواری کا گھوڑا اڑا لائے اور شیخ علی اکازئی مندڑ کو دیدیا۔
دلزاک کو اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے بہت پیچ و تاب کھائے اب وہ کھلم کھلا یوسف زئی کو نقصان پہنچانے پر کمربستہ ہوگئے شب و روز پار آتے اور ایذا پہنچاتے تھے۔ شیخ علی ہمیشہ محمد خان کے اس گھوڑے پر سوار ہوتے اور رات کے وقت چند سواروں اور پیادوں کے ساتھ قوم کی نگہبانی اور گرد و نواح کی حفاظت کرتے بالخصوص درمیانی گزرگاہ کی تو ساری رات بالا و پایاں نگرانی ہوتی تھی کہ مبادا دلزاک پار آکر نقصان پہنچائیں۔

ایک رات جوہڑ ابن کیمل اور بعض دلزاک جو اس وقت کے شجاع تھے کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ شبخون مارنے کیلئے برہر اور تنگی کے اوپر اس جگہ کے مقابل جہاں علی کی زیارت ہے چھپ کر پار آگئے ان میں سے کچھ دریا کے کنارے پہاڑ میں تنگی کی گزرگاہ کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگ یوسف زئیوں کے دیہات کے نزدیک جہاں اس زمانے میں زیتون کے درختوں کا جنگل تھا، گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مویشی آجائیں تو پکڑ کر لے جائیں۔ شیخ علی اس شب کو بھی اپنی عادت اور معمول کیمطابق کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میپنے کی گزرگاہ سے بہت نیچے

اس مقام تک پہنچ گئے جہاں شیخ عباس کے والد حاجی محمد کی قبر ہے اور دوسری طرف دریا کے کنارے دلزاک کا گاؤں تھا جس میں یوسف زئی کی ایک خاتون بیاہی گئی تھی جسے دلزاک کے اس چھاپو اور غارت گری کا علم تھا کہ وہ شبخون کی غرض سے پار چلے گئے ہیں، یہ خاتون اپنی قوم (یوسف زئی) کی خیر خواہی کے سبب دریا کے کنارے آگئی اور بلند آواز میں رمز و کنایہ کے طریق پر کہا کہ اے سوارو! میں تمہاری بہن ہوں ہماری طرف سے سیب ڈاکو تمہاری طرف نکلے ہیں اور تمام بہترین سیب ان میں شامل ہیں۔ پس خبردار رہو۔ اس قول سے اس کی مراد یہ تھی کہ دلزاک کا دھاڑا پار گیا ہے اور دلزاک کے بہترین سوار اس میں شامل ہیں۔ شیخ ملی نے جوں ہی اس نیک سرشت بی بی کی بات سنی اُسے پہچان لیا اور اس کے کنایے کو بھی سمجھ گیا کہ دلزاک کا دھاڑا شبخون مارنے اس طرف آگیا ہے

دلزاک اور یوسف زئی کی جنگ

شیخ ملی نے فوراً اپنے دیہات میں قاصد بھیج دیے اور لوگوں کو خبردار کر دیا۔ چاشت کے وقت تک تمام لوگ نکل کر جمع ہو گئے یعنی ہر طرف کے دیہات سے دھاوے آگئے گاؤں کے قریب دلزاک کو دیکھا اور پیچھے ہو لئے۔ دوسری طرف سے شیخ ملی بھی دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف آ رہا تھا۔ سب آکر پیچونی (موڑ) کے بالمقابل جمع ہو گئے۔ دلزاک بھی سب آکر پیچونی کے دلزاک سے پہاڑ میں آکر مل گئے۔ یوسف زئی کے پیادے اوپر کی طرف سے آگئے اور سوار نیچے کی طرف سے اوپر چڑھ گئے دلزاک تیر زنی میں مشہور اور

صحیح نشانہ باز تھے، یوسف زئی کے بھی کافی تیر انداز تھے اور پیچنے کے پہاڑ کے قریب تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور جنگ چھڑ گئی۔

دریا کے دوسری طرف کنارے کنارے دلزاک کے دیہات تھے ملک محمد خان دلزاک کا گاؤں بھی دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ محمد خان جا کر بربر کے پہاڑ ورسک پیچنے کی گزرگاہ کے بالمقابل بیٹھ گیا اور جو کام اور جنگ کے قابل آدمی تھے ان سب کو کشتیوں پر پار کرا دیا، اور جو ضعیف اور کمزور تھے وہ اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے اور جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے۔ میدان جنگ وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ طرفین نے جنگ میں کوئی کمی نہ کی۔ تیر اندازی کے بعد دست بدست تلواریں چلنے لگیں مگر شکست کسی نے نہ کھائی۔ طرفین سے کوئی مر جاتا یا زخمی ہو جاتا تو اسے میدان جنگ سے ہٹا لیا جاتا۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو جانبین نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ آفرین ہے تمہاری مردانگی اور ہمت پر اب جب کہ رات ہو گئی ہے اور دونوں طرف کے لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور اپنے مقتولوں کو دفن اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ آخر طے پایا کہ ایک جانب کے لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور دوسری جانب کے لوگ اپنے مقتولوں کو یہاں دفن کریں۔ دوسرے دن دوسری جانب کے لوگ آ جائیں گے اور وہ اپنے مُردوں کو دفنائیں گے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق دلزاک نے وہیں رات گزاری، صبح کے وقت انہوں نے اپنے مُردوں کو اٹھایا اور رُو بہ شمال گڑھی کے گبریوں کی چوٹی کے دامن میں ہموار زمین میں دفن کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی آئے اور اپنے مُردوں کو

اٹھاکر دلزاک کے مقبرے کے متصل پانچ چھ گز کے فاصلے پر دفن کیا۔ دونوں قبرستانوں کے درمیان سے کوٹھے کو راستہ جاتا ہے، باجوڑ کا راستہ یوسف زئی کے مقبرے کے پاس الگ ہوگیا ہے اور گبریوں کا راستہ بھی یہاں سے الگ ہوگیا ہے۔ چنانچہ راستے سے مغرب کی طرف دلزاک کا مقبرہ ہے اور مشرق کی جانب یوسف زئی کا۔

اس مقام پر سفید مٹی اور سنگ ریزے بہت زیادہ ہیں چنانچہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بھی سفید سنگ ریزے ڈال دیئے ہیں اس لئے دور سے وہ جگہ سفید دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس مقام کو "سپین خاک" کہا جاتا ہے۔ گرد و نواح کے بسنے والے والوں میں یہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

یوسف زئی کیساتھ لڑنے کیلئے دلزاک کا لشکر جمع کرنا

یہ سانحہ دلزاک پر بہت سخت گزرا اس لئے انہوں نے لشکر جمع کرنے میں بہت کوشش کی اور لشکر جرار جمع کرکے روانہ ہوگئے اور میچنے ننگی کی گزرگاہ پر، بربر کے مقام میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس زمانے میں یوسف زئی کثرت اور طاقت کے لحاظ سے کوئی خاص حیثیت نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ ابھی نئے نئے کابل سے یہاں پہنچے تھے۔ مرزا الغ بیگ کے حوادث نے انہیں پہلے ہی شکستہ حال کردیا تھا۔ پھر بھی جس طرح ممکن ہوا لشکر اکٹھا کرکے میچنے کی گزرگاہ پر بربر کے لشکر کے مقابلے مورچے سنبھال لئے۔ مگر یوسف زئی بڑے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کا لشکر قلیل تھا۔ اس موقع

پر ملک احمد نے اپنی قوم سے مخاطب ہوکر کہا:۔

"اے میرے عزیزو! دلزاک بہت بڑی نسل ہے۔ ان ممالک میں ہر جگہ یہی لوگ آباد ہیں۔ چنانچہ پشاور، ننگرہار، تیراہ، کلپانڑی سے پہور تک جو دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور پچھ، ہزارہ، کرلغ جو دریائے سندھ کے اس پار واقع ہیں۔ ہر جگہ یہی لوگ بستے ہیں اور ہم سڑبنی قبیلے کے اس ملک میں یہی محدودے چند دیہات ہیں وہ بھی ان ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ ہمارے سڑبنی ہیں سے گگیانی اور محمدزئی کابل میں رہ گئے ترکلانی لمغان میں اور غوریا خیل مُقر، ارگنداب اور قرہ باغ میں رہ گئے ہیں۔ پس ہمارے اندر ان کے ساتھ جنگ، مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے میں قوم کی بہتری اس میں ہے کہ میں ملک محمد خان کے پاس بطور جرگہ (ننواتے) چلا جاؤں۔ شاید وہ ہمارا یہ قصور معاف کرکے اپنے لشکر کو منتشر کردے۔ اور آنیوالی تباہی سے ہم بچ جائیں۔"

تمام یوسف زئی نے اس کی اس رائے کو سراہا۔

دلزاک کے ساتھ صلح کرنیکی غرض سے ملک احمد کا ملک محمد خان کے یہاں جانا

القصہ ملک احمد چند پیادوں کی معیت میں لشکر سے نیچے کیطرف روانہ ہوا اور میچنے کی دوسری گزرگاہ سے جو پہاڑ کی انتہا پر واقع ہے، دریا پار کرکے چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کے گھر وہ پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا وہ اندر جاکر بیٹھ گیا۔ محمد خان اس وقت لشکر

میں تھا۔ اس کی بیوی نے جو بہت جواں مرد اور عاقلہ تھی اس سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ اور کس غرض سے آئے ہیں؟ ملک احمد نے کہا کہ میں ملک احمد یوسف زئی ہوں اور ملک محمد خان کے پاس بطورِ جرگہ (ننواتے) آیا ہوں۔ یہ سن کر اس نے انہیں عزت سے بٹھایا اور اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اپنے ایک معتمد آدمی کو خفیہ طریقے سے ملک محمد خان کے پاس بھیجا اور اُسے مطلع کر دیا کہ ملک احمد بطورِ جرگہ آیا ہے۔ اس نے قاصد کو اچھی طرح سمجھا دیا، کہ دیکھو خبردار رہو ملک محمد خان اور باقی عوام کی مرضی اچھی طرح بھانپ لینا اور فوراً مجھے آکر اطلاع دینا۔

قاصد گیا اور خفیہ طور سے ملک محمد خان کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اور آپس میں مشورہ کیا، لیکن یہ بات لشکر والوں پر عیاں ہوئی تو ان میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ چونکہ جنگ میں ہر کسی کے بھائی اور عزیز قتل ہوئے تھے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا نے ہمیں ملک احمد دیا ہے ہم اُسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور بہت سے لوگ زور و شور، جوش و خروش، قہر و اشتعال اور غصے سے لبریز ملک احمد کو قتل کرنے کی غرض سے ملک محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک محمد خان اور اس کے رشتہ دار ملک احمد کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کے روادار نہ تھے۔ اس لئے دلزاک سے کہا کہ گھر میں منت سماجت کیلئے آتے ہوئے لوگوں کو آج تک کسی نے قتل نہیں کیا۔ اس میں ہماری بڑی بدنامی ہے اس طرح ان کا قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ ملک محمد خان نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا مگر لاحاصل۔ سارا لشکر محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمد خان بھی ان کے

ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کی بیوی نے قاصد نے جو یہ نقشہ دیکھا تو اس نے لشکر سے پہلے پہنچ کر اُسے ان حالات سے باخبر کیا اور اُسے بتایا کہ سارا لشکر ملک احمد کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے اور ملک محمد خان کی بات کوئی نہیں سنتا۔ ملک محمد خان کی بیوی نے یہ سُنا تو ملک احمد سے کہا۔

"سارا لشکر آپ کو قتل کرنے کیلئے چلا آرہا ہے اور ملک محمد خان کی مخالفت اور نصیحت کچھ سود مند نظر نہیں آتی، قوم اور عوام کا زور بڑا ہے آپ فوراً اس تہہ خانے میں کپڑوں کے پیچھے چھپ جائیں۔ اپنی حفاظت فرض ہے"۔

ملک احمد نے کہا" جیسے آپ مناسب سمجھیں، اس میں بہتری ہوگی"۔ ملک احمد اندر گھس گیا اور ان بنڈلوں کے پیچھے چھپ گیا۔ یہ تدابیر ملک محمد خان کی بیوی نے پہلے سے سوچ لی تھی۔ اور بنڈلوں کے پیچھے اس نے اسی غرض سے جگہ بنا دی تھی۔

ملک محمد خان کی بیوی نے ملک احمد کو تہہ خانے میں چھپا کر اپنے راز دار آدمیوں سے کہا کہ گلیوں میں پھیل جاؤ اور آوازیں لگا دو کہ ملک احمد بھاگ گیا۔ ان آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق گاؤں میں فوراً یہ بات مشہور کر دی کہ ملک احمد بھاگ گیا ہے۔

دلزاک کا لشکر ملک محمد خان کے گاؤں پہنچا اور ملک احمد کے فرار ہو جانیکا اسے پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان میں جو دانا اور سنجیدہ تھے انہوں نے بہت پشیمانی اور تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ جب کبھی افغان قبیلے ایک دوسرے سے لڑائی کریں اور ایک قبیلے کے معزز لوگ بطورِ جرگہ منت و سماجت کیلئے آجائیں تو پھر برائی کو دلوں سے نکال دیا جاتا ہے اور جرگے کے لوگوں کو عزت اور آبرو

کے ساتھ اپنے گھروں سے رخصت کرتے ہیں۔

افسوس! ہم نے کتنی بے عقلی اور نادانی کا ثبوت دیا کہ ملک احمد جیسا معزز آدمی ہمارے گھر منت و سماجت کیلئے آیا اور ہم اس کی توقیر کے بجائے اس کے قتل کے درپے ہو گئے وہ بے آبرو ہو کر ہمارے ہاں سے چلا گیا، تمام افغان قوموں اور قبیلوں میں ہم بدنام ہو گئے۔ اس کے بعد ہم پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔

لوگ ملک محمد خان کو بھی ملامت کرتے تھے کہ افسوس ملک احمد جیسا معزز آدمی اس کے گھر منت و سماجت کیلئے آیا اور اس نے اپنے گھر کی لاج نہیں رکھی اور ملک احمد اس کے گھر سے بے آبرو ہو کر چلا گیا۔ ملک محمد خان کی بیوی بھی اُسے ملامت کرتی تھی کہ آپ اپنے گھر کی حیا، لاج اور آبرو بھی نہ رکھ سکے اور محمد خان اور اس کے عزیز بھی اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے کہ یہ بہت بُرا ہوا ہم تو منہ دکھانے کے نہ رہے۔ سارے قبیلوں میں رسوا اور بدنام ہو گئے۔

جب ملک محمد خان کی بیوی نے دیکھا کہ دلزاک اپنے ارادے پر واقعی پشیمان ہیں تو اس نے شوہر سے چپکے سے کہا کہ اگر آپ ملک احمد کو دلزاک کے شر سے بچا سکتے ہیں اور اس کی منت و سماجت قبول کروا سکتے ہیں تو میں ملک احمد کو بلوا سکتی ہوں۔ ملک محمد خان نے کہا کہ اگر تم ملک احمد کو بلوا سکو تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو گی۔ ہم تو اس وقت خدا سے یہی دُعا مانگتے ہیں کہ ملک احمد مل جائے اور ہم اُسے اپنے گھر سے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کریں تاکہ ہم سب کی آبرو قائم رہ جائے۔ اب تو دلزاک بھی پشیمان ہیں اور ہر کوئی آرزو کرتا ہے کہ کاش! ہم ملک احمد کو آبرو کے ساتھ رخصت کر دیتے پس اگر تم اُسے بلوا سکو تو بہت اچھا ہو گا اب اس کی جان اور

عزت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم اسے عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کریں گے تاکہ ہماری آبرو اور بھرم قائم رہ جائے۔

غرض یہ کہ پورے اطمینان کے بعد ملک محمد خان کی بیوی نے اُسے بتایا کہ ملک احمد کہیں نہیں گیا میں نے اس گھر کی عزت قائم رکھنے کے لئے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ ملک احمد بھاگ گیا۔ میں نے اسے تہہ خانے میں کپڑوں کے بنڈلوں کے پیچھے چھپا دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گئی اور بنڈلوں کو ہٹا کر ملک احمد کو تہہ خانے سے نکال لائی۔ ملک احمد آ کر ملک محمد خان سے ملاقی ہوا۔ ملک محمد خان اس سے مل کر اپنی بیوی کے کمال ہوشیاری پر بہت خوش ہوا۔ اس نے ملک احمد کی مدارات اور دل جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس کے بعد ملک محمد خان نے عزیز و اقارب کو بلایا اور انہیں ان حالات سے آگاہ کیا وہ بھی آ کر ملک احمد سے ملے اور بہت خوش ہوئے۔ پھر محمد خان نے سارے لشکر کو جو ابھی وہیں موجود تھا آگاہ کیا۔ اس خبر سے ہر کوئی بہت خوش ہوا اور ملک احمد کی طبع تسلی کی۔ فرطِ مسترت سے ڈھول اور نقارے بجائے اور خوشیاں منائیں آخر میں ملک احمد نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ:-

"اے دلزاک بھائیو! آپ نہایت زبردست اور زور آور لوگ ہو، ہم تھوڑے سے لوگ یہاں آ کر آپ کے زیرِ سایہ پڑے ہوئے ہیں باقی ہماری قوم یہاں نہیں ہے۔ اس دفعہ ہمارے گناہ کو معاف کر دیجئے۔ دیکھئے میں اپنی جان کی بازی لگا کر ایسے وقت میں آپ کے آستانے پر منت اور معذرت کے لئے آیا ہوں۔ خدارا اس لشکر کو منتشر کر دیں اور ہم سے اس غلطی کی باز پرس نہ کریں۔"

دلزاک نے کہا۔ ملک احمد! جب آپ ہمارے ہاں آ گئے تو

آپ کے طفیل ہم نے آپ کی قوم کو معاف کردیا مگر اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کریں۔ پھر مصافحہ کرکے قسموں کے ساتھ صلح کے اس معاہدے کو مستحکم کیا۔ اُسے خلعت سے نوازا اور زین لگا ہوا ایک نہایت عمدہ گھوڑا ملک احمد کو دیکر پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کردیا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت دلزاک محمد خان کے گھر میں جرگہ تھے۔ نقارے بجارہے تھے اور ملک احمد کے بارے میں مشورے کررہے تھے دلزاک کا ایک قدیمی مطرب جس کا نام پیرکی تھا وہ بھی اس وقت حاضر تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ پیرکیہ! تم بھی کچھ کہونا۔ پیرکی نے کہا میں کیا کہوں اور اگر کچھ کہوں تو تم مجھ پر غصّہ کروگے۔ جو سمجھدار اور ہوشیار لوگ تھے اور اس کی شیطنت اور فتنہ انگیزی سے باخبر تھے انہوں نے کہا آخر کچھ تو کہو۔

پیرکی نے بلند آواز سے کہا:۔

"اے دلزاک! احمد خدا نے تمہیں دیا ہے۔ اسے چھوڑنا مت اگر تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کی ایسی تیسی کردے گا۔"

مگر اس کی بات کسی نے نہ مانی اور وہ یہ کہہ کر بھاگ گیا لوگوں نے اس کا بہت پیچھا کیا، اُسے پتھر مارے، گالیاں دیں مگر اُسے جو کہنا تھا کہہ کر صاف نکل گیا۔

غرض یہ کہ ملک احمد کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کرکے دلزاک نے اپنا لشکر منتشر کردیا۔ ملک احمد اپنے لشکر سے آملا اور پھر لشکر سمیت دوآبے واپس آگیا۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ ملک احمد کو مبارکباد دی اور کہا کہ الحمدللہ! اللہ پاک نے آپ کو سلامتی

کے ساتھ ہم میں پہنچا دیا اور ہمیں دلزاک کے شر سے محفوظ کردیا ملک احمد نے اُن سے کہا کہ اب دلزاک سے تعرض نہ کرنا۔ اب تم سوات کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ اگر سوات پر قبضہ کرلیا تو سمجھو کہ ہم نے مغل اور دلزاک دونوں سے چھٹکارا پالیا۔

سوات:۔ چونکہ ملکِ سوات کا ذکر بار بار ہو رہا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ ملکِ سوات کے قدیم باشندوں کے متعلق بھی کچھ ذکر ہوجائے۔

مترجم منشی دوارکا پرشاد اُفق لکھنوی کا بیان ہے کہ:۔

"کیھرلی گڑھ کی سیہات قوم ایک شمالی قوم ہے، گو مورّخانِ حال اس کے حالات سے بالکل لاعلم ہیں مگر بھٹی قوم کی تاریخ میں ان مقبوضات کا بارہا ذکر ہے۔ جو انہوں نے دریائے ہفیس (دریائے سوات) کے دونوں ساحلوں پر وسیع کئے تھے۔ اس قوم کی سکونت (موجودہ) سواد میں تھی جو صوبہ اشنغر کی ایک قسمت (یعنی ضلع) ہے اور جہاں سکندر کے عہد کی قوم اساکانی بودوباش رکھتی تھی، غالباً یہ اُس اساکانی فرقے ہی کی ایک شاخ ہے جس نے سکندر سے مقابلہ کیا تھا۔"

(ٹاڈ راجستان جلد اوّل صفحہ ۴۸۱-۴۸۲)

ایک مغل مؤرخ لکھتے ہیں:۔

"سوات کے قدیم باشندے ہندو تھے جو سوہات کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے زمانہ میں اس خطّہ کو پٹھانوں نے فتح کیا۔ (جن کو اب سواتی پٹھان کہتے ہیں) اور ریاست بنایا۔ ایک عرصہ بعد یوسف زئیوں نے ان پٹھانوں کو اس خطے سے خارج کیا۔

(تاریخ ہندوستان صفحہ ۸۵۹)

مولوی ذکاءاللہ دہلوی سوات کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

افغانوں سے پہلے اصل باشندے یہاں کے ہندو معلوم ہوتے ہیں جو غالباً "پارو پائی ساکے ڈیا" (اساکافی) کی اولاد میں سے ہوں گے۔ یہ نسبتاً زمانہ حال کا واقعہ ہے۔ کہ بعض خاص افغانوں کی قوموں نے (غوریوں کے زمانہ میں) اس ملک کو فتح کیا اور اُن افغانوں کو بھی ستّو برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ یوسف زئیوں نے جو قندہار کے قریب رہتے تھے اپنے وطن سے جلاوطن ہو کر ان افغانوں کو نکالا ہو۔ اور اُن کے ملک پر قبضہ کیا ہو۔

(اقبال نامہ اکبری جلد ۵ صفحہ ۵۳۶)

الغرض سواتی پٹھان کسی ایک خاندان یا قبیلے سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کئی افغان قبیلے تھے جو شہاب الدین محمد غوری کے ساتھ آئے تھے اور سوات میں آباد ہو گئے تھے۔ بعد میں باہر کے لوگ انہیں الگ الگ قبیلوں کے نام سے پکارنے کے بجائے سوات سے وطنی نسبت کی وجہ سے سواتی پٹھان کہنے لگے۔ اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں اس کے حکم سے سوات اور باجوڑ کی راہ لی تھی۔ اور وہاں سے قدیم باشندوں کو جو کافر تھے نکال کر اس علاقہ پر قابض ہو گئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قابض رہے۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۳)

یوسف زئیوں کا سوات کیطرف متوجہ ہونا اور بابر بادشاہ کا یوسفزیوں کو فتح کرنیکی غرض سے آنا۔

واضح رہے کہ یوسف زئی مغلوں سے تنگ ہو کر جب کابل سے ہجرت کر کے پشاور پہنچے تو قوم دلزاک اور سلطان سوات دونوں یوسف زئی کے ساتھ بڑی ہمدردی اور احسان مندی سے پیش آئے تھے لیکن افسوس کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مغل اپنی اس خواہش و سازش میں کامیاب ہوئے۔ وہ یہ کہ یوسف زئی کے برخلاف قوم دلزاک اور سلطان سوات کو بدگمان کر کے ان کے بدخواہ بنا دیئے اور ان کو اپنے حسن سلوک پر پشیمان کر کے اس بات پر اکسائے کہ وہ یوسف زئی سے اپنے دیئے ہوئے مراعات اور علاقے واپس لے لیں۔ لہذا وہ رات دن یوسف زئی کے بیخ کنی کی تدبیریں سوچنے لگے اور نازیبا حرکتیں شروع کیں۔ اسی سبب سے آپس کے تعلقات خراب ہونے لگے۔ حتیٰ کہ نوبت بہ جنگ رسید۔

تواریخ افاغنہ کے مصنف خواجو مورخ لکھتے ہیں کہ جب یوسفزئی کی آبادی مورا نامی پہاڑ تک پہنچ گئی تو سلطان اویس سوات کے بادشاہ پر یہ بات ناگوار گزری وہ اُن سے رنجیدہ اور خائف ہوا اور اپنے امیروں اور سرداروں سے کہا کہ یوسف زئی کا اتنے قریب تک آجانا اچھا نہیں ہے۔ یہ سوات کے زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوات سے اس قدر قریب آباد ہونے سے اُن کی غرض سوات پر قبضہ کرنا ہے۔ اس امر کی فکر کرنی چاہیے۔ امیروں نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو جو ملک احمد کی ہمشیرہ ہے قتل کردیں تاکہ یوسف زئی کی آمد و رفت یہاں سے منقطع ہوجائے اور اُن تک ہمارے حالات کی خبر نہ پہنچ سکے۔ سلطان اویس نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنی بیوی کو نہایت بربریت کے ساتھ چھریاں مار مار کر ہلاک کر دیا اور منگلور میں دفن کردیا۔

کہتے ہیں کہ وہ بہت پارسا اور نہایت صالح عورت تھی۔ ملک احمد اور دیگر یوسف زئیوں نے جب یہ بات سنی تو سلطان اویس کا یہ ظلم ناروا اُن پر سخت گراں گزرا۔ مگر چونکہ ملک احمد نہایت زیرک، صاحب عقل اور دانا شخص تھے۔ انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور تعزیت رسم کے مطابق ایک سو گائے، بیل سلطان کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ حکم الٰہی یہی تھا جس سے کوئی چارہ نہ

تھا اگر آپ کو ہم سے ناطہ پسند ہو تو دوسرا رشتہ حاضر ہے اور اگر اجازت ہو تو میں خود بھی آپ کے یہاں فاتحہ کیلئے آؤں۔ سلطان اویس نے ملک احمد کے قاصد کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ جو مقدر میں تھا وہ ہوگیا اگر آپ کی مرضی یہاں آنے کی ہو تو ضرور آئیں۔ چنانچہ ملک احمد بیس آدمیوں کو لے کر اپنی ہمشیرہ کی تعزیت کے لئے بگیاڑے سے منگلور کیلئے روانہ ہوگیا۔ (بگیاڑہ کاٹلنگ سے تخمیناً ۹ میل کے فاصلہ پر واقع تھا)

منگلور سوات کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں ایک بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ یہ مقام سلاطین جہانگیریہ کا پایہ تخت تھا۔

قلعے میں تمام سلاطین اور بعض جہانگیری امیروں کے عجیب اور رنگین محلات و قصور تھے۔ قلعے کے چاروں طرف شہر آباد تھا۔ جسمیں بڑے بڑے بازار تھے۔ جب یوسف زئی نے سوات فتح کرلیا تو شہر کو ویران کردیا مگر قلعہ اور قصور و محلات جو پختہ اور سنگین تھے سب کے سب ۱۰۳۳ھ ہجری میں قائم اور ایستادہ تھے۔

منگلور کا یہ شہر اور قلعہ، سوات کے آخری سرے پر مشرق کی جانب پہاڑ کے دامن میں دو ندیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں ندیاں چند میل آگے جاکر دریائے سوات میں گرجاتی ہے۔

سلاطین جہانگیری، سلطان جہانگیر کی اولاد ہیں جو اسی کی طرف منسوب ہیں۔

واضح رہے کہ سلطان اویس کی بیوی جسے ناحق شہید کردیا گیا تھا ملک احمد کی سگی بہن تھی اور سلطان اویس کے ساتھ نسبت کی وجہ محض یہ تھی کہ جس وقت یوسف زئی لوگ خوار و خستہ حال دوآبہ

میں آکر آباد ہوئے تھے تو پریشان حالی اور تنگدستی کے سبب مختلف اشیاء، گڑ، چٹائی وغیرہ سوات لیجایا کرتے تھے اور فروخت کرکے گذر اوقات کرتے۔ یوسف زئی روزگار کے سلسلے میں سوات کو آتے جاتے رہتے تھے۔ اس آمدورفت میں سلطان اور ملک احمد کا غائبانہ تعارف ہوگیا۔ تعارف نے دوستی کی شکل اختیار کرلی۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ ملک احمد کی کنواری بہن گھر میں موجود ہے۔ تو اس نے نکاح کی آرزو ظاہر کی، یہ چونکہ سوات کا بادشاہ تھا اور ملک احمد اور اس کی قوم اسوقت سلطان سوات کے محتاج تھے۔ اس لئے ملک احمد نے اپنی ہمشیرہ کا عقد اُس سے کر دیا۔ سلطان نے اپنے خاص اور معتمد اُمراء کو عروسی کے وقت بھیجا۔ وہ دلہن کو دو آبے سے لے آئے۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب یوسف زئی ملکِ سمہ کو اپنے تصرف میں لے آئے اور اس میں آباد ہوگئے۔ تو سلطان اُویس اُن کے اس قرب سے خوف زدہ ہوا اور سمجھا کہ یہ لوگ اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہیں گے اور ایک دن سوات کو بھی ہڑپ کرلیں گے۔ اس لئے اس اندیشے کے پیش نظر وہ سوات کی حفاظت اور یوسف زئیوں کو وہاں (ملکِ سمہ) سے نکلوانے میں لگ گیا۔

چنانچہ اس کے ایک مشہور امیر میر ہندا نے مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر چوکی بنائی اور شاہ اُویس اور فرخ زاد نے بھی جو اس کے نامور امیر تھے۔ ملاکنڈ کی چوٹی پر چوکیاں بنائیں۔

الغرض سلطان کو ملک احمد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ منگلور سے تھانے آگیا۔ سلاطین سوات کا یہی دستور تھا کہ جب کبھی کوئی مہم پیش آتی تو منگلور سے تھانے آجاتے۔ وہاں اپنے اعیان اور سرداروں کو بلاکر جرگہ اور صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ اسی

بناپر اس موضع کو "اتن جائے" یعنی جرگے کی جگہ کہتے تھے

تھانہ سوات کا ایک مشہور موضع ہے جو منگلور سے آدھے دن کی مسافت پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ یہاں شروع ہی سے بہت نامور لوگوں کی سکونت اور آبادی رہی ہے۔ سنہ ۱۳۳۰ھ میں یہاں بابوزئی آباد تھے اور اب یعنی سنہ ۱۳۵۰ھ میں یہاں بازئی خیل، کنڈا خیل، سہیل خیل، علی خیل، اولادِ خانا بن شاہ بیگ ابا خیل سولیزئی اکوزئی آباد ہیں۔ سہیل خیل جسے ناگوال بھی کہتے ہیں جن کی نسبت ناگوا گاؤں کی سکونت ہے۔

جب ملک احمد تھانے کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے اپنے آدمیوں کو اس کے استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ ملک احمد کو تھانے کے متصل کسی مقام پر اتار دیں۔ سلطان کے آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق دو تین تیروں کے فاصلے پر اُس جگہ جسے اس وقت "بختی ڈیرئی" کہتے ہیں، جائے اقامت دے دی۔ بختی میرجان شاہ تاجو خیل محمد وزئی کے بیٹے کا نام تھا جو پہلے وقتوں میں یہاں آباد رہا تھا۔ بعد میں یہ موضع اس کے نام پر موسوم ہوگیا۔ اس وقت سے آج تک اُسے بختی ڈیرئی کہتے ہیں۔ یہ ایک ناہموار جگہ ہے۔ آج کل یہاں بلندی پر ایک مسجد آباد ہے۔

الغرض ملک احمد وہاں اقامت پذیر ہوا تو سلطان کے قاصد نے جاکر ملک احمد کو ایک خدمت گار کے ساتھ مدعو کیا۔ ملک احمد سلطان کو آداب بجالایا۔ تعزیت کی اور فاتحہ پڑھ کر بختی ڈیرئی کو لوٹ آیا۔ دوسرے دن پھر حاضری کا موقع دیا۔ ملک احمد ابھی سلطان کے پاس سے واپس نہ آیا تھا کہ میر ہندا ملک احمد کی قیام گاہ پر آیا۔ ملک احمد کے آدمیوں نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی مگر وہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹھ کر اپنے آدمیوں سے اشتعال انگیز باتیں کرنے لگا۔

میر ہندا نے ملک احمد کے لوگوں سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم یوسف زئی لوگ سوات پر قبضہ کرنے کے خیال میں ہو۔ ایسا بھی کوئی تم میں سے جوان مرد ہے جو میرے مقابلے میں آجائے۔ ملک احمد کے آدمیوں نے ملک احمد کے پاس خاطر سے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر وہ برابر اسی طرح لاف زنی کرتا رہا۔ اس کا غصہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتا گیا اگرچہ یوسف زئی اس بات سے انکاری رہے اور اس کی تعریفیں کرتے رہے، لیکن اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

آخر یوسف زئی کے ایک بہادر اور جوان مرد کریم داد بن عثمان بن الیاس الازئی اکوزئی سے ضبط نہ ہو سکا۔ میر ہندا سے کہنے لگا کہ ہم تو سوات کا خیال دل میں نہیں رکھتے اور جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر یوسف زئی یہاں آئے تو یہ کروں گا وہ کروں گا تو اس کا فیصلہ تم ابھی کر سکتے ہو۔ میں ایک عام یوسف زئی ہوں اسی وقت تمہارے مقابلے کیلئے تیار ہوں۔ اس پر دوسرے ساتھیوں نے کریم داد سے غصے سے کہا کہ تم خاموش رہو یہ جو کچھ کہنا چاہے کہے۔ اس پر میر ہندا اور غضبناک ہوا اور اُسے گالیاں دیں کہ اے سگتے گوجر! تمہاری یہ جرأت! تم میرے مقابلے پر آؤ گے۔ میر ہندا کے نوکر بھی ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے مگر میر ہندا نے انہیں منع کیا کہ سلطان بُرا مان جائیگا۔

میر ہندا ابھی یہیں موجود تھا کہ ملک احمد کے ساتھیوں کے لئے سلطان کی طرف سے خوان آگیا۔ لانیوالے خدمتگاروں نے از روئے ادب میر ہندا کے روبرو رکھدیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چند لقمے لے لئے اور پھر حکم دیا کہ یہ چاول زمین پر گرادو۔ خدمتگاروں نے چاول باہر صحن میں پھینک دیئے۔ میر ہندا اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانیکے بعد ملک احمد

کے ساتھیوں نے اُٹھ کر چاول اپنے اپنے دامن میں بھر لئے اور شوق سے کھالیے۔ انہوں نے اس بات کو نیک فال پر محمول کیا کہ میر ہندا نے تکبّر اور غرور کر کے سوات کے چاول زمین پر گرا دیئے اور ہم نے اکٹھے کر لئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسیطرح سوات ان کے ہاتھ سے نکل کر ہمارے قبضے میں آئیگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنا کاسہ خود زمین پہ انڈیل دیا۔

یہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے اور چاول کھا ہی رہے تھے کہ ملک احمد نے سلطان سے روانگی کی اجازت لے کر اپنے ڈیرے میں آپہنچا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے حقیقت حال بیان کی، ملک احمد نے کہا کہ حقیقت معلوم ہوگئی۔ چلو اب گھر چلیں خدا ہمیں ضرور سوات دیگا۔ چنانچہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

سوات سے آنے کے بعد ملک احمد نے یوسف زئی کے بڑے بڑے سرداروں اور مشیروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ سوات کے راستوں کی حقیقت معلوم ہوگئی اور سلطان کے حالات اور برے نیت و ارادے کا علم بھی ہوگیا اب تاخیر و تعطّل کے بغیر لشکر کو اکٹھا کرو اور سوات پر چڑھائی کر دو۔ اللہ ہمیں سوات دیگا یہ مشورہ سب اراکین جرگہ کو پسند آیا۔ کامیابی کیلئے دعا مانگی گئی۔ دوآبے سے لیکر مورا نامی پہاڑ تک کے تمام علاقوں سے لشکر بلا لیا گیا اور مورا کے جنوبی دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مورا کی چوٹی پر میر ہندا کی چوکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور مالاکنڈ کی چوٹی پر شاہ اویس اور فرخ زاد کی چوکیاں بھی قائم تھیں۔ یہ تینوں امیر کبیر تھے۔ یوسف زئیوں نے کئی بار مورے کی چوٹی پر ہلّہ بول دیا مگر چونکہ چوکی بہت محکم اور مضبوط تھی اور چوٹی سخت ناہموار اور بلند تھی اور راستے میں دشوار گزار

گھاٹیاں تھیں، جس کیوجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ کم وبیش دو ماہ تک اسی جگہ ڈیرے ڈالے رہے۔ آخر اسی راستے سے ناامید ہوکر مالاکنڈ کی چوٹی کیلئے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی۔ کہ وہاں کے لوگ غافل اور بے خبر ہیں اور راستہ بھی ہے۔ اس پر قبضہ کرنا آسان۔

اس پر ملک احمد، شیخ ملی، محمود بن یحییٰ ادین زئی (علاؤالدین زئی) اور ملک قرہ نے حکم دیا کہ رات کے پچھلے پہر میں ملاکنڈ کی چوٹی پر دھاوا بولو اور کسی قدر آدمی ڈیرے میں چھوڑ دو جو جابجا ڈیروں میں آگ جلاتے رہیں تاکہ مورے کی چوکی والے یہ سمجھیں کہ لشکر یہاں مقیم ہے۔

چنانچہ کچھ لوگ ڈیروں میں رہ گئے جو آگ جلاتے رہے، باقی لشکر نے کوچ کرنا شروع کردیا۔ ساری رات چلتے رہے تاآنکہ صبح کے وقت مالاکنڈ کی چوٹی کو سر کرلیا۔ شاہ ادیس اور اس کی چوکی والے خوابِ غفلت میں محو تھے۔ لشکر نے چڑھ کر چوکی والوں کو قتل کردیا۔ شاہ ادیس اور فرخ زاد دونوں بھاگ کر تھانہ پہنچ گئے۔ میر ہندا کو بھی خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی نے ملاکنڈ کی چوٹی سر کرلی ہے اور ادھر آرہے ہیں اس لئے وہ بھی وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر تھانہ آگیا اور تھانے کیحفاظت میں لگ گیا۔

یوسف زئیوں نے جب مالاکنڈ کی چوٹی سر کرلی تو چھ سات میل (دو کروہ) آگے جاکر ڈاگ میں ڈیرے ڈال دیئے اس مقام کو آس پاس کے کثرت دیہات (اور مرکز) کے سبب "خار" بھی کہتے ہیں۔ یہ ہموار میدان تھا اور ساتھ دریا بہتا تھا۔

سلطان اور سوات کی رعایا کو جب خبر پہنچ گئی تو نہایت ہراساں

ہوگئے اور کہنے لگے کہ بلا سوات میں گھس آئی۔ اب اس کا دفعیہ مشکل ہوگیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے جملہ اُمراء اور رعایا کے ساتھ موضع تانڑہ میں مقیم ہوگیا اور تانڑہ "خار" سے جہاں یوسف زئی کا لشکر اقامت گزیں تھا۔ تخمیناً تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ "خار" کی آب وہوا بہت اچھی اور علاقہ ہموار ہے اور سوات کا ایک تہائی حصہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے چوٹی کو سر کرکے نیچے اُتر گئے تو چوٹی کے نیچے "ملکوت" نام کا ایک سنگین قلعہ تھا۔ جس میں چوکی والے سامان رسد کا ذخیرہ رکھتے تھے اور کھانے پکانے کیلئے آتے جاتے رہتے تھے۔ یوسف زئیوں نے اسے غارت کردیا۔ یہاں سے بہت سامان واسباب اُن کے ہاتھ لگا۔ یوسف زئی اسی طرح آگے بڑھتے رہے اور سواتیوں کے دیہات کو جو ہر طرف آباد تھے، تاخت وتاراج کرتے رہے۔ اسی طرح دوسرے دیہات کو بھی تباہ کرتے رہے۔ البتہ جو کوئی آکر اطاعت قبول کرلیتا تھا۔ اُسے امان دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے خار پر قبضہ کرلیا تو گویا ایک تہائی سوات اُن کے تصرف میں آگیا۔ اس لئے دوسرے یوسف زئی پیچھے سے اپنے اثاثے لیکر آتے اور مقبوضہ حصہ سوات میں آباد ہوتے جاتے اور سوات کی رعایا کو تسلی وتشفی دیتے تھے۔ جس کیوجہ سے لوگ واپس آکر اپنے گھروں میں آباد ہونے لگے۔ اس طرح سے ہر گاؤں میں چند گھر یوسف زئی کے ہوگئے۔ باقی سوات کے لوگ بستے تھے۔ یہ بہار کا موسم تھا۔ یوسف زئی سواتیوں کی چیزیں کھاتے تھے اور فصلوں میں گھوڑے چراتے تھے۔ سارا لشکر اللہ ڈنڈ اور شینکر گاؤں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان اس وقت تھانے میں مقیم تھا۔

اور جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ جب یوسف زئیوں نے اپنے گھوڑوں کو تازہ دم کر لیا تو لشکر جنگ کے ارادے سے کوچ کرتا ہوا تھانے کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف سے سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر تھانے سے ڈیڑھ میل آگے بڑھ آیا۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ جنگ میں سلطان کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یوسف زئی اُن کا تعاقب کرتے ہوئے تھانے سے مشرق کی جانب بارہ میل آگے دریا کے پار تورہنگ نامی گاؤں تک چلے گئے اور سلطان کا لشکر نہایت خراب و خستہ حالت میں تورہنگ میں داخل ہوا۔ راستے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے مال و اسباب غارت ہو گیا۔ تورہنگ سے یوسف زئی لوٹ کر پھر تھانے میں آکر مقیم ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں جب سلطان نے شکست کھائی تو اس کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ یوسف زئی کا لشکر ان کا پیچھا کرتا رہا۔ سلطان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ صحیح راہ کھو کر غلط راستے پر جا پڑا اور لنڈاکی برج جو تورہنگ گاؤں کے بالمقابل دریا کے اس پار ہے۔ لشکر سے جدا ہو کر تلگ نزد چرخنی چلا گیا۔ وہاں سے مضافاتِ ابوہانک اور پھر وہاں سے مڑ کر بری کوٹ اور گروتئی کے درمیانی پہاڑ کے اوپر جاتے ہوئے شمال کی طرف دریا پار کر کے سوئی گلی کی چوٹی کے راستے دمغار ہوتا ہوا منگلور پہنچ گیا۔

سلطان جب لنڈاکی میں راستہ کھو گیا۔ خوف اور پریشان حالی میں جنوب کی طرف ملک حسن متراوی کے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ملک حسن متراوی اس کا دشمن تھا۔ علاقہ بھی اس کا الگ تھا۔ اور ہمیشہ سے سلطان کا مخالف تھا۔ اس لئے سلطان سراسیمہ ہوا کہ ایک بلا سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت میں پھنس گیا۔

متراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل اور شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور متراویوں کے ماہرینِ انساب کا بیان ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف زئی ہیں۔

"ان کا یہاں آنا اس طرح ہوا کہ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ تنگار کی حدود میں موضع گارگے اور نیشکے میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے حوادثات زمانہ کے سبب الگ ہو گئے اور یہاں آکر متوطن ہو گئے اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔"

بہرحال سلطان نے اس خوف سے کہ کوئی متراوی اُسے نہ دیکھے ورنہ قتل کر دیگا۔ اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑ کے دائیں طرف ایک درے پر ہو لیا جسے بت پابھٹ کہتے ہیں اور کفار کے زمانے سے وہاں بکثرت بُت پڑے ہوئے تھے۔ جب وہاں یوسف زئی کا غلبہ ہو گیا تو انہیں توڑ ڈالا۔ یہ جگہ الوہا سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

اس راستے پر سلطان جہاں تک سوار جا سکتا تھا، سوار ہو کر گیا اور جب گھوڑے کے جانے کا امکان ختم ہو گیا تو اتر پڑا اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ ہتھیار اور شاہی لباس وہاں اتار پھینکا اور پیدل درے میں چڑھتا رہا۔ تیسرے دن نہایت خراب اور خستہ حالت میں تھکا ماندہ گھر پہنچ گیا۔ گھر والے اُسے رو پیٹ کر بیٹھ رہے تھے۔ سوئم کی رسوم یعنی تیسرے دن کی خیرات و فاتحہ بھی ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو جب کئی دن تک اس کی خبر نہ ملی تو انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ جنگ میں کام آیا۔ اب وہ زندہ گھر پہنچا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان کے بہت سے عزیز و اقارب اور امیر مارے گئے۔ منجملہ ان کے شاہ اویس اور فرخ زاد اور میر نجو سواتی وغیرہم بڑے بڑے نامور اور مشہور امیر تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار

رعایا اور عوام دا شرافراد مارے گئے تھے ۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ میر ہندا کے علاوہ دوسرا کوئی امیر زندہ نہ رہا۔ اس جنگ کو " جنگ تھانڑا (تھانہ) کہتے ہیں۔ اور نیز معلوم رہے کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر سے جدا ہو کر پریشان حال بھاگ رہا تھا تو یوسفزئی کے چند سواروں نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے تعاقب میں چلے گئے ۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ سلطان ہے جب کچھ دور تک گئے تو سب نے دیکھا کہ وسط راہ میں سونے کی دو بالیاں ایک رومال میں بندھی ہوئی پڑی ہیں یہ بالیاں سلطان نے اپنے کانوں سے نکال کر رومال میں باندھ کر اس خوف سے گرادی تھیں کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ سلطان ہے تو قتل کر دے گا۔ سوار رومال دیکھ کر اتر پڑے اور اسے اٹھا لیا، کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی دو بالیاں تھیں۔ اس اثنا میں سلطان بہت دور نکل گیا۔ اس کے آگے پھر مترادیوں کی بستیاں تھیں، چنانچہ یوسف زئی سوار وہاں سے واپس لوٹ کر اپنے لشکر سے آملے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام سلاطینِ سوات کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو اس کے دونوں کانوں میں سونے کی دو بالیاں ڈال دیجاتی تھیں۔ سلطان کے علاوہ کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہن سکے۔ یہ سلطان کا خاص امتیاز تھا۔ بڑے بڑے اُمراء چاندی کے حلقے کانوں میں ڈالتے تھے۔ ابتداء میں جب یوسف زئی سوات پر قابض ہوئے تو وہ بھی اسی دستور کے مطابق اپنے کانوں میں سونے کے حلقے ڈالنے لگے، مگر وہ کشمیریوں کی رسم کے مطابق خوبصورت اور مُنقش ہوتے تھے۔ خصوصاً مندڑ میں اکثر بہزاد خیل صدوزئی مندڑ ڈالتے تھے اور یوسف نامہ میں اکثر اکوزئی خصوصاً اسا خیل ملی زئی ڈالا کرتے

تھے، اور دوسری بات یہ واضح رہے۔ کہ اس لڑائی میں جب جانبین کی صفیں مقابل آگئیں۔ کریم داد بن عثمان الیاس زئی ابازئی نے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ میر ہندا کو سلطان کی صف میں دیکھا تو فارسی میں اُسے یوں للکارا۔ کہ:-

" اے میر ہندا! اگر تم مرد ہو اور جنگ کا خیال رکھتے ہو تو آجاؤ میں حاضر ہوں"۔

اس زمانے میں یوسف زئی لوگ نئے نئے کابل سے آئے تھے۔ فارسی خوب بولتے تھے، پس جب میر ہندا نے کریم داد کی للکار سنی تو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر میدان میں نکل آیا۔ دونوں نے فارسی زبان میں دعوتِ جنگ دی کہ تم پہلے وار کرو۔ دوسرا کہتا تھا نہیں تم پہل کرو۔ آخر دونوں نے نیزے کے دو دو وار کئے مگر دونوں زرہ پوش تھے اس لئے کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ میر ہندا نے زرہ کے اوپر قبا پہنی تھی۔ کریم داد جب نیزے کا وار کرتا قبا میں سے روئی نکال لیتا۔ نیزہ اور کچھ نہ کر سکا تھا اس اثناء میں دونوں لشکر بھی برسرِ پیکار ہو گئے۔ ابھی ایک دوسرے پر دو دو ہاتھ بھی نہ اٹھانے پائے تھے کہ سلطان کا لشکر شکست کھا گیا۔ میر ہندا بھاگنے لگا تو کریم داد نے اُسے آواز دی کہ اے میر ہندا! مت بھاگو، بھاگنا مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ تم لاف زنی کرتے تھے۔ مگر میر ہندا کہاں ٹھہرنے والا تھا۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ کریم داد دو تین میل تک اس کا تعاقب کرتا رہا اور وار کرتا رہا۔ مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر کریم داد نے نیزے کی آنی اس کی زرہ کے گریبان کے اندر کر دی اور بہت زور لگایا کہ میر ہندا گر جائے مگر وہ نہ گرا کیونکہ اس کا گھوڑا بہت عمدہ تھا اور وہ خود بھی قوی ہیکل شخص تھا۔ اس کے

مقابلے میں کریم داد سبک اندام تھا اور اس کے گھوڑے نے "تازہ خوید" کھائی تھی۔ اس میں اتنا زور اور قوت نہ تھی۔ اسی طرح یہ دونوں آگے چلتے رہے۔ جب ہموار زمین سے نکل کر دریا کے قریب خراب اور ناہموار زمین پر پہنچ گئے تو میر ہنڈا کو گر جانے جانیکا خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے ایک پیادے سے جسے "ہفت منی" کے نام سے پکارتے تھے، کہا کر اے ہفت منی! یہ سوار تو مجھے نہیں چھوڑتا نظر آتا۔ ہفت منی نے اس پہ تیر چلایا جو برہنہ جگہ پہ ایسا لگا کہ کریم داد گھوڑے سے نیچے گر گیا اور وہیں مر گیا اور کریم داد کے نیزے کی انی میر ہنڈا کی زرہ میں اٹکی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ آگے جاکر نکالا۔ یوسف زئی میں کریم داد کے علاوہ اور کوئی نامور آدمی اس لڑائی میں نہیں مارا گیا۔

یوسف زئی نے اس جنگ کی بدولت سوات کے تہائی حصے پر قبضہ کرلیا اور ہر کسی نے سمجھ لیا کہ یوسف زئیوں کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے۔ اور سلطان کے اقتدار کے سورج کو گہن لگ چکا ہے اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ یوسف زئی ان دنوں بڑے خوش اخلاق اور نیک معاش تھے، اس لئے لوگ چاروں طرف سے آکر ان کے مقبوضہ سوات میں آباد ہونے لگے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ہر گاؤں میں یوسف زئی کے چند گھرانے آباد ہوتے رہے۔

سوات کا ایک تہائی حصہ جس پر سلطان اور ملک حسن متراوی کا قبضہ تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ سوی گلی کی چوٹی سے اوپر خنزریہ اور منگلور تک سلطان کے قبضے میں تھا اور شاہ میلے کی چوٹی سے لنڈاکی اور مورے تک جو آبی اور سرسبز علاقہ تھا حسن متراوی کے زیر

لے گندم اور جو کی تازہ اگی ہوئی فصل جس کے پودے نرم اور کچے ہوتے ہیں اور جس میں غذائی قوت کم ہوتی ہے، خوید کہتے ہیں۔

تصرف تھا۔ یوسف زئی کا لشکر نمارہ، تھانہ، چکدرہ اور راموڑہ میں پڑا ہوا تھا اور ہمیشہ سلطان کے زیر نگین دیہات پر شبخون مارتا، دھاوے بولتا اور قید و بند اور قتل و غارت میں دریغ نہ کرتا تھا۔ دیہات جلاتا اور تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ لیکن متراویوں کے علاقہ سے کوئی تعرض نہ کرتا تھا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ سلطان کا ملک مسخر کریں تو اس طرف متوجہ ہوں۔ بیک وقت دونوں طرف دست اندازی مناسب نہ تھی۔

کچھ دنوں کے بعد یوسف زئیوں کا لشکر منگلور کی طرف روانہ ہوگیا۔ دمغار سے آگے حسین ڈیری کے راستے سے آگے بڑھ کر صلاح و مشورہ کیا۔ یوسف نامے نے کہا کہ یارو! منگلور کا قلعہ سخت سنگین ہے۔ راستہ تنگ اور سلطان بذات خود اس میں مقیم ہے۔ لشکر بھی اس کا بہت زیادہ ہے۔ اس پر قبضہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہم اپنے آپ کو ان کے نرغے میں دے دیں گے اور کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ منگلور نہ جائیں اور کبھی ایک سرے اور کبھی دوسرے سرے کے دیہات پر دھاوا بولتے رہیں۔ اس سے وہ خود بخود تنگ آجائیں گے۔ مگر منڈڑ اس بات کو سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ انہیں منگلور چلنے پر اصرار تھا۔

آخر منڈڑ دریا سے پار اتر گئے۔ کہتے ہیں کہ منگلور جانے کے لئے زیادہ زور اکی بن بہزاد صدوزئی منڈڑ لگا رہا تھا۔ اور وہی پہل بھی کر رہا تھا جو ملک قرہ کا حقیقی بھائی اور نامور شہسوار تھا۔ آخر منڈڑ تنہا روانہ ہوکر منگلور پر حملہ آور ہوئے اور قلعہ کے باہر شہر منگلور کو تاراج کیا۔ لوگوں کو تہہ تیغ اور پابند سلاسل کیا۔ مگر سلطان قلعے سے باہر نہ نکلا۔ دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے گئے تھے۔ اس

لئے قلعے پر منڈڑ کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ بالآخر لشکر اسی دن وہاں سے لوٹ کر دمغار آگیا۔ من چلے نوجوان شکار کے طریق پر ہیبت جانے اور سلطان کے گردونواح کے دیہات پر دھاوے بولتے۔ آخر چند دن قیام کرنے کے بعد سارا لشکر دمغار سے کوچ کر کے تھانے آگیا اب سلطان کی طرف سے یوسف زئی کیلئے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

کہتے ہیں کہ انہی ایام میں عید آگئی۔ اکثر یوسف زئی نوجوان میدان میں نکل کر تماشے کرنے لگے۔ سوار نیزہ بازی کر رہے تھے، اسی اثناء میں بعض سر پھرے نوجوان شکار اور دھاڑا ڈالنے کے طریق پر بغیر پوچھے اور بزرگوں سے مشورہ کئے بغیر تالاش گئے۔ تالاش تھانے سے شمال کی جانب ۱۶/۱۵ میل کے فاصلے پر دریائے سوات کے اُس پار اور ۸/۷ میل دریائے پنجکوڑے سے اِس طرف دونوں دریاؤں کے بیچ میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر کفار کے عہد کا قلعہ تھا۔ قلعے کے سامنے انار کے باغات تھے۔ تالاش کے میدانی علاقے میں اُس وقت دہگانؔ کافر رہتے تھے۔ جو شجاعت میں مشہور تھے۔ ان کے اشراف واعیان قلعے میں رہتے تھے اور رعایا سب کے سب نیچے رہتے تھے۔ یوسف زئیوں کا یہ دھاڑا وہاں پہنچا۔ اور تالاشیوں کے مویشی کو پکڑ کر ہانکنے لگا۔ کچھ سواروں کو نوان کے پیچھے لگایا اور تجربے کار شہسوار دُنبال میں رہ گئے۔ تالاشیوں کو پتہ چل گیا، وہ اپنے مویشیوں کو چھڑانے کیلئے دوڑ پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ "کاٹ گلہ" کے درے تک پہنچ کر ان کی ناکہ بندی کر لیں۔ کاٹ گلے کا درہ وہ ہے جہاں تالاش کے دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ یہ انتہائی دشوار گزار اور سخت راستہ ہے۔ تالاشیوں کا خیال

لے دہگان، نسل یا مذہبی نام نہیں بلکہ ایرانی القاب تھے۔

تھا کہ یہاں ان کی ناکہ بندی کر کے اپنے مویشی ان سے چھڑا لیں گے مگر وہ وہاں پہنچے تو یوسف زئی کے سوار مویشی وہاں سے گزار کر آگے نکل گئے تھے۔

جب تالاشی کاٹ گلے کے میدان میں پہنچے تو یوسف زئیوں کے سواروں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جب اس مقام سے گزر کر اُدھر آگئے تو وہاں رباط نام کا ایک مقام تھا جس میں مکانات پختہ اور اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ اور پُرانی آبادی تھی۔ ایک بلند تودہ پر جس کے نیچے ایک عمیق خشک ندی تھی۔ ایک پیادہ تالاشی محمود بن شاہان یوسفزئی اکوزئی، ابازئی کے تعاقب میں پہنچ گیا اور پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ محمود چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر گیا۔ دونوں کُشتی لڑتے لڑتے نیچے ندی میں گر گئے۔ مگر اللہ نے محمود کو اس کے اوپر کر دیا۔ محمود نے چھری نکال کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا اور چاندی کے دو حلقے اس کے کانوں سے نکال کر پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سواروں سے آکر مل گیا۔ اور سب مل کر درے میں داخل ہو گئے۔ مگر تالاشیوں نے پھر ناکہ بندی کر لی تھی۔ جسے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یارو! محصور ہو گئے۔ مردانگی کرو، وقت مردانگی ہے۔ اس طرح اکثر سوار اوپر چڑھ کر پہاڑ کی طرف نیچے آگئے اور بعض شاہراہ پر درے میں داخل ہو گئے اور پھر سب نے مل کر تالاشیوں پر ہلہ بول دیا۔ سینکڑوں کو تہہ تیغ کر دیا پکڑے اور اسلحہ چھین لیا اور صحیح وسلامت درے سے نکل کر اپنے لشکر سے آملے۔

کہتے ہیں کہ مزید بن ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی منڈڑ، خان کجو کا شفیق بھائی جو شجاعت میں بے نظیر اور نہایت حسین وجمیل نوجوان

تھا۔ ایک عمدہ عراقی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی اثناء میں اس نے شمال کی جانب سے پہاڑ کے قریب ایک تالاشی پر وار کیا۔ اس نے نیچے درے میں چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اوپر چڑھ کر بھاگنے کا قصد کررہا تھا کہ مزید نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا گھوڑے نے اتنی چھلانگ لگائی کہ درے کے دوسرے کنارے پر اگلے پاؤں چٹان میں اٹک گئے۔ اسی حالت میں مزید نے تالاشی کو ایسا نیزہ مارا کہ نیزہ آرپار نکل گیا۔ اسی اثنا میں اسماعیل بہزادخیل جو مزید کا قریبی رشتہ دار تھا اس کی مدد کیلئے آپہنچا اور شمشیر مار کر تالاشی کو ہلاک کردیا۔ مزید نے جب دیکھا کہ اس کا گھوڑا چٹان کے ساتھ آدھا اُوپر اور آدھا نیچے کھڑا ہے تو چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا اور اُوپر چڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اوپر چڑھایا اور سوار ہو کر اپنے سواروں کے پیچھے چلا گیا۔ کاٹ گلے کے جس درے میں مزید کے گھوڑے نے جست لگائی تھی اس کے دونوں کناروں کا فاصلہ اکبری گز سے نو گز تھا۔ اس جگہ دونوں طرف پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جو اب تک عیاں و نمایاں ہیں۔ اور اس جگہ کو ابھی تک "گھوڑ تڑپ" کہتے ہیں۔

الحاصل وہ دھاڑا فتح وظفر کے ساتھ تھانے واپس آگیا۔ مال و مویشی بہت سے لے آئے جس پر ملک احمد نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب سلطان اور متراویوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو لشکر کو رخصت کردیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوا اور تالاشیوں کا رہنا بھی اب ان کے بس کا کام نہ رہا اس لئے وہ بھی گھر بار چھوڑ کر تالاش سے نکل کر پنجکوڑے کے دروں میں داخل ہوگئے اور علاقے کو خالی کردیا۔ اس طرح تالاش کا علاقہ یوسف زئی کے تصرف میں آگیا اور وہ وہاں متوطن ہوگئے

جب یوسف زئیوں نے سوات کے دو تہائی حصّے پر اپنا تصرف جمالیا تو باقی سب لوگ سمہ کو واپس آکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اس وقت جب کہ مرزا الغ بیگ نے یوسف زئیوں پر بہت مظالم ڈھائے اور انہیں جلاوطن کردیا تو اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا۔ اس کی دونوں رانوں میں مہلک پھوڑے نکلے اور بے انتہا مصائب اور سختیوں میں مبتلا ہو کر مرگئے[1]

اس کے کچھ عرصہ بعد ظہیر الدین بابر بادشاہ ہوا اور کابل، لمغان جلال آباد، ننگرھار وغیرہ کو اپنے اثر میں لے آیا۔ یوسف زئی بھی بظاہر اس کے مطیع وفرمانبردار ہوگئے۔

---

[1] مرزا الغ بیگ کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا۔ چند اہم تاریخیں یہ ہیں۔ ان سے یوسف زئی کے کابل سے نکلنے اور پشاور پہنچنے کے زمانے کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ تیمور کی وفات ۸۰۷ھ کے بعد مرزا پیر محمد ابن مرزا جہانگیر کابل کا بادشاہ بنا۔ جو ۸۰۹ھ میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد تیمور غتغق کابل کا بادشاہ بنا جو ۸۳۰ھ میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد امیر شیخ علی مغل کابل کا بادشاہ بنا۔ اس کے بعد حکومت مرزا ابوسعید کے ہاتھ آئی جو ۸۷۳ھ میں وفات پاگیا۔ اس کی وفات پر اس کے بیٹے مرزا الغ بیگ کو کابل کا بادشاہ بنایا گیا جس نے ۹۰۷ھ میں کابل میں وفات پائی۔ اواخر ۹۰۷ھ میں محمد مقیم بن امیر ذوالنون نے کابل پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ظہیر الدین بابر نے اواخر ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں کابل کو فتح کیا۔

(بحوالہ سالنامہ کابل ۱۹۳۳ع ص ۱۲۵، ۱۶۰)

بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا

کہتے ہیں کہ یوسف زئی نے بادشاہ کیلئے پیشکشیں اکٹھی کرکے ملک احمد کو دیں اور ملک محمود بن یحییٰ آکوزئی علاؤالدین زئی (ادین زئی) جو اس وقت کا مشہور سردار تھا اور چند دوسرے یوسف زئی نوجوان اس کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ سمہ سے نکل کر سوات چلے گئے پھر اسی راستے سے چل کر سلطان شیخی پہنچے اور ملک مبارک ابن پائندہ آکوزئی علی زئی کے مہمان ہوئے۔ یہاں چار بھائی جو میراثی تھے اور خوئیداد (ڈوم) کے فرزند تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سرکین، دوسرے کا درویش، تیسرے کا آدو اور چوتھے کا نام جونا تھا۔ آدو اور جونا نے اُس رات کو ملک احمد کی خوب خدمت کی اور ساری رات سرود بجا کر اسے محظوظ کیا۔ آدو بہت خوش آواز اور خوبرو ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھا۔ وہ ملک احمد کو بہت پسند آیا۔ صبح کو ملک احمد نے سرکین سے جو اس کا بڑا بھائی تھا کہا کہ آدو کو اجازت دو کہ وہ میرے ساتھ سفر کرے۔ اگر خدا مجھے خیر و عافیت سے لے آئے تو میں اس کے ساتھ بہت بھلائی کروں گا۔ سرکین نے خوشی سے آدو کو ملک احمد کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ وہاں سے اسی صبح کو تنگی، کاٹ گلہ اور ناواشس کے راستے روانہ ہو کر تری کے گذر پہ دریائے پنجکوڑہ کو عبور کرکے باجوڑ پہنچ گئے۔ وہاں باجوڑ کے یوسفزیوں کے یہاں اقامت کی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر ناوگئی کے راستے کابل گئے اور بادشاہ کی ملازمت حاصل کی اور ظاہری مراحم سے سرفراز کئے گئے۔ مگر باطن میں اس کی نیت بہت خراب تھی۔

جس کا سبب یہ تھا کہ ننگرھار، پشاور اور کلپانی کے دلزاکوں کے ملکوں نے جو بادشاہ کی نہایت وفادار رعیت تھے۔ بادشاہ کے حضور میں یوسف زئی کے خلاف استغاثہ پیش کیا تھا۔ کہ انہوں نے باجوڑ کی لڑائی میں ملک ہیبو کو قتل کیا ہے۔ اور چوہڑ بن کیمبل دلزاک اور چند دوسرے نامور دلزاک کو میجنئی کی لڑائی میں قتل کرکے ان کے اکثر علاقے اپنے قبضے میں کر لیے ہیں۔ یہ لوگ مستقبل میں بھی ان کی ترقی سے خوف کھاتے تھے۔ کہ باقی ماندہ علاقے بھی ان سے چھین لیں گے۔ اس لئے رات دن ان کے خلاف بادشاہ سے چغلیاں کھاتے تھے۔ اور بادشاہ کے وکیلوں اور امیروں کو رشوتیں دیتے تھے، کہ ملک احمد کو قتل کریں۔

کہتے ہیں کہ دلزاکوں نے بادشاہ کو ستر ہزار روپیہ اس شرط پر دینا قبول کیا تھا کہ وہ ملک احمد کو قتل کردے اور قتل کرتے وقت اسے بات کرنے نہ دے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک احمد خوش تقریر اور طوطی جیسا خوش بیان ہے۔ باتوں باتوں میں بادشاہ سے گلو خلاصی حاصل کرے گا اور بادشاہ نے بھی ملک احمد کی اسی صفت کا شہرہ سن کر اُسے بلایا تھا۔ اس زمانے میں گگیانی اور محمدزئی کابل میں رہتے تھے اور ترکلانی لمغان میں۔ ترکلانی ملک احمد کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ چنانچہ جس وقت بادشاہ ملک احمد کے نام فرمان بھیج رہا تھا۔ ملک سرخابی شمنخیل سالارزئی اور ملک بلوخان برم کازئی ترکلانی دونوں حاضر تھے۔ اُس وقت ان دونوں نے بھی ملک احمد کو خط لکھا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں کسی قسم کا خطرہ دل میں نہ لاؤ۔ آجاؤ بادشاہ تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ گگیانیوں کے دو ملک بھی ملک احمد کے خیر خواہ

تھے۔ ایک ملک احمد بن عمر شاہ عمرزئے زیرک خیل جو ملک احمد
کا رشتہ دار تھا۔ اور دوسرا ملک یحییٰ بن شاہو بن کندل بن یعقوب
دونوں گو ہمشیرہ ہی ہونے کے سبب ملک احمد کے ساتھ ہمدردی اور ننگ
کرتے تھے۔ ملک احمد ہمیشہ دربار جایا کرتا تھا، سلام کرتا تھا اور بادشاہ
بھی بظاہر مہربانی سے پیش آتا تھا۔ اپنے پہلو میں بٹھاتا مگر دل میں
غصے سے بھرا ہوا تھا۔ رات دن اس کے قتل کرنے کے فکر میں
تھا۔ چنانچہ وہ رات بھی آن پہنچی جس کی صبح کو اسے قتل کرنا
تھا۔ دوستوں میں سے کسی نے ملک احمد کو اطلاع دی کہ کل تمہارا
مار ڈالنا ہے۔ ملک احمد نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور خفیہ مشورہ کیا
تمام رفقاء نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم سب اپنے دستار باندھ کر تمہیں
اس کے ساتھ لٹکا کر دوسری طرف باہر اتار دیں گے۔ جب اتر جاؤ
تو بھاگ جانا اور اپنی جان بچالینا۔ جب آپ نہ ہوں گے تو پھر بادشاہ
ہمیں قتل نہیں کرے گا۔ اور اگر قتل بھی کر دیا تو ہماری بلائیں اس
کے پیچھے۔ ہمارے نابود ہونے سے قوم نہیں بگڑتی اور اگر آپ کو
قتل کر دیا تو ہماری قوم خوار و ذلیل ہو جائیگی۔ ملک احمد نے کہا
کہ فرض کرو دستار ٹوٹ جائے اور میں گر کر لنگڑا ہو جاؤں اور جگہ
سے نہ ہل سکوں تو پھر کیا ہوگا؟ اور دستار بھی نہ ٹوٹے اور میں صحیح
سلامت اتر گیا مگر چوکی سے گزرتے وقت پکڑا گیا اور پھر واپس لے آئے
تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ ملک تاج الدین کے نام کی نسبت سے
قدیم ایام سے آباؤ واجداد سے بادشاہوں کے ساتھ ہمارا روزگار
رہا ہے۔ اس لیے بھاگنا مجھے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے۔
سلیمان شاہ جیسا میرا تایا اسی کابل میں مرزا الغ بیگ کے ہاتھوں
قتل ہوا ہے۔ اگر بابر مجھے قتل کر دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بارے

تم لوگ بھاگ جاؤ۔ اپنی جانیں بچاؤ۔ وقت ضائع مت کرو۔ چنانچہ
اس کی رائے پر اسی رات کو اس کے تمام رفقاء بھاگ گئے۔ اور کابل
میں جا بجا چھپ گئے اور ملک محمود ادین زئی ابتداء ہی سے کمال دینداری
کے سبب قاضی کابل کے ہاں مقیم تھا۔ بادشاہ کو سلام تبرکاً ملک کے
کے ساتھ کرتا تھا مگر بادشاہ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آدو مطرب اور
ایک خدمت گار دونوں ملک احمد کے ساتھ اس کے ڈیرے میں رہ گئے۔
جب صبح ہوئی تو بادشاہ کے آدمی آگئے اور ملک احمد کو لیجانے
لگے۔ ملک احمد جیسا کہ اُسے رات ہی اطلاع مل گئی تھی، سمجھ گیا
کہ وقت قریب آگیا ہے اب اُسے جان سے مار ڈالنے کی غرض سے
لیجایا جا رہا ہے۔ اس دوران میں کابل کے سارے شہر میں خبر پھیل
گئی تھی کہ ملک احمد کو قتل کرنے کیلئے لیجایا جا رہا ہے۔ بازار سے
جب گزر رہا تھا تو تمام لوگ اُسے دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے اور
آپس میں کہتے کہ دیکھو ایسے شخص کو قتل کرنے کیلئے بادشاہ نے
بلایا ہے۔ ملک احمد بھی دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں
کو بھی میرے قتل کئے جانے کی اطلاع مل گئی ہے۔ اور مجھے دیکھنے
کیلئے کھڑے ہیں۔ اسی حالت میں ملک میرے بن سلیمان لالہ زئی
گگیانی جو ملک احمد کا خیر خواہ تھا اس سے ملنے آیا، بہت رویا اور
کہا کہ جب دلزاک جیسے بدخواہ یہاں موجود تھے تو تم کس لئے آئے
ملک احمد نے کہا کہ میں آپ جیسے گگیانی اور ترکلانی دوستوں اور
خیر خواہوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کوئی خوف دل میں نہیں لایا
اور چلا آیا۔ تقدیر کی خبر نہ تھی۔
کہتے ہیں کہ ملک میرے گگیانی اس سے پہلے بھی جب ملک احمد
کو دیکھتا تھا تو تاسف اور حسرت کرتا اور اُسے ملامت کرتا کہ آپ یہاں

کیوں آئے۔ آپ کا یہاں آنا مناسب نہ تھا اور ملک احمد یہی کہتا تھا کہ تقدیر ہی ایسی تھی۔

الغرض ملک احمد دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ غیض و غضب میں بھرا تیر و کمان ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ اور انتظار کر رہا تھا کہ جونہی ملک احمد سامنے آئے تو تیر چلائے۔ آخر جب ملک احمد دربار میں پہنچا اور آداب بجا لایا تو بادشاہ نے کمان کھینچی اور تیر چلانا چاہا۔ ملک احمد سمجھ گیا کہ بات کرنے کی مہلت بھی نہیں رہی اس لئے فوراً قبا کے بند کھولے اور سینہ تان کر بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو گیا بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو متحیر ہو گیا۔ کمان کو نیچے کیا اور پوچھا۔

اے احمد! یہ تم نے کیا کیا؟

ملک احمد نے کہا، خاطر میں جو آیا ہے کر گزریں۔ پوچھنے کی کیا حاجت ہے۔ بادشاہ نے اس سے پھر پوچھا کہ بند کھولنے سے تمہاری غرض کیا تھی؟ ملک احمد نے کہا کہ یہ میں ہوں سینہ برہنہ کئے کھڑا ہوں۔ تیر چلائیں سبب پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مبادا مرضی مبارک دل جائے۔ جب ملک احمد نے بادشاہ سے تیر چلانے پر اصرار کیا تو بادشاہ نے کہا کہ جب تک تم مجھے اس راز سے واقف نہیں کرو گے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔

آخر الامر ملک احمد نے کہا "قبلۂ عالم! ہر طرف سے خلقت کھڑی ہوئی ہے اور تماشہ دیکھ رہی ہے کہ بادشاہ کس طرح تیر مارے گا؛ اور میں نے قبا پہن رکھی ہے۔ اس لئے میرے دل میں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر بادشاہ کا تیر اس میں اٹک کر رہ گیا تو ہر کوئی بادشاہ کے وار پر دل ہی دل میں ہنسے گا۔ اس لئے میں نے قبا کے بند کھول کر سینہ برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا کہ بادشاہ کے تیر میرے

سینے کے پار نکل جائے اور ہر شخص حضور کے وار پہ آفرین اور شاباش کہے"۔

بادشاہ کو ملک احمد کی یہ تقریر بہت پسند آئی۔ اس پہ مہربان ہوا اور کہا کہ "ملک احمد! خدا کی قسم اب نہیں ماروں گا۔ میرے قریب آجاؤ"۔ اس کے بعد ملک احمد تسلیمات بجا لا کر بادشاہ کے قریب گیا۔ بادشاہ نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اسے تسلی و تشفی دی اور پوچھا کہ ملک احمد! بہلول لودی افغان کیسا شخص تھا؟ ملک احمد نے کہا جہاں پناہ! وہ اسپ بخش تھا یعنی گھوڑے بخشتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا بیٹا سکندر کیسا نوجوان ہے؟ ملک احمد نے کہا وہ خلعت بخش ہے یعنی وہ خلعتیں بخشتا ہے۔ پھر بادشاہ نے دریافت کیا اور میں کیسا آدمی ہوں؟ تو ملک احمد نے کہا کہ آپ سر بخش ہیں یعنی سروں کو بخشتے ہیں۔ اس پر بادشاہ اور بھی مہربان ہوا۔ ملک احمد کو خود اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر خلوت میں لے گیا اور جشن شراب نوشی کا آغاز کیا اور جب ساقی پیالے لے آئے۔ بادشاہ نے کچھ پیا اور باقی اپنے ہاتھ سے ملک احمد کو دیا۔ ملک احمد نے لیا اور تسلیمات بجا لایا۔ ساقی نے پھر پیالہ لا کر بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ نے کچھ نوش کیا اور باقی پھر ملک احمد کو اپنے ہاتھ سے دیا۔ ملک احمد نے لیا اور آداب بجا لایا۔ اسی طرح دور شراب چلتا رہا۔ آخر الامر بادشاہ پر سکر کی کیفیت طاری ہوئی وہ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگا۔ آدو مطرب نے سرود چھیڑا اور ملک احمد جو کہ فارسی گو، فصیح اللسان اور خوش آواز تھا اس نے بادشاہ کی مدح شروع کی۔ اس پہ بادشاہ نے غایت مستی میں ملک احمد سے کہا کہ ملک احمد میں تمہارا مطرب ہوں۔ ملک احمد نے کہا

کہ آپ میرے صاحب اور سارے جہاں کے بادشاہ ہیں ۔ بادشاہ نے پھر اسی طرح کہا ملک احمد نے کہا کہ آپ میرے بادشاہ اور میرے آقا ہیں ۔ اسی طرح چند مرتبہ دونوں کی طرف سے ان کا تبادلہ ہوا ۔ آخر بادشاہ نے ملک احمد کا ہاتھ پکڑا ۔ ملک احمد کے پاس اُس وقت ایک اشرفی موجود تھی ۔ بادشاہ کے ہاتھ میں رکھ دی ۔ بادشاہ نے لیکر تعظیماً و تکریماً اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا ۔ زاں بعد بادشاہ نے اپنی قبا، تلوار، زرنگار اپنے گلے سے نکال کر ملک احمد کو عنایت کیئے ۔ ملک احمد شاہی آداب بجا لایا ۔ بادشاہ کی عنایت کی ہوئی قبا خود زیب تن کی اور اپنی قبا اتار کر آدو مُطرب کو دیدی ۔

اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ ملک احمد ! اپنے دوسرے رفیقوں کو بلاؤ تاکہ انہیں بھی خلعتوں سے نوازوں اور انہیں گھروں کو رخصت کردوں ۔ ملک احمد نے اپنے ساتھی بادشاہ کے پاس سے بھیجے ملک محمود کو قاضی کے گھر سے اور باقیوں کو اقامت گاہ سے طلب کرکے حاضر کردیا ۔ بادشاہ سب سے نام بنام واقف تھا ۔ اس لئے دوسروں کے بارے میں دریافت کیا کہ ملک احمد ! تمہارے دوسرے ساتھی کیا ہوئے ؟ ملک احمد نے کہا کہ قبلۂ عالم ! انہیں بادشاہ کی مہربانی اور گھروں کو رخصت کا علم نہ تھا ۔ شہر میں کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں بادشاہ نے بموجب تحریر اور دفتری یادداشت جو نام بنام لکھے گئے تھے ۔ ان سب کیلئے ملک احمد کو خلعتیں عطا کیں اور آدو کیلئے سونے کے دو حلقے دیئے اور خدام کو حکم دیا کہ اس کے کانوں میں پہنائیں آدو کے ایک کان میں سوراخ تھا لیکن دوسرے میں نہیں تھا چنانچہ ایک کان میں تو حلقہ پہنا دیا گیا ، دوسرے میں سوراخ کرنے کیلئے ایک باریک سیخ لائی گئی ۔ آدو سیخ دیکھ کر ڈر گیا ۔ ملک احمد کے قریب آیا

ملک احمد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ قبلہ عالم یہ یہاں ڈرتا ہے ہم ڈیرے میں اس کے کان میں سوراخ کرکے حلقہ ڈال دیں گے ۔ بادشاہ نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دیدیا ۔

غرض یہ کہ بادشاہ نے ملک احمد کو پوری عزت کے ساتھ رخصت کیا ۔ ملک احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوکر نادگئی کے راستے باجوڑ آیا ۔ وہاں سے سوات اور سوات سے سمہ میں سب لوگ اپنے گھروں کو واپس آگئے ۔

یوسف زئی کو ان کی بخیریت واپسی کی اطلاع ملی تو سب نے آکر مبارکباد دی ۔

دوسرے سال بادشاہ نے پھر بعض امور میں صلاح و مشورے کی غرض سے ملک احمد کو فرمان کے ذریعے طلب کیا اور ملک سرخابی سالار زئی ترکلانی نے بھی ملک احمد کے نام خط بھیجا کہ گزشتہ دفعہ آپ نے بلا دیکھی تھی ۔ اس دفعہ نہ ڈریں جمعیت خاطر کے ساتھ آئیں بادشاہ نے مہربانی کے ساتھ یاد کیا ہے حیلہ بہانہ نہ کریں ۔ جب بادشاہ کا فرمان اور ملک سرخابی کا خط ملک احمد کو علاقہ سمہ میں پہنچا ۔ ملک احمد نے اپنی قوم کو جمع کیا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ بادشاہ کا خط آیا ہے ۔ مجھے طلب کیا ہے ۔ آپ لوگوں کی کیا صلاح ہے ؟ قوم نے کہا کہ ملک احمد صاحب بادشاہ کو آپ ہی نے دیکھا ہے ہم نے نہیں دیکھا اور اس کی حقیقت آپ ہی کو اچھی طرح معلوم ہے اس لئے جو آپ کی مرضی ہو وہی ہماری مرضی ہے ۔ ملک احمد نے کہا کہ اے قوم ! میں نے اس بار موت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے ۔ اس دفعہ میرا جی جانے کو نہیں چاہتا ۔ قوم نے بھی اسی طرح کہا ، کہ ملک احمد صاحب ! جب آپ کی رائے نہیں ہے تو نہ جائیں ، مگر

بعض دانشمندوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بادشاہ کے حکم سے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ملک احمد اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتے تو اِس دفعہ شاہ منصور چلا جائے کہ یہ بھی ملک تاج الدین کے گھرانے کا فرد ہے۔ سلیمان شاہ کا فرزند اور ملک احمد کا عزیز ہے۔ اگر بادشاہ کا مقصد اِس بُلاوے سے محض یوسف زئیوں کی اطاعت سے اطمینان حاصل کرنا ہے تو اس کیلئے شاہ منصور بھی کافی ہے۔ اس لئے یہ بات شاہ منصور سے کہہ دی گئی کہ اس دفعہ آپ بادشاہ کی خدمت میں چلے جائیں۔ شاہ منصور نے کہا کہ ملک احمد جیسی خوش بیانی میرے پاس کہاں ہے؛ بادشاہوں کے دربار کے آداب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ پس میرے جانے سے کیا حاصل! مگر قوم مُصر ہوئی کہ آپ ضرور جائیں۔ شاہ منصور نے لاچار ہوکر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ قوم نے بادشاہ کیلئے پیشکش جمع کرکے شاہ منصور کو دے دی۔ شاہ منصور گھر سے موضع تھانے گیا اور ننزئی کے راستے باجوڑ گیا۔ وہاں سے براہِ نادگئی کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے حضور میں نذر پیش کی مگر بادشاہ اس کے آنے پر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا اور کہا کہ میں نے تو ملک احمد کو بلایا تھا تم کیسے آئے؟ شاہ منصور نے ملک احمد کیطرف سے معذرت پیش کی، بادشاہ خاموش ہوگیا۔ شاہ منصور جب تک کابل میں مقیم رہا بادشاہ کے سلام کیلئے جاتا رہا اور بادشاہ بھی اس کے ساتھ عزت و شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔

آخر کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے شاہ منصور کو خلعت دیکر رخصت کیا۔ شاہ منصور وہاں سے روانہ ہوکر گھر واپس آیا اور قوم کو سارا ماجرا سنایا اور مخفی نہ رہے کہ اس وقت یوسفزئی بادشاہ کے فرمانبردار تھے مگر اس طرح نہیں کہ اُس کے حاکم یا عامل کو چھوڑتے

یا واجبی قلنگ یا مالیہ دیتے کیونکہ وہ اتنی پرواہ نہیں کرتے تھے، دوسری بات یہ تھی کہ جس وقت ملک احمد نے کابل جانے سے اغماض کرکے شاہ منصور کو بھیج دیا تو ملک احمد نے ساری قوم کو جمع کیا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے کابل نہ جانیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بادشاہ خود میرے پیچھے آئیگا یا فوج بھیجے گا تاکہ ہماری بیخ کنی کیجائے۔ پس اُس کے آنے سے پہلے کہ وہ آئے ہم اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام یوسف زئی جمع ہوکر مورا نامی پہاڑ میں جس میں بے شمار غار اور درے ہیں گھس جائیں۔ تاکہ اگر وہ آجائے تو ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ چنانچہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوتے تمام یوسفزئی جمع ہوگئے اور سب مورا پہاڑ میں داخل ہوگئے۔ اور پہاڑ کے تمام راستے مستحکم کر لیے۔

بادشاہ نے بھی دل میں ملک احمد کے کابل نہ آنے کے سبب یوسف زئی کے ملک کو تباہ کرنے کا منصوبہ باندھ رکھا تھا۔ اس لئے وہ کثیر فوج کو لیکر کابل سے نکل کر باجوڑ کے راستے ملکِ سوات کیطرف متوجہ ہوگیا۔ جس وقت وہ باجوڑ پہنچ گیا تو سب سے پہلے میر حیدر علی گبری کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا۔ جو گبریوں کا سلطان تھا اور اگلے وقتوں میں اس نے مرزا الغ بیگ تیموری کے ساتھ شوخی کی تھی اس لئے بابر کے دل میں اس کے خلاف غصہ و قہر تھا۔ اس وقت یوسف زئی باجوڑ سے نکل کر مورا کے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔ گبریوں سے سوا یہاں اور کوئی نہ تھا۔ ان کا قلعہ بھی بڑا سنگین اور مضبوط تھا۔ اور گبری لوگ بھی بڑے بہادر تھے۔ بادشاہ کا ان پر کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ اس لئے اس نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ کہتے ہیں کہ میر حیدر علی بڑا ظالم اور سخت شخص تھا۔ اس کے اپنے

عزیز و اقارب بھی اس سے نالاں تھے

اس لئے اس کے اقارب میں سے اس کے چچیرے بھائی نے دیگر گبریوں کے مشورے سے بادشاہ کو خفیہ ایک عرضی لکھ بھیجی کہ میں اپنے تمام اعزاء کے ساتھ بادشاہ کا دل سے فرمانبردار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مرضی ہو تو میں اپنے عزیزوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوں۔

بادشاہ کے پاس جب یہ عرضی پہنچی تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور انہیں طلب کرنے کیلئے نہایت نرم الفاظ میں اور دلاسے کا فرمان بھیجا۔ غرض یہ کہ میر حیدر علی کا یہ رشتہ دار بعض لوگوں کے ساتھ نکل کر بادشاہ کے پاس گیا اور آداب بجا لایا۔ بادشاہ اُس پر اور اس کے ساتھیوں پر مہربان ہوا اور خلعت سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد روز بروز گبری لوگ قلعے سے نکلتے تھے اور حیدر علی کے چچیرے بھائی سے آکر ملتے تھے اور سرفراز ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حیدر علی کیلئے دن بدن مشکلات بڑھتی گئیں اور اضطرار کو پہنچ گیا۔ آخر حیدر علی، جان کے خوف اور اس شرمندگی سے بچنے کیلئے کہ ممکن ہے میرے یہ عزیز مجھے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کردیں اور بادشاہ مجھے قتل کر دے، زہر کھا کر مرگیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حیدر علی کے چچیرے بھائی کو گبریوں کا بادشاہ نامزد کرکے قلعہ اس کے سپرد کیا اور اس کے مخالفین کو بلا کر قتل کردیا اور ان کے سروں (کلوں) سے ایک چبوترہ (مینار) بنوایا۔

اس کے بعد بادشاہ نے اسی دن وہاں سے کوچ کیا اور ملک سوات کی طرف متوجہ ہوکر موضع دیارون جو دریائے پنجکوڑہ کے کنارے آباد ہے، پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا اور ملک احمد کے نام فرمان لکھ کر بھیجتا رہا

اور قسمیں کھا کھا کر وعدے کیا کرتا کہ ڈرو مت آجاؤ میں تمہارے ساتھ بھلائی کروں گا۔ مگر ملک احمد اس کے منصوبوں سے واقف تھا وہ اس کے وعدوں سے دھوکا کھانے اور اُس کے جال میں پھنسنے والا نہ تھا۔ اس نے بادشاہ کے فرمانوں اور وعدوں کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ جب بادشاہ ملک احمد کے آنے سے مایوس ہوگیا تو یوسفزئی پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس نے کچھ لشکر کو یہاں چھوڑ دیا اور منگلور پر حملہ کیا اس کا خیال تھا کہ اس طرح ملک احمد ڈر جائیگا اور التجا کرے گا۔ مگر بے سود۔

جس چوٹی سے گزر کر بابر سوات میں داخل ہوا تھا اُسے اب تک "بابر سر" کہتے ہیں۔ وہاں سے بابر گزر کر دمغار میں وارد ہوا اور حسین ڈیری کے مقام پر دریائے سوات کو عبور کرکے منگلور پہنچا تھا اور قلعے سے باہر جتنے گاؤں تھے سب کو غارت کردیا اور جو لوگ قلعے کے اندر سلطان اویس کے ساتھ تھے وہ اس لئے سلامت رہ گئے کہ قلعہ انتہائی محکم تھا۔ وہاں سے لوٹ کر پھر دیارون واپس آیا۔ مگر یوسفزئی بابر کے اس حملے اور دباؤ سے ہرگز خائف نہیں ہوئے اور بابر کی یہ تدبیر بے اثر ثابت ہوئی۔

الغرض جب بابر منگلور سے واپس آکر تالاش کے قریب مقام کاٹگلہ کے متصل مشرق میں جہاں صاف راستے یہ ہموار اور چشمہ دار آبی زمین ہے، اس جگہ مقیم ہوگیا تو جاسوس اور گماشتے مقرر کئے تاکہ مورے پہاڑ کا راستہ دیکھیں کیونکہ وہ تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھا۔ مگر ملک احمد نے راستوں کی محکم ناکہ بندی کردی تھی اور مورے کا سارا پہاڑ لشکر سے بھر دیا تھا۔ اس لئے جاسوسوں نے رخنہ اور راستہ نہ پایا اور تاخت کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ مجبور ہوکر

اس نے یہ قصد کیا کہ قلندرانہ لباس میں خود مورا جائے اور راستوں اور لشکر کا احوال معلوم کرے۔ اس طرح کی سیاحت اور جاسوسی اس کا ہمیشہ کا دستور تھا اور اس کیلئے وہ مشہور تھا۔ چنانچہ چند خواص کی معیت میں قلندرانہ لباس پہن کر چپکے سے لشکر سے نکل کر مورے کے قریب پہنچا۔ وہاں سے مورے تک ایک دن تک راستہ ہے۔ اس طرح اس نے پہاڑ، راستوں اور لشکر کے احوال معلوم کئے لیکن ہر طرف سے اور ہر طرح سے انتظامات کو مضبوط اور مستحکم پایا۔

کہتے ہیں کہ مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند و بالا مکان تھا جس میں ملک احمد کا چچازاد بھائی منصور رہتا تھا اس لئے اسے شاہ منصور کا تخت کہا جاتا تھا اور مورے کی یہ چوٹی اب تک "تخت شاہ منصور" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اتفاقاً بقرہ عید کا دن تھا۔ شاہ منصور نے کئی گائے ذبح کر کے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا۔ تقسیم کرنے والوں کا اژدہام تھا۔ بابر بھی تماشہ دیکھنے کے لئے اوپر چڑھ کر صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ بابر جہاں بیٹھا ہوا تھا وہ شاہ منصور کے چھپر کے دروازے کے عین مقابل تھا اور اسی چھپر میں دروازے کے سامنے شاہ منصور کی دختر مسماۃ بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی جو انتہائی خوبرو، عاقلہ اور ہوشیار تھی۔ اس نے انہیں دیکھا تو سمجھی کہ قلندر لوگ ہیں اس لئے گوشت روٹیوں میں لپیٹ کر اپنے آدمی کے ہاتھ ان کیلئے بھیج دیا۔ بابر نے اس سے گوشت لے لیا اور پوچھا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟ آدمی نے کہا کہ یہ شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ نے بھیجا ہے جو سامنے دروازے میں بیٹھی ہیں۔ بابر نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ اس کی عمر کتنی ہے؟ اور کسی

سے منسوب ہوئی ہے یا نہیں؟ آدمی نے کہا جوان ہے اور عقل و دانش، سیرت و خصلت اور عفت و فراست میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور تا حال کسی سے منسوب نہیں ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف تھی اس لئے بادشاہ اس پر دل وجان سے فریفتہ ہو گیا اور بادشاہ کے دل میں اس کا خیال پتھر کے نقش کے مانند جم گیا۔ بابر وہاں سے نکلا اور گوشت جو روٹیوں میں لپٹا ہوا تھا مکان کی پشت کیطرف ایک بڑی چٹان پر رکھ کر اس کے اوپر سے ایک پتھر رکھدیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنے لشکر میں آگیا۔

اس کے بعد ملک احمد اور شاہ منصور کے نام درخواست لکھی۔ کہ بی بی مبارکہ کا رشتہ میرے ساتھ منظور کر لیں۔ میں آپ پر کوئی تعرض نہیں کروں گا اور بہت بھلائی کروں گا۔ ملک احمد اور شاہ منصور نے جب درخواست دیکھی تو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اُسے لکھ کر بھیجا کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے اور بالفرض ہوتی بھی تو مغلوں کے ساتھ ہمارا رشتہ ناطہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہم یہ پیغام منظور نہیں کرتے۔ بادشاہ نے انہیں پھر لکھا کہ میں نے[1] تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے۔ تم دونوں جب کابل آئے تھے تو میں نے دونوں کو خلعت سے سرفراز کر کے عزت کے ساتھ رخصت کیا تھا، اور پھر جب دوبارہ ملک احمد کو بلایا تو وہ مجھ سے باغی ہو گیا۔ اب خود یہاں آیا تب بھی وہ حاضر نہیں ہوا اور اب جبکہ دوستی کا ہاتھ

---

[1] تزک بابری میں رشتے کے بارے میں درج ہے کہ " اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جاتے ان سے درخواست کی گئی۔ (چنانچہ انہوں نے منظور کر کے) ۲۸ محرم ۹۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کے بھائی طاؤس خان دلہن کی ڈولی کے ساتھ آئے "

بڑھاتا ہوں تو عذر پیش کرتے ہو اور انکار کرتے ہو۔ ہمارے ساتھ
تمہارا یہ رویّہ مناسب نہیں ہے۔ جب کہ میں نے اپنی آنکھوں سے
شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ کو دیکھا ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ میں
چند آدمیوں کے ساتھ قلندرانہ لباس میں بقرہ عید کے دن علاقے کی
چاپانچ پڑتال کی نیت سے گیا تھا۔ شاہ منصور نے قربانی کی تھی اور
گوشت پکایا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع تھے ہم بھی قلندروں
کی طرح چھپر کے دروازے کے مقابل صحن کے ایک کنارے پر بیٹھ
گئے اور سامنے چھپر کے دروازے میں بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی۔
اور اس طرح ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چنانچہ اس نے کچھ گوشت
بھی روٹیوں میں لپٹا ہوا ہمارے لئے بھیجا، یہ گوشت روٹی ہم نے
چھپر کے عقب میں ایک چٹان پر رکھ کر اوپر سے ایک اور پتھر رکھ دیا
ہے۔ یہ کام محض نشانی کے خیال سے کیا گیا تھا۔ تاکہ تم منکر نہ ہوسکو
اب تم جاکر اُسے دیکھ لو اگر یہ بات درست ہے تو تمہارا انکار کرنا
صحیح نہیں ہے۔ مناسب ہوگا کہ میرے ساتھ دوستی کرلو یہی میرا
سب سے بڑا مقصد ہے اور اگر نہیں کرتے تو میں کابل سے اسی مہم
پر آیا ہوں اور کامیابی کے بغیر واپس لوٹنا میرے لئے باعث شرم
ہے۔ پھر دیکھوں گا کہ خدا کو کیا منظور ہے جو کچھ اُسے منظور ہوگا
وہی ہوکر رہیگا۔

ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا یہ خط پڑھا تو آدمی
بھیجا وہ جگہ دیکھی جیساکہ بادشاہ نے لکھا تھا گوشت اور روٹی واقعی
وہاں رکھی ہوئی تھی۔ انہیں یقین آگیا کہ واقعی بادشاہ آیا تھا اور اس
نے بی بی مبارکہ کو واقعی دیکھا ہے لیکن اُسے رشتہ دینے پر یہ دونوں
پھر بھی آمادہ نہ ہوسکے اور انہوں نے دوسرا بہانہ کیا کہ ہم مغلوں سے

دل ہیں۔ مرزا الغ بیگ نے ہمیں قتل کیا اب آپ کے ساتھ ہماری
والہانہ داری کیونکر ہوسکتی ہے۔ مگر شیخ ملی، ملک محمود بن یحییٰ علاؤالدین
زئی (ادین زئی) آکوزئی، ملک قرہ اور دوسرے اراکین جرگہ نے ملک احمد
کو اس بات پر مجبور کیا اور اُن سے کہا کہ بادشاہوں کے ساتھ ستیزی اور
بداخلاق مناسب نہیں۔ امیر تیمور کا پوتا ہے اُسے آپ کی شان وشوکت
بھی معلوم ہے اور وہ قدرشناس بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آپ قوم
کے نگہبان ہیں اور قوم کی حفاظت کے ذمّہ دار ہیں تو بی بی مبارکہ سے
اس کا رشتہ منظور کرکے قوم کو اس مصیبت سے بچائیں۔ آخر
ملک احمد نے قوم کی بات مان لی اور رشتہ دینے پر راضی ہوگیا۔ مگر
شاہ منصور نے کہا کہ بادشاہوں کے شایانِ شان جہیز اور شادی کے
انتظامات اور سازو سامان کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اراکین جرگہ
نے کہا کہ جہیز کے سارے سامان کی ذمّہ داری ہماری ہے۔ ہم سونا اکٹھا
کریں گے اور آپ کی عزت وآبرو رکھ لیں گے۔ بالآخر شاہ منصور بھی
راضی ہوگیا اور بی بی مبارکہ کا بادشاہ سے رشتہ منظور کرلیا۔

اس کے بعد یوسف زئیوں کے اراکین جرگہ نے بادشاہ کی خدمت میں
مبارکباد لکھ کر بھیجی اور شادی کی تاریخ مقرر کرکے اپنے مطالب اس
طرح عرض کئے کہ ہم نے بڑی کوششوں سے ملک احمد اور شاہ منصور
کو رضامند کرکے بی بی مبارکہ کو آپ سے منسوب کروادیا ہے۔ پس
بادشاہ کے اخلاق حسنہ سے توقع یہ ہے کہ خوشی اور دوستی کا حق
پیشِ نظر رکھیں گے اور شیوۂ مہربانی ملحوظِ خاطر رکھ کر ہماری تقصیر کو
معاف کرکے ساری نیک توجہ اس طرف مبذول فرمائیں گے۔

جہاں ہی یہ خوشخبری بادشاہ کو پہنچی تو فرطِ مسرت سے نوبت بجائی

ا ۲۸، محرم ۹۱۵ھ۔

جانے لگی اور خوشیاں منائی جانے لگیں اور اُن کا جو مسئول ومأمول تھا سب گوش ہوش سے سن کر وعدہ کیا کہ شادی کے اتمام کے بعد کابل روانہ ہوجاؤں گا اور کسی طرح سے بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

تمام یوسف زئیوں نے اپنے اپنے حصّے اور حیثیت کے مطابق سونا جمع کر کے شاہ منصور کو پہنچایا۔ شاہ منصور نے عوام کا سونا اور اپنے مقدور بھر سونا خرچ کر کے بی بی مبارکہ کیلئے شاہانہ جہیز تیار کیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے شایانِ شان زیور اور نادر ملبوسات اور بیش بہا خلعتیں، گھوڑے، خیمے، شامیانے، تانبے کے ظروف خادمائیں اور دیگر لوازمات بعجلت تمام تیار کر کے بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ بادشاہ نے اپنی جگہ اپنی "تلوار" بھیج دی۔ ازاں بعد بی بی مبارکہ کو ڈولی میں بٹھا دیا گیا۔ ملک احمد اور شاہ منصور لشکروں کی معیت میں روانہ ہوکر مورا پہاڑ سے اترے۔ تھانے سے ہوکر چکدرہ کی گزرگاہ سے دریائے سوات کو پار کیا۔ چکدرہ، اُوچ، کاٹ گلہ اور تالاش ہوتے ہوئے تری کی چوٹی پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ تری کی چوٹی اور بادشاہ کے لشکر کی مابین ایک کروہ کی مسافت تھی۔ چوٹی کے نیچے بادشاہ کے اُمرا لشکر کے ساتھ جنہیں بادشاہ نے بی بی مبارکہ کے استقبال کیلئے بھیجا تھا، منتظر کھڑے تھے۔ جب ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا لشکر دیکھا تو طاؤس خان کی سرکردگی میں اپنے غلاموں اور خادموں کو ڈولی کے ساتھ کر کے بی بی مبارکہ کو رخصت کر دیا اور خود واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے امیروں نے ڈولی اٹھا کر لشکر تک پہنچا دی۔

بی بی مبارکہ کیلئے بادشاہ کے خیمے کے برابر میں ایک خاص سراچہ

قائم کیا گیا تھا۔ اس میں اُسے پورے اعزاز کے ساتھ اتارا گیا۔ بادشاہ اور اُمراء کے اہل حرم اس کی ملاقات کیلئے آئے مگر اس نے کسی کی بھی تعظیم نہیں کی، نہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور نہ کسی سے بات کی۔ چنانچہ یہ رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد جب بادشاہ نے مسجد میں نماز ادا کی تو بی بی مبارکہ کے خیمے کی طرف متوجہ ہوا کنیزوں نے بی بی مبارکہ کو خبردار کیا کہ بادشاہ اس کی طرف آرہا ہے۔ جونہی بادشاہ خیمے میں داخل ہوا یہ فوراً پلنگ سے اتر کر اس طرح گھونگھٹ میں دست بستہ کھڑی ہوگئی۔ بادشاہ قریب آیا تو آداب بجالائی اور ادب کے ساتھ کھڑی رہی۔ بادشاہ پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس سے مخاطب ہوکر کہا پشتو میں "پختون زادی) بیٹھ جاؤ! بی بی مبارکہ پھر تسلیمات بجالائی لیکن بیٹھی نہیں۔ بادشاہ نے پھر کہا پشتو میں: بیٹھ جاؤ۔ اس طرح تین بار بادشاہ نے کہا کہ پختون زادی! بیٹھ جاؤ۔ مگر وہ پھر بھی نہ بیٹھی اور ہر دفعہ آداب و تسلیمات بجا لاتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اُسے کھینچ لیا اور آنچل چہرے سے ہٹا دیا لیکن اس نے حیاء کے سبب پھر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا بادشاہ اس کے اخلاق، سیرت و صورت پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا کہ پختون زادی بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد وہ بولی کہ میں ایک عرض رکھتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہو! بی بی مبارکہ نے پلّو پھیلا کر کہا کہ میں اپنی قوم کیلئے بادشاہ سے بخشش اور معافی کی خواستگار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مہربانی ہو میری مراد سے میری جھولی بھر دیجئے۔ اور میری قوم کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا اچھا پختون زادی "تمہاری مراد سے تمہاری جھولی بھر دی گئی اور تمہاری قوم کی تقصیر معاف کر دی گئی، خاطر جمع

رکھو۔ وہ شکریہ کے طور پر پھر تسلیمات بجا لائی۔ لیکن اسی طرح کھڑی رہی۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھا دیا اور مختلف قسم کی باتوں میں مشغول ہوگیا۔ جب عصر کی آذان ہوئی تو بادشاہ اٹھا۔ بی بی مبارکہ نے جلدی سے بادشاہ کے جوتے سیدھے کر دیئے۔ بادشاہ ہنسا اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا میں جانتا ہوں کہ یہ سب تعلیم ملک احمد کی دی ہوئی ہے۔ یہ سب آداب تمہیں اُسی نے سکھائے ہیں۔ اس کے بعد کہا کہ میں تم سے اور تمہاری قوم سے راضی ہوگیا۔ تمہاری خاطر انہیں معاف کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ باہر نکل کر چلا گیا۔ فی الواقع یہ تمام طور وطریق اور ادب و آداب ملک احمد کے تعلیم دیئے ہوئے تھے۔

اس کارِ خیر کے بعد بادشاہ موضع دیاردن سے مراجعت کر کے باجوڑ کے راستے کابل تشریف لے گئے اور بی بی مبارکہ کو انتہائی اعزاز کے ساتھ کابل پہنچایا جو اس کی شریک حیات اور چہیتی بیوی تھی۔ اس بنا پر بادشاہ کے سارے اہل حرم کا اس کے ساتھ بغض وحسد دامنگیر ہوا اور ان کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہوا۔ کہ اگر اس کا بیٹا تولد ہو جائے تو اغلبا سلطنت اور بادشاہت افغانوں میں چلی جائے گی۔ اس لئے بی بی مبارکہ کو پوشیدہ طور سے کوئی ایسی دوائی کھلا دی کہ وہ دائمی طور سے بانجھ ہو کر رہ گئی۔ اسی وجہ سے اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے بعد یوسف زئی موڑا نامی پہاڑ سے سے اُتر کر اپنے اپنے علاقوں میں آباد ہوگئے اور ملک احمد اور شاہ منصور کی دوستی اور تعلقات بادشاہ کے ساتھ استوار ہوگئے۔ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے جانبین سے آدمیوں کی ہمیشہ آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

چند سال بعد بابر ہندوستان آیا اور تمام ہندوستان کو مسخر کر لیا بی بی مبارکہ کے بھائی میر جمال ملک زئی رزڑ ایک جماعت کے ساتھ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے آئے۔ بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوا اور جاگیر و منصب سے سرفراز کیا۔

بابر بادشاہ کی رحلت کے بعد نصیر الدین ہمایوں کے دور میں بھی بی بی مبارکہ اسی طرح صاحب عزت و وقار رہی بلکہ اس سے بھی زیادہ معظم و محترم ہوگئی۔ دارالسلطنت لاہور میں، قوم فرمولیاں کے محلے میں بڑے بڑے قصر اور عالی شان حویلیاں رکھتی تھیں۔

بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایون جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا جاتا رہا تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بھائی میر جمال کے بیٹے اور پوتے بھی حسب دستور سابق جاگیردار اور منصب دار تھے یہاں تک کہ جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں بھی اُس کے ایک دو پوتے معزز و موقر تھے۔ میر جمال نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی۔ بی بی مبارکہ نے اپنی زندگی انتہائی دولت اور عزت میں گزاری حتیٰ کہ بڑی بوڑھی ہوگئی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پاگئی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہَا وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

ہمایون نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایون جب ہندوستان میں شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا جا

رہا تھا تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی۔

اب اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب بابر بادشاہ سوات سے مراجعت کر کے کابل چلا گیا۔ یوسفزئی مورا سے اُتر آئے اور سلطان اویس کے خلاف مہم میں مشغول ہو گئے۔ انہیں جب موقع ملتا۔ سلطان کے لوگوں کو قید کر لیتے تھے اور ان کے ملک اور دیہات کو تہس نہس کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کر سلطان عاجز آگیا اور آخرکار اپنے تمام متعلقین اور فوج وغیرہ کے ساتھ قلعہ منگلور سے نکل گیا اور سوات کو چھوڑ دیا۔

وادیٔ دریائے سوات چھوڑ کر کے تاج خیلہ (خوازہ خیلہ) گئے اس کے بعد پہاڑ کو عبور کیا جس میں چار روز لگ گئے ناں بعد نیاگ درے چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ نیاگ پہاڑوں کے درمیان ایک مقام (درّہ) ہے۔ یہ سارا علاقہ آبی چشمہ دار اور سبزہ زار ہے اور ربیع کے دنوں میں چاروں طرف بڑی مقدار میں گھاس اور سبزہ ہوتا ہے۔ اس کے گردا گرد (ڈوما) کفار آباد تھے۔ سلطان اویس نے وہاں ایک شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام لاہور رکھا۔ جس کے اردگرد کفار کے دیہات تھے۔ ان سب کو اپنے تصرف میں لایا اور جیسے پہلے صاحب جاہ تھا اسی طرح پھر صاحب شوکت اور سلطنت کا مالک بن گیا اور مدت دراز تک بادشاہت کرنے کے بعد بدنی عارضے میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوا۔ فیروز شاہ اور قزان شاہ نام کے دو بیٹے اس کی یادگار تھے۔ بڑا بیٹا فیروز شاہ باپ کا جانشین ہوا۔ ایک روز قزان شاہ سیر و شکار کی غرض سے پہاڑ کی چوٹی پہ چڑھا ہوا تھا کہ یوسف زئی کی زد میں آگیا۔ ایک یوسف زئی نے اس کو تیر مارا وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ یوسف زئی نے قزان شاہ کا

سر کاٹ لیا اور لاکر خان کجو کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خان موصوف اس وقت غوریا خیل کی مہم کے سلسلے میں نکلا ہوا تھا۔ اور اس وقت دریائے لنڈا کے کنارے مقیم تھا۔ اس مہم کے حالات اپنے محل میں آئیں گے۔ فیروز شاہ نے مدت دراز تک بادشاہت کی اور عمر رسیدہ ہو کر مرا۔ فیروز شاہ کے بعد حکومت اس کے بیٹے سلطان ماہ کے حصے میں آئی۔ سلطان ماہ کے بعد زین اعلیٰ اس کا جانشین ہوا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی پشتوں تک سلطنت اسی خاندان میں رہی۔ حاصل یہ کہ جب سلطان اویس منگلور سے چلا گیا تو سارا سوات متراوی کے علاقے کے سوا یوسف زئی کے قبضے میں آگیا۔

کہتے ہیں کہ یوسفزئیوں نے سلطان اویس کا سارا ملک سولہ سال کے اندر اندر اپنے تصرف میں لے لیا اور سترہویں سال متراویوں کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے خلاف فوج کشی کی۔

متراویوں کا ملک بڑا وسیع تھا اور دریائے سوات کی جنوبی طرف واقع تھا۔ دریائے سوات منگلور تک شمال کی طرف سے کاشغر سے آتا ہے اور منگلور سے دریائے پنجکوڑہ تک مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پنجکوڑہ سے پھر دونوں دریا دریائے آگوہ اور اشنغر تک جنوب کی جانب بہتے ہیں۔ اس کے بعد دریائے پشاور میں گر جاتا ہے۔

متراویوں نے جب یوسف زئی کی لشکر کشی کی خبر سنی تو سخت گھبرائے اور اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو کر بلگرام (بلوگرام) میں قلعہ بند ہو گئے۔ بلگرام (بلوگرام) ایک قلعہ کا نام ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور نہایت مضبوط اور اونچا ہے اور چونکہ پہاڑ سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے دشمن اس پر آسانی سے حملہ نہیں کر سکتا ملک حسن اپنے عزیزوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس میں رہتا تھا۔

اور دوسرے لوگ قلعے کے باہر اردگرد کے دیہات میں رہتے تھے۔ یوسف زئی کے لشکر نے کاٹیلئی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ متراویوں کے تمام علاقے میں یہی جگہ ہموار بھی تھی، باقی سارا ملک پہاڑی تھا یوسف زئی ہر روز قلعے کے قریب جاتے، متراوی بھی قلعے سے نکلتے اور باہم لڑائی لڑتے۔ ایک رات کو رحیم داد ابن احمد خدرزئی منڈ اپنے لشکر کے ساتھ چھپ کر گیا اور پہاڑ کے اوپر چڑھ کر چوٹی پر قبضہ کرلیا۔ متراویوں میں سے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو یوسف زئیوں کا عظیم لشکر قلعے کی طرف روانہ ہوا متراوی بھی حسب معمول قلعے سے نکل کر مقابلے کیلئے سامنے آئے اور جنگ شروع کی۔

لڑائی میں پہل پائی ابن ایسکو پائی زئی یوسف زئی نے کی اور حاجی شاہ نامی متراوی پر وار کیا اس لئے کہ زنگی نام کا اس کا بھائی کچھ دنوں پہلے متراویوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ فخر نام کے متراوی نے پائی پر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ پائی کے زرے میں پیوست ہوگیا پائی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گرگیا۔ پیر علی ابن میرک نوری زئی ملی زئی نے آگے بڑھ کر تلوار سے نیزے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح آدھا نیزہ متراوی کے ہاتھ میں رہ گیا اور آدھا پائی کے زرے میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ جب متراویوں نے چوٹی پر لوگوں کو دیکھا تو سراسیمہ اور پریشان ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعے کے اندر جا گھسے۔ یوسف زئیوں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ بالا اور زیرین سے جنگ ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں رحیم داد خدرزئی منڈ بھی اپنے آدمیوں سمیت پہاڑ سے اتر گیا۔ پناہ گاہ اور خندقیں قلعے کے قریب تیار کیں اور تمام دن باہم لڑتے رہے جب ایک پہر رات گذر

گئی۔ متراوی قلعے کے ایک طرف سے جہاں مٹی کا تودہ ہونے کی وجہ سے خندق یا پناہ کیلئے جگہ نہ تھی، نکل کر بھاگ گئے اور سارا مال ومتاع چھوڑ گئے۔ چند آدمیوں کو محض اس لئے قلعے میں چھوڑ گئے کہ رات کو شور و غوغا اور ہا ہُو کرتے رہیں۔ تاکہ یوسف زئی یہ نہ سمجھ سکیں کہ متراوی بھاگ رہے ہیں۔ اور انہیں ہدایت کر دی کہ صبح کیوقت وہ بھی بھاگ آئیں۔

الغرض تمام متراوی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے جب صبح ہوئی تو باقی ماندہ لوگ بھی نکل بھاگے اور پہاڑوں میں گھس گئے۔ صبح کو یوسف زئی کو معلوم ہوا کہ قلعہ خالی ہے تو قلعے میں داخل ہوگئے اور اُسے لوٹ لیا۔ اس قلعے سے بے انتہا مال و اسباب ان کے ہاتھ لگا۔ اب متراویوں کا سارا ملک بھی یوسف زئیوں کے قبضے میں آگیا۔

متراوی کئی برسوں تک پہاڑوں میں سرگردان و پریشان پھرتے رہے۔ بالآخر آہستہ آہستہ تمام متراوی آکر اپنے اپنے مواضعات میں رعیت بن کر آباد ہوگئے۔ یوسف زئیوں نے سارا سوات آپس میں تقسیم کرلیا۔ اور سب اپنے اپنے حصے سے مطمئن ہوگئے۔ البتہ ملک حسن اور اس کے متعلقات شرم وندامت کے باعث جلاوطنی اور محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں بستے رہے۔ جب ملک حسن کا انتقال ہوگیا تو اس کے اقارب نے بھی یوسف زئی سے واپسی کی اجازت کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہوگئے۔ قلعہ بالاگرام (بلوگرام) کی فتح کے بعد پورے سوات پر یوسف زئی کا قبضہ ہوگیا اور کوئی ان کا منازع و مقابل باقی نہ رہا۔ اسیطرح سترھویں سال میں سارا سوات بھی ان کے تصرف

میں آگیا، اس اثناء میں یوسف زئی کے اکثر سردار جنہوں نے سوات کی مہم کا آغاز کیا تھا، اور ابتدائی جنگیں لڑی تھیں۔ جیسے ملک قرہ، خان کجو کے والد اور موسٰی[1] ابن ایسکو بائی زئی اکوزئی اور موسٰی ابن ابابکر کناذئی[2] اتمان منڈڑ اور اس پائے کے دوسرے بڑے بڑے سردار وفات پاگئے تھے۔ ملک قرہ کی قبر موضع تھانے میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اللّٰہم اغفرلی ولہٗ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات برحمتک یاارحم الرّحمین۔

---

[1] موسٰی ابن ایسکو کی قبر درگئی اور سخاکوٹ کے درمیان خان گھڑی سے بطرف مشرق ایک قدیمی قبرستان میں ہے، موسٰی مینہ اس کے نام سے منسوب ہے۔ اور اس وقت اس کی اولاد مواضعات کوٹہ، ابوھہ سوات میں آباد ہے جو موسٰی خیل کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔ نیز موسٰی ابن ابابکر کناذئی منڈڑ کی قبر ملک قرہ کے متصل موضع تھانہ بمقام بختہ ایک ہی احاطے میں واقع ہے۔ اس کی اولاد کوٹہ، ٹوپی اور تحصیل ہری پور میں آباد اور ابابکر خیل میں موسٰی خیل کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۴)

مُلک دوآبہ میں گگیانیوں کی آمد، بابر بادشاہ کا کابل سے پشاور میں آنا اور کلپانڑئی کے دلزاکوں پر اُسکی چڑھائی

گگیانی قوم کے جو لوگ کابل میں رہ گئے تھے۔ بابر نے اُن کی سخت مخالفت شروع کی۔ ان کیلئے زندگی دشوار ہوگئی۔ اس لئے انہوں نے کُلیتہً کابل سے کوچ کیا اور یوسف زئی کے پیچھے آنے لگے مگر موسی زئیوں کا قبیلہ جو یوسف زئیوں کے ساتھ عداوت رکھتا تھا وہ کابل ہی میں رہ گیا اس وقت گگیانیوں کا سردار ملک ہمزہ ابن یعقوب مغل خیل تھا جو بہت نامور، صاحب جاہ اور بابر بادشاہ کا بہت مقرب تھا، ملک میرے بن سلیمان لالہ زئی اور ملک یحیٰی بن مت میرزئی سردار بھی مشہور و معروف تھے اور دونوں کی ملک احمد ملک زئی رزڑ کے ساتھ رشتہ داری اور قرابت بھی تھی۔ ان دونوں نے بہ اتفاق چند نامور ملکوں کو ملک احمد کے پاس دوآبہ بھیجا اور ان سے کہا کہ ملک احمد سے اپنی شکستگی و مصیبت زدہ زندگی ظاہر کردو اور بتاؤ کہ کابل میں زندگی دشوار اور جینا حرام ہوگیا ہے۔ اب آپ کے ہاں آئے ہیں، آپ سے نیکی اور مہربانی

کے امیدوار ہیں۔ چنانچہ یہ چند گگیانی ملک اپنے اہل وعیال کے ہمراہ ملک الملوک احمد کی خدمت میں آئے اور اپنا حال بیان کیا۔ ملک احمد نے ان کو خوش آمدید کہا اور پُرتپاک خیر مقدم کیا اور یہ کہا کہ یہ بہت خوب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی ہمارے پاس بھیجا۔ مطمئن رہو اور خاطر جمع رکھو۔ میں نے سارا دوآبہ تمہیں دیدیا ہے۔ جاؤ اس میں آباد ہوجاؤ۔ گگیانیوں کے یہ سردار واپس گئے اور اپنی قوم کو یہ خوشخبری سُنائی قوم اس سے بہت خوش ہوئی اور کابل سے کوچ کرکے کڑپہ (گندھاؤ) کے راستے دوآبہ آپہنچی اور ملک احمد، شیخ ملی اور خان کجو کے والد ملک قرہ سے ملاقات کی۔

وعدے کے مطابق یوسف زئیوں نے دوآبہ گگیانیوں کیلئے خالی کردیا اور خود خوش وخرم دوآبے سے روانہ ہوکر اشنغر پار چلے گئے۔ دوآبہ گگیانیوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور ہر شخص اپنے حصّے میں آباد ہوگیا۔ گگیانی دو سال میں بڑے صاحبِ جمعیّت اور آسودہ حال ہوگئے آخرش اتفاقاً ایک دن ملک احمد اور شیخ ملی ایک سو بڑے بڑے نامور ملکوں کے ساتھ ملک ہمزہ گگیانی کے ہاں دوآبہ آئے۔ ملک ہمزہ کو پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لئے اس نے خاص جگہ بنائی تھی اور خیمہ لگایا تھا۔ اور اس میں فرش بچھائے تھے۔ پلنگ بچھا کر اس پر بسترہ اور پشمینہ بچھا کر تکیہ رکھا اور خود بھی بہت قیمتی اور نفیس لباس پہنے ہوئے بہت غرور اور تمکنت سے بیٹھا ہوا تھا۔ کسی سبب سے ملک احمد اس وقت پیچھے رہ گیا تھا اور دوسرے یوسف زئی ملک پہلے خیمے میں داخل ہوئے اور ملک ہمزہ سے ملے لیکن وہ از راہِ کبر ورعونت ان کیلئے کھڑا نہیں ہوا۔ با دلِ ناخواستہ بیٹھے بیٹھے ہر ایک سے ہاتھ ملاتا رہا۔ آخر میں ملک احمد خیمے میں داخل ہوا اور اپنے عزیزوں

کے ساتھ کبر ورعونت کا یہ سلوک دیکھا تو اُسے بہت غصّہ آیا۔ ملک ہمزہ کی یہ حرکت اُسے سخت ناگوار گزری۔ ملک احمد اُلٹے پاؤں باہر چلا گیا اس نے ملک ہمزہ سے ملنا گوارا نہ کیا اور بہ آوازِ بلند کہا کہ "یہ وہ ناکس، بدطینت گگیانی ہیں جنہوں نے کابل میں بھی ہمارے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا اب میرا خیال تھا کہ شاید یہ اپنے کئے پر پشیمان ہوکر میرے پاس آگئے ہیں اس لئے میں نے دوآبہ جیسا ملک ان کو دیدیا مگر معلوم ہوا کہ جبلی بدخصلتی اور بغض وعداوت اب بھی ان میں باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے میرے عزیزوں کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ہاتھ ملایا۔ خیر اگر میں مرد ہوں گا تو اس کا یہ غرور اس کے سر سے نکال دوں گا اور کابل میں کی ہوئی برائیوں کا بدلہ لے لوں گا۔"

ملک احمد نے غیض وغضب میں جو باتیں کہیں۔ ملک ہمزہ اور دوسرے گگیانیوں نے لفظ بہ لفظ سُنیں مگر کسی نے ہوں تک نہ کی سب خاموش اور پشیمان رہے۔

الغرض ملک احمد قہر وغضب میں وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے عزیزوں کو آواز دی کہ آؤ۔ گگیانیوں کی نیت ہمیں معلوم ہوگئی۔ چنانچہ سب ملک اسی وقت روانہ ہوگئے۔ رات اشنغر میں گزاری۔ صبح اپنے گھر آگئے۔ یوسف زئیوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو ہر کسی نے اُسے بہت بُرا محسوس کیا اور پھر گگیانیوں کے ساتھ دشمنی از سرِ نو تازہ ہوگئی اور کابل میں ان کے ساتھ کی گئی تمام برائیاں پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔ دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی اور دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ گگیانی ان دنوں کابلی بھیڑوں اور دنبوں کے ریوڑ بکثرت رکھتے تھے۔ ملک ہمزہ کے پاس بے شمار ریوڑ تھے اس لئے اس نے نام ونمود

کی غرض سے ہر آدمی کیلئے ایک ایک دُنبہ ذبح کیا تھا۔ چونکہ یوسفزئی کے ایک سو نفر آتے تھے۔ اس لئے اس نے ایک سو دُنبے ذبح کئے تھے اور انواع واقسام کے کھانے پکائے تھے۔ ملک احمد کے جانے سے اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔ تمام کھانے ضائع ہوگئے اور عام لوگوں کو کھلانے پڑے۔ ملک ہمزہ سمجھ گیا کہ ملک احمد زبردست آدمی ہے اور آزردہ خاطر ہوکر چلا گیا ہے۔ یہ ضرور کوئی بہانہ تلاش کرکے مصیبت کھڑی کردیگا اور اس طرح کابل کا انتقام بھی لیگا۔ پس ضروری یہ ہے کہ حالات قطعی بگڑ جانے سے قبل کچھ فکر کی جائے۔ اس کیلئے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ بادشاہ کے حضور کابل چلا جاؤں اور کسی طریقے سے اُسے یہاں لے آؤں۔ جب بادشاہ میرے ساتھ آجائے گا تو ملک احمد کو چارو ناچار راضی ہونا پڑے گا اور صلح کرلیگا۔ اس طرح اس کی برائی سے محفوظ ہو جاؤں گا۔

چنانچہ ملک ہمزہ کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور اپنی تابعداری اور کمالِ فدویت اس پر ظاہر کی اور ازراہِ خیر خواہی ملک گیری کا شوق دلاکر اُسے پشاور کیلئے روانہ کردیا اور اس طرح چند دنوں میں اُسے اپنے ساتھ لیکر دوآبے میں آپہنچا اور اُسے اپنے گھر میں اُتارا۔ ملک ہمزہ کے مشورے کیمطابق سب سے پہلے کلپانڑئی کے دلزاکوں کو نشانہ بنانیکا فیصلہ کیا اور سمہ کے یوسف زئی کے روسائے کے نام اس مضمون کے فرمان بھیجے کہ ان فرامین کے پہنچتے ہی اپنے اپنے لشکر سمیت ہمارے حضور میں پہنچ جاؤ اور یاد رکھو کہ دلزاک کو اس بات کی اطلاع نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنے اپنے مواضع سے بھاگ نہ جائیں۔

سمہ میں اُس وقت یوسف زئی کے دو قبیلے اکوزئی اور الیاس زئی آباد تھے۔ چنانچہ اُس اوان میں اکوزئی کا نامی سردار ملک سرابدال بن یحییٰ

خواجو زئی علاؤالدین زئی تھا اور دوسرا میر فتح خان بن موسٰی باقی زئی اکوزئی تھا۔ اور الیاس زئی میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ ملک سرابدال اور میر فتح خان نے بادشاہ کے فرمان کے مطابق فوراً اکوزئی اور الیاس زئی کا لشکر اکٹھا کیا اور بادشاہ کیخدمت میں حاضر ہوگئے۔ انہیں دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور دونوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ بادشاہ نے ملک ہمزہ سے کہا، یوسف زئی کا لشکر آپہنچا ہے اب تم بتاؤ کہ سب سے زیادہ متمرد اور سرکش کون لوگ ہیں تاکہ ان کے خلاف لشکر کشی کیجائے۔ ملک ہمزہ نے ملک سرابدال اور میر فتح خان سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔ سب سے پہلے کس پر چڑھاؤ کرنا چاہیئے۔ ان دونوں نے ملک ہمزہ پر فیصلہ چھوڑ دیا اور کہا کہ آپ بڑے ہیں اور بادشاہ کے مقرب و معتمد ہیں۔ بادشاہ آپ کے گھر میں جلوہ فرما ہیں لہذا جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ ملک ہمزہ نے کہا کہ مجھے تو اپنا دشمن دلزاک سے زیادہ اور کوئی نظر نہیں آتا بخصوصاً عمرخیل جو ہندوستان کے شاہراہ پر مقیم ہیں اور جب کبھی ہمارے سوداگر شاہراہ سے گزرتے ہیں۔ اور ہندوستان آتے جاتے ہیں یہ لوگ ان پر تعدی اور مال واسباب پر دست درازی کرتے ہیں سوداگران کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں۔ اس پر ملک سرابدال اور میر فتح خان نے کہا یہ بات بالکل درست ہے۔ ہمارے لوگ بھی ان کے ظلم وتعدی سے تنگ آگئے ہیں۔ بلاشبہ دست اندازی، بدخصلتی اور خود بینی ان کا پیشہ بن گیا ہے۔

اس زمانے میں کلپانڑی کا سارا علاقہ دلزاک کے قبضے میں تھا۔ اور عمرخیل کے اس مقام پر جسے اب کلپانی یا جھنڈی ریلوے اسٹیشن کہا جاتا ہے۔ عمرخیل کے دو بڑے بڑے گاؤں تھے جو کلپانی کے نام سے دونوں

صرف آباد تھے ۔ اس زمانے میں جب یوسف زئیوں اور ترکیانیوں کے جو سوداگر ہندوستان آتے جاتے تھے وہ نیلاب (دریائے سندھ) سے پار ہوکر جانفز اور سنیالہ سے ہوتے ہوئے مرغ وڈنی (زنڈہ مینڑ) کے مقام پر دریائے لنڈا کو پار کرکے موضع کلپانڑی کے راستے آتے ۔ اس کے بعد کہیں اپنے گھروں کو جاتے تھے ۔ دلزاک اُن پر ڈاکہ ڈالتے ، اور دست درازیاں کرتے تھے اور اگر انہیں سوداگروں پر ڈاکہ ڈالنے اور انہیں لوٹنے کا موقع نہ ملتا تو یہ رہزنی کرتے ۔ یوسف زئی کے ساتھ عمر خیل مخالفت اور دشمنی کرتے تھے ۔ مزید برآں یہ سبب بھی تھا کہ ملک ہیبو باجوڑ میں یوسف زئی کے ہاتھوں مارا گیا تھا ۔ اس سے پہلے دلزاک کے حالات میں گزر چکا ہے ۔ ان حالات کی بنا پر سب سے پہلے عمر خیل کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا ۔

اس فیصلے کے بعد بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ رات کو موضع کلپانڑی کے قصد سے روانہ ہوا ۔ اشنغر کے دریا کو عبور کرکے حصار بالول پہنچا اور صبح صادق کے وقت کلپانی ندی کے مغربی طرف والے عمر خیل کے گاؤں پر حملہ کر دیا ۔ گاؤں میں شور و غوغا ہوا تو ندی پار کے مشرقی گاؤں میں بھی سُنا گیا ۔ سب سے پہلے یہ شور و غوغا عمر خیل کے نامی گرامی سردار ملک جہاں شاہ نے سنا لیکن اُس نے یہ خیال سمجھا کہ شاید کوئی شیر یا چیتا ندی پار کے گاؤں میں گھس آیا ہے ۔

اس زمانے میں کلپانڑی کا علاقہ نرکل اور بانس کا گنجان جنگل تھا ۔ سارے علاقے میں نرکل ہی نرکل تھے جس میں بے شمار آدم خور چیتے رہتے تھے اور آدمیوں کو اٹھا کر لیجاتے تھے ، اسی طرح گینڈے بھی بکثرت تھے ۔

ملک جہاں شاہ نے فوراً نیزہ اور تلوار سنبھالی اور گھوڑے پر

سوار ہوکر نکل کھڑا ہوا ۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھوڑے کا نام "گل بادام" تھا اور بہت بہترین گھوڑا تھا ۔ گاؤں والوں سے کہا کہ فوراً میرے پیچھے آؤ دیر نہ لگاؤ ۔ ملک جہاں شاہ حقیقتِ حال سے بالکل بے خبر تھا ۔ اُسے کیا پتہ کہ بابر نے حملہ کیا ہے ۔ جب وہ اپنے گاؤں سے نکلا اور پُل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ فوج ہر طرف سے گاؤں پر چڑھ رہی ہے ۔ قتل و غارت گری اور قید و بند کا بازار گرم ہے اور بادشاہ گاؤں کے بین وسط میں کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہے ۔ یہ منظر دیکھتے ہی ملک جہانگیر نے نعرے لگائے اور پکارا کہ اے عمر خیل ! بیدار ہو جاؤ اپنے ناموس کی حفاظت کرو اور مردانگی کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو ۔ اس کی اس پکار پر لوگ جاگ اُٹھے اور گھر گھر جنگ چھڑ گئی مگر زبردست لڑائی دو جگہوں میں ہو رہی تھی ۔ ایک مغربی گاؤں میں اور دوسری ملک جہاں شاہ کے گاؤں کے متصل پُل کے دہانے پر ، تھوڑی دیر میں ملک جہاں شاہ کے گاؤں سے کمک بھی پہنچ گئی مگر دوسرے گاؤں میں کمک پہنچانیکا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا ۔ پُل پر مغلوں نے پہلے ہی قبضہ کر رکھا تھا ۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں موضع کلپانڑی میں ندی کا پھاٹ زیادہ چوڑا نہ تھا جیسا کہ اب ہے ۔ آمد و رفت کیلئے عمر خیل نے اس پر ایک پل بنا رکھا تھا ۔ اُن ایام میں یہاں کے بانس بہت لمبے ، موٹے اور مضبوط ہوتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک بانس سات سات گز لمبا ہوتا تھا ۔ الحاصل صبح صادق کے وقت سے عصر کے وقت تک گھمسان کا رن پڑا اور اس پار کے گاؤں کے تمام مرد قتل ہو گئے اور عورتیں قید ہو گئیں اور مال و متاع سب غارت ہو گیا ۔ عصر کے بعد بادشاہ اس پار کے گاؤں کی طرف متوجہ ہوا ۔ جب پل پر پہنچا تو دیکھا

کہ جنگ ابھی تک ہو رہی ہے ۔ اس پر وہ اپنی فوج پر گرجا کہ تم ابھی تک مشرقی پار نہیں گئے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نشانہ باز، تیرانداز اور بہادر لوگ ہیں۔ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے ۔ اس لئے ان کو پیچھے دھکیلنے اور گاؤں میں داخل ہونے کا امکان نہیں ہے ۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور خود پار چلا گیا ۔ اسی کی متابعت میں سارا لشکر بھی گھوڑے دوڑا کر پار اتر گیا اور تیر برسانا شروع کئے ۔ دلزاک نے بھی نہایت پامردی کا ثبوت دیا ۔ سارا دن لڑتے لڑتے بے دم ہو گئے تھے ۔ تیر کھا کھا کر جسم چھلنی ہو گئے مگر اپنی جگہ سے نہ ہلے ۔ سب وہیں مارے گئے ۔ بادشاہ نے اس گاؤں میں داخل ہو کر اُسے بھی خوب تباہ و برباد کیا ، لیکن مال و مویشی عورتیں ، بچے دن ہی کو نکل کر کڑمار کے پہاڑ میں گھس گئے تھیں اس لئے سلامت رہ گئے ۔ گرد و نواح کے دوسرے دلزاک بھی خبر پاتے ہی بھاگ گئے کوئی عمر خیل کی مدد کو نہ آسکا ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے ۔

اس زمانے میں سارے کلپانڑی اور اس کے مضافات میں دریائے لنڈا کے کنارے اشنغر ، شہباز گڑھ ، کڑمار ، شیر درہ ، پنجتار اور سلسلہ کوہ کے دامن میں ، دربند تک اور دریائے سندھ کے پار دونوں ہزارہ (ہزارہ اور کوہستان ہزارہ) تربیلہ ، ٹوپی کوٹی ، سنگرئی اور سوہان تک اور ساری وادی پشاور میں دلزاک ہی دلزاک آباد تھے ۔ بڑی عظیم و کثیر خلقت تھی ۔

دلزاک کی ایک خاتون مسماۃ شاہ بوڑئی کا واقعہ اور اس کی بہادری

واضح رہے کہ اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب قضیہ پیش آیا ۔

شاہ بوڑئی نام کی ایک عمر خیل دلزاک خاتون تھی جو رستم عمر خیل کی زوجہ اور عبدالرحمن عمر خیل کی بیٹی تھی ۔ یہ دونوں بڑے نامور عمر خیل تھے ۔ شاہ بوڑئی جب حالتِ صغر سنی سے نکل کر بلوغت کو پہنچی اور جوان ہوئی تو اللہ پاک نے اُس کے ذہن میں مردانہ لباس راسخ کر دیا ۔ اس لئے وہ مردوں کا لباس پہنتی تھی اور ہمیشہ جوانوں کے ساتھ پھرتی ۔ شب و روز بے کھٹکے جوانوں کے ساتھ محافل و مجالس میں بیٹھتی ۔ گھوڑے کی سواری کرتی ، کمربند باندھتی ، تیراندازی کرتی ، نشانہ بازی کے مشہور کھیل (موخہ) میں حصہ لیتی اور شبخون مارتی ۔ شاہسواری میں لاجواب تھی اور سخت کمان استعمال کرتی تھی ۔ کسی جنگ میں اس کا تیر خطا نہیں گیا تھا ۔ جرگہ ، معرکہ اور لڑائی میں حاضر ہوتی ۔ دلزاک کے ہراول دستے (مقدمۃ الجیش) کی سالار تھی ۔ چونکہ ازدواجی زندگی پسند نہیں کرتی اس لئے عورتوں کی صحبت سے بھی نفرت کرتی تھی ۔ اس کے سامنے کوئی اس کی شادی کا نام نہیں لے سکتا تھا ۔ شوہر کے نام سے ایسی چڑتی تھی گویا یہ نام اس کیلئے پیغامِ موت ہے ۔ پاکدامن تھی اور مردوں کی صحبت میں اس کے نسوانی جذبات مردہ ہو چکے تھے ۔ مال و دولت اور شان و شوکت بہت زیادہ رکھتی تھی ۔ بہت سے غلام اور کنیزیں رکھی تھی ۔

ایک دن اس کے چند غلام فرار ہو گئے ۔ یہ اپنے چند رشتہ داروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلی ۔ راستے میں مختلف مقامات پر اس نے دو دو آدمی غلاموں کو پکڑنے کی غرض سے متعین کئے اور ایک جگہ یہ بھی رستم نامی ایک رشتہ دار کے ساتھ رات گزارنے کیلئے بیٹھ گئی ۔ رستم ایک خوبرو اور دولت مند جوان تھا ۔ دونوں نے آپس میں طے کیا کہ رات لمبی ہے اس لئے دونوں باری باری چوکیداری کریں گے

چنانچہ پہلے رستم سوگیا اور یہ جاگتی رہی ۔ پھر جب رستم جاگ اٹھا تو یہ سوگئی ۔ اس وقت رستم پر نفسانی خواہش نے غلبہ کیا ۔ شیطان نے ورغلایا اور اس نے ارادہ کیا کہ شاہ بوڑئی پر ہاتھ ڈالے اور رخسار کا بوسہ لیکر اُسے اپنے ساتھ بدنام کرے ۔ اس نے سوچا کہ شاید اسطرح وہ اس کے ہاتھ آجائے مگر ساتھ ہی اُسے اس بات نے ڈرایا بھی کہ اگر اس اثنا میں اس کی آنکھ کھل گئی تو یہ جان سے مار ڈالے گی ۔ اس لئے اس کا اسلحہ ، تلوار وغیرہ اٹھا کر دور کہیں چھپا کر رکھدیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا ۔ غرض یہ کہ اچھی طرح تیاری کرکے بعد آیا اور شاہ بوڑئی کے رخسار پر اپنا منہ رکھ کر ایسے زور سے کاٹا کہ رستم کے دانت اس کے رخسار میں گھس گئے اور زخم سے خون بہنے لگا ۔ یہ نیند سے ایکدم بیدار ہوگئی اور تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر تلوار غائب تھی ۔ رستم اس اثنا میں تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوکر بھاگ نکلا اور اس خوف کی وجہ سے اپنے گاؤں بھی نہ گیا ۔ یہ رات بھر اسی جگہ شرمندہ بیٹھی رہی ۔ صبح کو یہ شرمسار و خجل اور بادلِ نخواستہ اپنے گھر گئی ۔ سارے ملک میں اس بات کا چرچا ہوگیا ۔ اُس نے شرم و خجالت سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا ۔ دن رات رستم کے قتل کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں تھی ۔ بالآخر اُس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب اگر میں رستم کو قتل کردوں تب بھی یہ داغ تو مٹ نہیں سکتا جو مجھ پر لگ چکا ہے اور اگر اس کی ضد میں کسی اور سے شادی کرلوں تب بھی یہ داغ نہیں دھل سکتا ۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ رستم کو اپنا شوہر بنالوں ۔ قریبی رشتہ دار اور خوب صورت جوان ہے ۔ اس نے اپنا یہ خیال اپنی ماں اور باپ پر ظاہر کردیا ۔ انہوں نے فوراً اس کی شادی کا بندوبست کردیا ۔ محفل آرائی ہوئی اور گانے گائے گئے ، شہنائیاں بجیں ، اُسے زنانہ لباس پہنایا

گیا ۔ چوٹیاں گوندھی گئیں اور اسطرح شاہ بوڑئی کی رستم سے شادی ہوگئی ۔ اس کے بعد وہ پردہ کرنے لگی اور گھر کی چار دیواری میں بیٹھ گئی مگر گھوڑا اور تمام اسلحہ ، تیر کمان وغیرہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا ۔ اسے وہ اپنے سے الگ نہیں کرتی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ جنگ میں بھی شریک ہوتی تھی البتہ چہرے پر نقاب ہوتا تھا ۔

جس دن بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی ، رستم بہت بیمار اور اُٹھنے بیٹھنے سے بھی لاچار تھا ۔ جب گاؤں والے شکست کھا گئے تو شاہ بوڑئی نے رستم سے کہا کہ مغلوں کا لشکر گاؤں پر چڑھ آیا ہے بیشتر غمخیل مارے گئے جو باقی ہیں ان میں مقابلے کی تاب نہیں اب آپ بھی اٹھیے اور یہاں سے نکل چلیں میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گی ۔ اگر کوئی تعاقب میں آیا تو میں اُس سے نمٹ لوں گی آپ فکر نہ کریں ۔ رستم نے کہا کہ مجھ میں تو حرکت کرنے کی طاقت بھی نہیں ۔ میں کیوں کر جاسکتا ہوں البتہ تم چلی جاؤ ۔ شاہ بوڑئی نے کہا کہ جب آپ نہیں جاسکتے تو میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں ۔ چنانچہ اس نے شوہر کی چارپائی اٹھا کر چھپر کے اندر ڈال دی اور تلوار کمر سے باندھ کر کمان ہاتھ میں لیکر چھپر کے دروازے میں بیٹھ گئی اور تیروں کا گٹھا سامنے رکھ لیا جب لشکری اس کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے تو اس نے تیر مارنا شروع کیے اس کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا ۔ جس کو تیر مارتی تیر اس کی زرہ توڑ کر سینے میں پیوست ہوجاتا تھا ۔ اور دم کے دم میں وہ دم توڑ دیتا تھا ۔ اس پر مغلوں میں کھلبلی مچ گئی کہ اس چھپر میں کوئی بلا ہے جس نے تباہی پھیلا دی ہے ۔ بہت سے لوگ ہر طرف سے آکر اکٹھا ہوگئے ۔ چھپر کو محاصرے میں لے لیا ۔ اور ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کرکے اُسے چھلنی کرکے رکھدیا ۔

جب اندر سے تیر آنا بند ہوگئے تو لوگوں نے اندر جاکر دیکھا کہ ایک عورت کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ متعجب ہوئے۔

کسی نے اس واقعے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ اس نے فوراً قاصد بھیجا اور خبردار کیا کہ اس عورت کو قتل نہ کیا جائے اسے زندہ پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مگر جب بادشاہ کا قاصد پہنچا تو اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ ساتھ ہی اس کا شوہر بھی مارا گیا تھا۔ بادشاہ کو جب شاہ بوڑئی کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اُسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے لوگوں کو بہت ملامت کی اور کہا کہ ایسی بہادر عورت کو مرد نہیں مارا کرتے۔ چاہیے تھا کہ اُسے زندہ پکڑ کر لے آتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ اس زور سے تیر مارتی تھی کہ زرہ کو توڑ کر سینے سے پار ہو جاتا تھا۔ ہم یہ سمجھے کہ کوئی مرد ہے۔ اس لئے انجانے میں وہ قتل ہوگئی۔ بادشاہ اور اہل لشکر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کی بہادری اور شوہر سے اس کی محبت اور فداکاری پر آفرین کہی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی بادشاہ کے حضور میں عمرخیل پر حملہ کا ذکر آجاتا تھا۔ بادشاہ عمرخیل کی شجاعت کی خصوصاً شاہ بوڑئی کی تعریف کرتا تھا۔

اللّٰھمّ اغفر لہا و لجمیع المسلمین و المسلمات ط

القصہ عصر تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں گاؤں کے بیشتر لوگ قتل ہوگئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے شکست خوردہ دلزاک کے تعاقب میں شاہ باز گڑھ کا رُخ کیا اور کڑمار کی طرف روانہ ہوگیا۔ نو دس میل تک ان کا تعاقب کیا ہوگا کہ رات ہوگئی۔ جس جگہ اس نے رات بسر کی تھی اب اُس مقام پر سنگر کوٹ کا قلعہ ہے۔ جسے بعد میں اورنگ زیب بادشاہ نے بنایا تھا۔ اور اُسے صاحب خان بن مصری خان

طاؤس خیل امان زئی یوسف زئی نے مسمار کیا تھا۔ اب اس مقام کو دولت زئی کوٹ اور اسماعیل زئی کوٹ کہتے ہیں۔

الغرض اس واقعے کے بعد ملک سرابدال نے بڑی عزت پیدا کرلی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوگیا۔ یہ ابھی جوان اور عقل و تدبیر میں فائق تھا۔ سرابدال اپنے لشکر اور تمام اہل افغان کے ساتھ بادشاہ کے لشکر سے کچھ فاصلے پر مقیم ہوگیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو اکوزئی اور الیاس زئی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ جانبین سے لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی یہ شور سنا گیا۔ بادشاہ نے لوگوں کو جنگ پر کمربستہ دیکھا تو ہیبت زدہ ہوگیا اور یہ سمجھا کہ شاید پختونوں نے فریب دیکر اس مقام پر اپنے لوگوں کے درمیان لاکر پھنسا دیا ہے۔ اس لئے فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے لشکر کے ساتھ فرار کی نیت سے تیار ہوکر کھڑا ہوگیا۔

ملک سرابدال نے بادشاہ کا یہ اضطراب دیکھا تو سمجھ گیا کہ بادشاہ کے دل میں ہماری طرف سے بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اس لئے وہ دوڑ کر آیا۔ بادشاہ کو سلام کیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت آپ اپنے لئے بالکل خطرہ محسوس نہ فرمائیں۔ آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ آپ اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ تشریف فرما رہیں۔ ہم پختون ہیں اسی طرح جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ہمارا قومی شعار بن گیا ہے۔ آپ تردد نہ فرمائیں۔ ہم ابھی جاکر معاملہ رفع دفع کرکے ان کے صلح و صفائی کرادیں گے۔

اس کے بعد بادشاہ مطمئن ہوکر کھڑا ہوگیا۔ دل سے خطرہ نکل گیا۔ ملک سرابدال گھوڑے پر سوار ہوکر دوڑا ہوا گیا۔ دونوں لشکروں

کے درمیان پہنچا۔ طرفین ہاتھ میں ڈھالیں پکڑے ایک دوسرے پر تیر برسا رہے تھے۔ ملک سرابدال زرہ پہنے ہوئے نہیں تھا۔ فریقین کو آواز دی اور ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ بس کرو۔ تیراندازی بند کرو مگر عین اسی وقت ایک تیر الیاس زئی کی طرف سے آکر اس کو لگا وہ تیر لگتے ہی گر گیا۔ اس پر طرفین ہیبت زدہ ہوگئے اور حیران و پریشان کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بادشاہ کو حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی بے حد سراسیمہ اور غمگین ہوا۔ ملک سرابدال بیہوش پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں۔ لوگوں کو پہچانا اور دریافت کیا کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟ کسی نے کہا کہ یہیں حیران و پریشان اور شرمندہ کھڑے ہیں اور بادشاہ بھی متفکر اور متحیر کھڑے ہیں۔ ملک سرابدال نے کہا مجھے ڈیرے پر لے چلو اور طرفین کو وہاں بلاؤ۔ چنانچہ اس کے بعد اُسے ڈیرے پر لیجایا گیا اور اکوزئی کے سارے سردار جاکر حاضر ہوگئے۔ بالآخر اُس نے اکوزئی سے کہا :-

"اے عزیزو! الیاس زئی کی یہ منشا نہ تھی کہ مجھے دُکھ پہنچائیں لیکن میری تقدیر میں اسی طرح لکھا ہوا تھا۔ اب میری نصیحت اور وصیت سنو کہ میری حیات میں دونوں فریق ایک دوسرے سے گلے ملو اور بدی کو دل سے نکال دو۔ میرے معاملے میں کسی سے تعرض نہ کرو اور اگر تم صبر و ضبط نہ کر سکو تو یوسف اور مندنڑ کے چند سرداروں کو بٹھا کر آپس میں مشورہ کرلو میرے باب میں وہ جو نیک صلاح دیں اس پر عمل کرو اس سے زیادہ الیاس زئی کے ساتھ بدی نہ کرو"

اکوزئی کے سرداروں نے ملک سرابدال بن یحیٰی ادین زئی یوسفزئی سے کہا کہ جو آپ کا حکم ہوگا ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد ملک سرابدال نے الیاس زئی سے متوجہ ہو کر کہا کہ بھائیو اب آپ

اپنے ڈیروں میں چلے جائیں۔ اس پر الیاس زئی اُٹھ کر ڈیرے میں گئے اور ملک سرابدال پر حالتِ نزع طاری ہوگئی اور اس کی رُوح پرواز کرگئی۔ بادشاہ اُس وقت تک کھڑا رہا جب ملک سرابدال کی رُوح پرواز کرگئی۔ بادشاہ ملک سرابدال کے انتقال کے بعد بیحد خائف اور متوحش ہوا۔ تمام لوگوں پر سے اس کا اعتبار اُٹھ گیا۔ اسی وقت وہاں سے اشنغر کا رُخ کیا۔ اشنغر سے گزر کر دوآبہ آیا اور ملک ہمزہ کے ہاں اتر گیا اور بابر کے دل میں جو اغراض و مطالب تھے وہ سب کے سب التواء میں پڑ گئے۔ ملک ہمزہ بادشاہ کی خدمت اور مہمانی کے لوازم و شرائط کما حقہٗ بجا لایا۔ بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کیں۔ بادشاہ کی طرف سے وہ بھی اعزاز و منصب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ دوآبے سے روانہ ہوکر کابل چلا گیا اور پایۂ تخت کو رونق بخشی[1]

---

[1] مولوی ذکاء اللہ دہلوی کی تصنیف "تاریخ ہندوستان جلد ۵ اقبال نامہ اکبری" صفحہ ۵۳۲ میں یوں درج ہے کہ :-

"شہنشاہ بابر نے شمال مشرقی قوموں کے مطیع بنانے میں سخت کوشش کی۔ جن میں سے بعض قوموں کے تابع بنانے میں کامیاب ہوا۔ مگر وہ یوسف زئی قوم کو مغلوب کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ نہ وہ صلح و آمیزش کی تدبیروں سے اس کو اپنے بس میں لاسکا اور نہ اُس کے ملک کے اُس حصہ پر جس تک اس کی رسائی ہوئی سخت غارت گری اور حملہ آوری سے فتح یاب ہوا"

مسٹر الفنسٹن لکھتا ہے کہ :-

"صاف ظاہر ہے کہ بابر کسی وقت بھی اس قبیلہ (یوسف زئی) پر اپنا حقیقی رعب جمانے میں کامیاب نہ ہوا اور انہیں ہمیشہ اپنے پیچھے پہاڑیوں میں لوٹ جانیکے مواقع حاصل رہے"

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۵)

گگیانیوں اور دلزاکوں کے درمیان جنگ

جب ملک سرابدال بن یحیی ادین زئی خواجہ زئی اکوزئی کا انتقال ہوگیا تو الیاس زئی کے دلوں میں خوف وہراس پیدا ہوا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بادشاہ کا اعتماد بھی اٹھ چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی کوچ کرکے دوآبہ چلا گیا۔ اکوزئی نے ملک سرابدال کی میت (جنازے) کو اس کے گھر سنگاؤ پہنچا دیا۔ دلزاک جو فرار ہو گئے تھے لوٹ کر اپنے دیہات میں آباد ہو گئے۔ مگر کلپانی کا گاؤں بری طرح تباہ ہو چکا تھا لوگ جنگ میں کام آگئے تھے۔ عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے گئے تھے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا۔ مویشی مرکھپ گئے تھے۔ کچھ لوگ جو مال مویشی اور عیال و اطفال کو لیکر بھاگ گئے تھے وہ واپس آکر اپنے گاؤں میں آباد ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد بقیہ عمر خیل نے جرگہ کیا پھر بڑے بڑے سردار مل کر ملک احمد کے پاس سوات گئے اور اس سے کہا کہ:۔

"ملک ہمزہ گگیانی نے بادشاہ کو کابل سے لے آیا اور بے خبری میں ہم پر چڑھا لایا۔ ہمیں اس کے ہاتھوں قتل کرایا اور تباہ و برباد کردیا۔"

ملک احمد کو سارے حالات معلوم ہو چکے تھے۔ ملک سرابدال کی موت کی خبر بھی سن چکا تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ ملک ہمزہ نے یہ بری تمہارے ساتھ نہیں میرے ساتھ کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی بادشاہ کو کابل سے لایا اور تم پر چڑھایا ہے مگر اس کا اصل مقصد نشانہ میں تھا۔ وہ فی الحقیقت مجھے اپنا زور دکھا رہا تھا۔ خیر جو ہوا سو ہوا آئندہ کیلئے خاطر جمع رکھو اور جا کر اپنی تعمیر میں لگ جاؤ۔ میں چند دنوں میں بونیر آرہا ہوں۔ تم بھی وہاں آجاؤ۔ وہاں باہم صلاح و مشورہ کرکے کوئی فیصلہ کریں گے۔

عمر خیل رخصت ہوکر اپنے گھروں میں واپس آگئے۔ چند دنوں کے بعد ملک احمد، شیخ ملی وغیرہ یوسف زئی کے ملک صاحبان اکوزئی کے پاس سمہ گئے اور ملک محمود ابن یحیی علاؤالدین زئی سے ملک سرابدال کی تعزیت کی اور اُن سے کہا:۔

"تم کہاں اور بابر کا دربار کہاں! تم کون تھے کہ مجھ سے پوچھے اور صلاح و مشورہ کئے بغیر بادشاہ کے ہاں گئے اور ملک ہمزہ گگیانی جیسے آدمی کے فریب میں آگئے جو قدیم الایام سے ہمارا دشمن ہے اور اس کے ساتھ لشکر کرکے عمر خیل کو تباہ و برباد کرادیا۔ اور ملک سرابدال جیسا عزیز کھو دیا!"

اس کے بعد بونیر آیا۔ سب کو باہم اکٹھا کیا اور عمر خیل بھی آگئے آپس میں جرگہ کیا اور ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ جو تمہارا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ میں نے خاشی کا ننگ چھوڑ دیا۔ جاؤ ان پر لشکر کشی کرو

اور ان سے اپنا انتقام لو۔ اس فیصلے کے بعد عمر خیل اپنے گھروں میں آئے اور لشکر جمع کرنے کے فکر میں لگ گئے۔

چنانچہ عمر خیل دلزاک کے بعض سربر آوردہ ملک دریائے سندھ کے پار کے علاقے میں گئے۔ وہاں سے لشکر لے آئے۔ اتنا لشکر اکٹھا ہوگیا جس کا کوئی حد حساب نہ تھا اور پھر ہیئت اجتماعی سے دوآبہ کی طرف کوچ کیا اور سرغ وڑئی کے مقام پر دریائے لنڈا پار کر کے پشاور آگئے۔ پشاور میں بھی سب دلزاک آباد تھے۔ اسی طرح سب کے سب اکٹھے ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ جب دلزاک کا لشکر دوآبے کی طرف روانہ ہوا اور ملک ہمزہ نے میر فتح خان بن موسیٰ بائی زئی، اکوزئی، یوسف زئی اور دادی بن پوپل بن فخر الدین منڈے زئی، دولت زئی، ملی زئی، یوسف زئی کو خطوط بھیجے کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ خخی (خشی) کے ننگ اور ناموس کا خیال رکھو، لشکر لیکر میری مدد کیلئے پہنچو۔ آخر یہ دونوں جو اس زمانے میں زیرین سمہ میں مقیم تھے۔ خخی (خشی) کی عزت و ناموس کے نام پر، ملک احمد سے صلاح و مشورہ کئے اور پوچھے بغیر اپنے ہم نسبوں کی ایک تعداد کے ساتھ جن میں سے ہر ایک نامور شہسوار تھا۔ چل کھڑے ہوئے اور اشنغر کے راستے دوآبہ پہنچے گگیانوں کی عورتوں نے ان کی آمد کی خوشی پر گانے گائے اور شکریہ ادا کیا۔ دادی نے میر فتح خان سے پوچھا کہ یہ ہمارا کس بات کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ فتح خان نے جواب دیا کہ اللہ داد! یہ میرے اور تمہارے سر کا خون ہے جو ہم پر نچھاور کرتی ہیں۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان کو مبارکباد دی۔ اور کہا کہ پہلے آپ صرف یوسف زئی کے سردار تھے اب آپ سارے خخی (خشی) کے سردار ہوگئے۔ ہم نے بھی آپ کو اپنا سردار بنالیا۔ آپ

کو یہ سرداری مبارک ہو۔

میر فتح خان ایک نامور اور بہادر آدمی تھا۔ سخاوت، شجاعت اور دولت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ آباء و اجداد سے صاحب عزت اور سربر آوردہ شخص تھا۔ اس کے ہاں ہمیشہ ولایتی غالیچے بچھے رہتے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے پکتے تھے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس کے مہمان ہوتے تھے۔ سارے یوسف زئی کا خان تھا اور عوام اس کو سلام کرتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کے خیل خانے میں دوسرے نامور خوانین اور سردار گزرے۔ اُن کی بھی اسی طرح عزت اور اُن کو بھی اسیطرح سلام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد بادا خان سردار ہوگیا اور بادا خان کے بعد ظریف خان کے حصے میں سرداری آئی اور اُس کے بعد محمد خان، خان بن گیا۔ علیٰ ہذا القیاس درجہ بدرجہ تمام یوسف زئی ان کے مُنقاد اور مُطیع رہے۔

دادی کا اصلی نام اللہ داد تھا۔ اس کے باپ دادا قوم کے شجاع ترین اور صاحب مرتبہ تھے۔ چنانچہ پوپل کا خاندان جو اس وقت پل خیل سے مشہور ہے۔ اپنی بہادری کیلئے ساری خخی (خشی) قوم میں مشہور تھا کہتے ہیں کہ جب میر فتح خان اور دادی سواروں کی جمعیت کے ہمراہ اشنغر کے راستے دوآبہ کی طرف جا رہے تھے اور مشہور و معروف حصار اشنغر نالے تک پہنچ چکے تھے تو اس طرف سے لال منڈ ٹرخد خیل صدوزئی کا فرزند سرگین ملا۔ سرگین بے حد خوبصورت نوجوان تھا۔ شادی کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔ دلہن کی ڈولی اور براتی ساتھ تھے میر فتح خان اور دادی نے اس سے کہا کہ ہم تو خخی (خشی) کے ناموس کی خاطر گگیانیوں کی حمایت میں دوآبہ جا رہے ہیں۔ کیا تم ہمارے ساتھ چلوگے سرگین نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ڈولی بارات کے ساتھ

گھر بھیج دیتا ہوں ۔ اگر زندگی رہی تو گھر لوٹ آؤں گا اور اگر جنگ میں کام آیا تب بھی کوئی پروا نہیں ۔ چنانچہ سرگین نے ڈولی کو گھر بھیج دیا اور خود اُن کے ساتھ دوآبے چلا گیا ۔

گگیانی پھر اس مرتبہ بھاگ کر کندل خیل و مغل خیل کی طرف پہاڑ میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اور مال مویشی ، بھیڑ بکری سب کچھ لیگئے تھے ۔ تمام لشکری نیمہ وڑئی میں مقیم تھے ۔ نیمہ وڑئی دوآبہ میں ایک مشہور و معروف جگہ ہے ۔ ملک ہمزہ نے وہاں ایک بہت بڑا شامیانہ کھڑا کردیا تھا ۔ جس کی شان وشوکت امیروں جیسی تھی دوسرے ملکوں نے بھی اپنے اپنے مقدور کے مطابق خیمے کھڑے کئے تھے ۔ گگیانیوں کو کابل سے آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ابھی ان کی خو خصلت ، زندگی کا انداز اور ساز وسامان کوچیوں کا سا تھا محمدزئی اس وقت تک کامہ (ننگرھار) میں آباد تھے ۔ ملک ہمزہ نے اُن سے امداد و معاونت مانگی تھی اس لئے محمدزئی کا لشکر ان کی مدد کیلئے پہنچ گیا ۔

الغرض گگیانیوں کا بھی عظیم لشکر جمع ہوگیا تھا ۔ جس میں زیادہ تر سوار اور باقی پیادے تھے ۔ ایک ہزار سوار تو صرف گگیانیوں کے تھے ۔ جو سب کے سب عراقی گھوڑوں پر سوار اور سر سے پیر تک زرہوں میں غرق تھے ۔ دلزاک کا لشکر جمعیت تام کے ساتھ پشاور سے روانہ ہوکر گل بیلہ گیا اور دریائے پشاور سے پار اتر کر سیدھا نیمہ وڑئی گیا جہاں سے گگیانیوں کو ان کا لشکر دکھائی دیا ۔ دلزاک نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں ۔ گگیانیوں کا لشکر بھی مقابلے کیلئے میدان میں نکل آیا اور اسی جگہ دونوں لشکروں میں باہم مقابلہ ہوا ۔ پہلے تیروں کی جنگ شروع ہوئی ۔ دلزاک سب کے سب تیراندازی میں ماہر تھے ۔ گگیانیوں کے

لشکر کو گھائل کردیا ۔ یہ حالت دیکھ کر فتح خان اور دادی ، سرگین اور ملک ہمزہ لشکروں میں گھس گئے اور دست بدست جنگ شروع کردی ، ان کی دیکھا دیکھی سارا لشکر یکبارگی ٹوٹ پڑا اور نیزوں اور تلواروں کی ایک بہت بے پناہ جنگ شروع ہوگئی ۔ گگیانیوں نے پامردی اور بہادری کا حق ادا کیا ۔ آفرین ہو ان کی ہمتوں پر مگر چونکہ دلزاک ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے ۔ سواروں اور پیادوں کا کوئی شمار نہ تھا صفوں کے صفیں کھڑی تھیں دلزاک ان پر ٹوٹ پڑے اور سارے گگیانی قتل ہوگئے ۔ اگرچہ دلزاک بھی بے انتہا لقمۂ اجل بنے ، لیکن وہ چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لئے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی ۔ گگیانیوں کے ایک ہزار زرہ پوش بہادر جو عراقی گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے تین سو شہسوار صرف مکہ خیل کے تھے ۔ وہ ایک ایک کرکے سب کے سب قتل ہوگئے ۔ مکہ خیل اس زمانے میں بڑے دولتمند مشہور اور بہادر لوگ تھے اور دوسرے گگیانیوں کی نسبت مہذب بھی تھے لیکن اس لڑائی میں اکثر مارے گئے ۔ ان کی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوگئے ۔ اس جنگ کے بعد قبیلے کی حیثیت سے یہ لوگ بہت کمزور ہوگئے اور تھوڑے بھی رہ گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں گگیانیوں ، محمدزئی اور یوسف زئی میں سے کسی نے بھی کمی نہیں کی ۔ خصوصًا دادی پل خیل ملی زئی نے بہادری کا حق ادا کیا ۔ مگر گگیانیوں کا بخت برگشتہ ہوگیا تھا ۔ وہ بڑے مغرور ہوگئے تھے ۔ ان کا تکبر انہیں لے ڈوبا تھا ۔ کوشش کے باوجود اپنی شکست کو فتح میں نہ بدل سکے اور تمام لوگ قتل ہوگئے ۔ اگر کوئی بھاگ کھڑا ہوا تھا تو دلزاک نے تعاقب کرکے اُسے بھی قتل کرکے چھوڑا ۔ البتہ ان کے بچوں اور عورتوں سے ملک احمد کے لحاظ سے کوئی

تعرض نہیں کیا گیا ۔ اس لئے کہ یہ بات ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں کو ناگوار گزرتی ۔ کیونکہ گگیانی اور یوسف زئی بہر حال بھائی بھائی تھے اور دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کرتا تھا ۔ دلزاک کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کل کو یہ ہم سے کہیں کہ اگرچہ ہم اُن سے بددل ہوگئے تھے ۔ تمہیں ان کے ناموس پہ ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کیسے ہوئی ۔ اس لئے عورتوں اور بچوں سے کچھ تعرض کئے بغیر واپس آگئے ۔ اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھایا اور دریائے اشنغر کے کنارے آکر ڈیرہ ڈال دیا ۔ رات وہاں گزاری ، صبح کو پشاور کیلئے روانہ ہوگئے جو لوگ پشاور کے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور جو زیریں علاقے کے تھے وہ فی الفور روانہ ہوکر سرغ وڑئی کے مقام پر دریائے لنڈا کو عبور کرتے ہوئے کلپانڑئی آگئے اور جو کلپانڑی کے سمہ (میدانی) کے علاوہ لشکر تھا وہ جاگر ہنڈ کی گزر سے پار ہوکر اپنے اپنے دیہات میں چلے گئے اور دلزاک اس فتح پر بیحد مغرور ہوگئے

دوسرے یہ واضح رہے کہ اس وقت جب میر فتح خان اور دادی گگیانیوں کی حمایت میں ملک احمد کو اطلاع کئے بغیر گئے تھے اس کی اطلاع ملک احمد کو مل گئی اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری وہ بیحد غصہ ہوئے اور فوراً میر احمد بن محمد عمرخیل صدوزئی منڈر کو ان کے پاس بھیجا کہ جاکر اُن کو واپس لے آؤ اور اُن سے کہو کہ کیا تم گگیانیوں کی وہ بدی بھول گئے جو انہوں نے کابل میں ہمارے ساتھ کی تھیں اور ملک ہمزہ نے دوآبے میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ بھی تمہارے دلوں سے نکل گیا ؟ تم کون ہو اور گگیانیوں کی حمایت سے تمہاری غرض کیا ہے ؟ دلزاک میری اجازت سے گئے تھے ۔ پس تم عبث اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو ۔ واپس آجاؤ ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت میر احمد بن محمد عمرخیل منڈر پہنچا تو گگیانیوں اور دلزاک کی جنگ تیار تھی ۔ جانبین سے صفیں آراستہ ہو چکی تھیں ۔ جنگ کا دن تھا ۔ میر احمد ، میر فتح خان اور دادی تک نہ پہنچ سکا ۔ ایک طرف کھڑا رہ گیا ۔ جونہی جنگ شروع ہوئی ۔ میر احمد کو غنی (غشی) کے ننگ وناموس کے خیال نے بے اختیار کر دیا اور وہ بھی دلزاک پر ٹوٹ پڑا ۔ تلوار چلانا شروع کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے یہاں تک کہ خود بھی جان دیدی ۔ جس وقت میر احمد عمرخیل منڈر میدان میں کود رہا تھا تو دادی نے اُسے دیکھ لیا تھا جب وہ جنگ میں کام آگیا تو دادی نے کسی سے پوچھا کہ یہ بہادر کون تھا ! اسے بتایا گیا کہ میر احمد عمرخیل صدوزئی منڈر تھا ۔ اور ملک احمد نے اُسے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تمہیں واپس بلا لائے ۔ مگر وہ اس وقت یہاں پہنچا جب کہ جنگ شروع ہو چکی تھی ۔ اور اس وجہ سے وہ تم سے نہ مل سکا اور غنی (غشی) کے ننگ سے مجبور ہوکر وہ بھی جنگ میں کود پڑا اور مر گیا ۔ دادی نے کہا کہ میر احمد پر صد رحمت ہو ، ننگیالی اُسے کہتے ہیں ۔ اس کے بعد دادی بھی تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا ۔ اور بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا ۔ اس کی منگنی ہوگئی تھی ۔ منگیتر رہ گئی ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ سے قبل ایک دن دادی اپنے خسر سے کہیں راستے میں ملا تھا ۔ خسر نے اس سے کہا کہ دادی ! جنگ میں ہوش کی ضرورت ہوتی ہے ۔ بے محل جوش سے کام نہیں چلتا ۔ ہر کام ہوش وحواس میں رہ کر کرنا چاہیے ۔ ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی بیٹھی رہ جائے دادی شرم کے مارے اُسے کوئی جواب نہ دے سکا ۔ اسی وقت انہیں ایک راہ گیر نظر آیا تھا جو انہیں پہچانتا بھی نہ تھا ۔ وہ اپنا دل بہلانے کے

لئے ایک ٹپہ گار ہا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں :۔

ع کہ دنور و نیزے لنڈ وے ؛؛ د دادی نیزه دا لویه
کډهر څو سوار دے ویشی ؛؛ د دادی ورتلهٔ خو بویه

" اگر دوسرے لوگوں کے نیزے چھوٹے ہیں تو کیا۔ دادی کا
نیزہ تو بڑا ہے "

" ہرچند کہ سوار زیادہ ہو جائیں مگر دادی کو تو (جنگ میں)
ضرور شریک ہونا چاہیے "

دادی نے یہ سن کر اپنے خسر سے کہا کہ آپ نے یہ اشعار سُنے ؟
اب آپ فرمائیں کہ میں اپنی ناموری کہاں چھپاؤں جب کہ میرا نام ہر
شخص کی زبان پر ہے ۔ اس نے کہا کہ بیشک حقیقت یہی ہے ۔ جاؤ
خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے نام کو بٹہ نہ لگنے دو جو مقدر میں ہوگا وہ
ضرور پیش آئیگا ۔

غرض یہ کہ جب ملک احمد اور دوسرے یوسف زئیوں کو گگیانیوں
محمدزئی اور یوسف زئی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو بہت دلگیر و غمگین
ہوئے اور ان کی رگِ حمیت و غیرت پھڑک اٹھی تو تخی (خشی) توب
(برادری) کے ننگ کا خیال دامنگیر ہوا ۔

ہر کوئی ملک احمد کو ملامت کرتا تھا کہ آپ تمام تخی (خشی) بلکہ
سڑا ان کے سردار ہیں ۔ گگیانیوں کی رسوائی آپ کی رسوائی ہے آپ نے
ایک ہمزہ کیوجہ سے قوم کے ایسے بہادر ضائع کر دیئے ۔ یہ آپ کے
لئے مناسب نہ تھا اور میر فتح خان، دادی، میر[1] احمد اور مرگین کے عزیز
بھی آکر ملک احمد سے شکوہ شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے
یہ بھائی اور عزیز دلزاک کو ہرگز معاف نہیں کریں گے ۔ اگر آپ اُن کا

[1] میر احمد کی اولاد میر خیل سے مشہور ہیں جو اسوقت مانیری میں آباد ہیں ۔

بدلہ لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم خود دلزاک کے ایسے ہی نامی سردار
قتل کر دیں گے جس کیوجہ سے خود بخود فتنہ کھڑا ہو جائیگا ۔ ملک احمد نے
ان سے کہا آپ ذرا صبر کریں میں بھی اپنے ان بھائیوں اور عزیزوں کو
نہیں بھول سکتا ۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں اور بہانہ ڈھونڈتا ہوں
گگیانیوں کے بہت سردار بھی آئے اور ملک احمد سے فریاد کی ۔ ملک
احمد نے انہیں بھی تسلی دی اور ان کی دل جوئی کی اور کہا کہ اب آپ
لوگ جائیں اور خاطر جمع رکھیں ۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں ان سے
سارے تخی (خشی) کا انتقام لیکر رہوں گا ۔ گگیانی رخصت ہو کر چلے
گئے ۔ ملک احمد شب و روز اسی فکر میں لگا رہتا ۔ بہانہ تلاش کرتا
رہا ۔ دلزاک اس فتح سے اور زیادہ مغرور اور بدمست ہو گئے تھے ۔
توب لاف زنی کرتے تھے ۔ اب انہوں نے یوسف زئی کیساتھ دست
درازی اور بدخصلتی شروع کی ۔ اس وقت یوسف زئی مقام بگیاڑے
میں مقیم تھے ۔ جگہ جگہ ان کے گاؤں آباد تھے ۔ اتفاقاً ایک دن یوسفزئی
کی مستورات بگیاڑے کی ندی پر کپڑے دھو رہی تھیں ۔ کپڑے سکھانے
کیلئے دھوپ میں پھیلا رکھے تھے ۔ اور خود بے حجاب بیٹھی ہوئی تھیں
اچانک دلزاک کا ایک گروہ جو کلپانی سے بگیاڑے گیا ہوا تھا ادھر سے
گزرا ۔ ان میں سے ایک کم ذات نے پردے کی چادر (پڑونے) وہاں
سے اٹھالی ۔ عورتوں نے آواز دی کہ اے کم بخت دلزاک ہمارے پردے
کی چادر (پڑونے) نہ لیجا' واپس دے ۔ اگر تو نے چادر واپس نہ دی
تو یاد رکھ کہ ملک احمد زندہ و پائندہ ہے ۔ یہ چادر تمہارے سروں کے خون
سے رنگ دی جائیگی ۔ اس بدبخت نے گالیاں دیں واہی تباہی بکا اور
کہا، ملک احمد میرا کیا کر لیگا ۔

غرض یہ کہ دلزاک پردے کی چادر لے گیا ۔ سارے یوسف زئی

میں اس بات کی شہرت ہوگئی۔ ملک احمد کو بھی معلوم ہوگیا۔ اُسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا اگر میں نے سارے خونی (خشی) کا بدلہ دلزاک سے نہ لیا تو میں سلطان شاہ کا فرزند نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد اس نے ساری قوم کو بلایا۔ جرگہ کیا اور دلزاک کے کلی استیصال اور بیخ کنی کے فیصلے کے بعد لشکر کی فکر میں لگ گیا۔

کہتے ہیں کہ اُس وقت موسیٰ زئی گگیانی یوسف زئیوں سے اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ ملک حسن بن چنگا اور ملک شبلی ابن توری موسیٰ زئی نے مرزا الغ بیگ کے عہد میں کابل میں یوسف زئی کو قتل کرادیا تھا۔ اب کابل میں تنہا رہ گئے تھے اور دوسرے گگیانی بیچے دوآبہ چلے آئے کسی قدر اتمان خیل ان کے ساتھ کابل میں رہ گئے تھے۔ ترکلانی لغمان میں اور محمد زئی ننگر ہار میں تھے۔ محمد زئی کے قبضے میں اس وقت کوئی ملک نہ تھا۔ پس ملک احمد نے فیصلہ کیا کہ ہر چند موسیٰ زئی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہے مگر اس وقت مصلحت یہ ہے کہ ہم ان کی تقصیر معاف کردیں اور اپنے ساتھ انہیں ملائیں تاکہ خونی (خشی) کی یہ مہم اللہ تعالیٰ کامیاب کردے۔ ان کے علاوہ اتمان خیل، ترکلانی اور محمد زئی کو بھی بلالینا چاہیے کیونکہ ایک بڑی اور عظیم مہم درپیش ہے۔ چنانچہ ملک احمد نے شیخ ملی کو چند یوسف زئی سرداروں کی معیت میں کابل روانہ کیا اور اُن سے کہا کہ جاتے ہوئے پہلے دوآبہ جائیں اور گگیانیوں سے کہہ دیں کہ ملک احمد اور تمام یوسف زئی نے موسیٰ زئی کی تقصیر معاف کردی ہے۔ اب آپ کے چند معززین میرے ساتھ چلیں تاکہ انہیں لے آئیں اور اتمان خیل ترکلانی اور محمد زئی کو بھی لے آئیں اس لئے کہ یہ مہم سب کی مشترک مہم ہے۔

چنانچہ شیخ ملی وغیرہ دوآبے کو گئے اور گگیانیوں کو حالات سے

مطلع کیا۔ گگیانی ملک احمد کے پیغام اور معافی سے بیحد خوش ہوئے اُن کے چند سردار شیخ ملی کے ہمراہ ننگرہار گئے اور محمد زئیوں کو ملک احمد کا پیغام پہنچایا کہ ہمارے ساتھ لشکر کریں چنانچہ محمد زئی نے ان کے ساتھ لشکر کرنا قبول کرلیا۔ ازاں بعد لمغان گئے اور ملک احمد کا پیغام ملک سرخابی بن شیخو سالارزئی اور ملک بلوخان برم شاہ زئی ترکلانی کو پہنچایا اور ان سے لشکر کشی کا تقاضا کیا۔ اس کے بعد کابل گئے اور موسیٰ زئی گگیانیوں کے پاس گئے اور ان تک ملک احمد کا پیغام پہنچایا۔

ہم نے تمہاری ساری خطائیں معاف کردیں اور اپنے سارے خون سے بھی درگزر کیا۔ اب تم پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ آؤ۔ تاکہ سب مل کر خونی (خشی) کے ننگ وناموس کا بدلہ لیں۔

موسیٰ زئی نے جب یہ پیغام سنا تو بیحد خوش ہوئے کہ ملک احمد نے ہمارے گناہ معاف کردیا اور پھر شیخ ملی جیسے معزز آدمی کو ہمارے پاس بھیجا۔ سب نے بالاتفاق اس مہم میں شرکت کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر لیکر روانہ ہوگئے۔ اتمان خیل کو بھی ساتھ میں لیا اور لمغان پہنچے مگر ترکلانی ان کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہوئے۔ لمغان سے ننگرھار آگئے۔ محمد زئیوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اور اطلاع ملتے ہی تیزی سے آکر ان کے ساتھ بگیاڑے میں مقیم ہوگئے

کہتے ہیں کہ اس وقت محمد زئی کا کوئی علیحدہ اور مستقل ملک نہیں تھا۔ دوسروں کے ساتھ تبعاً وطفیلی کی حیثیت سے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ کابل میں گگیانیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور جب گگیانی کابل سے دوآبے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ننگرھار تک یہ بھی ان کے ساتھ تھے مگر پھر یہ ننگرھار میں رہ گئے۔

بگیاڑے سے کاٹھنگ دو تین کرو یعنی ۱۰۰۹ میل کے فاصلے پر

مشرق کی طرف تھا۔ شیخ ملی نے وہاں جاکر ملک احمد سے ملاقات کی اور اس سے کہا کہ بگیاڑے میں ایک عظیم لشکر مقیم ہے۔ کل یہ لشکر یہاں پہنچ جائیگا۔ اس کی مہمانی کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ملک احمد نے فوراً دیہات میں قاصد بھیجے اور حکم دیا کہ کل کیلئے ہر ایک مہمانی کی تیاری کرے۔

اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے گاؤں میں مہمانی کی تیاری کی اور ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ واضح رہے کہ جس وقت شیخ ملی لشکر کی غرض سے کابل گیا ہوا تھا۔ ملک احمد یہاں لشکر اکٹھا کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ چنانچہ سوات، باجوڑ سمہ اور اشنغر کے تمام یوسف زئیوں کو اور اپنے جنبہ داروں اور ہمسایوں سمیت اور اتمان خیل مشوانی، بابیار، وردگ، لوانی، گدون، کناره، راہواشری، رنڑی، بوقی اکاسی، سواتی، شلمانی اور ترلیس وغیرہ سب کو بلا کر کاٹلنگ کے اردگرد اپنے دیہات میں ٹھہرا دیا تھا اور اب شیخ ملی کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنی خلقت جمع ہوگئی تھی کہ خدا ہی ان کا حساب کرسکتا تھا۔ دوسری طرف کاپاڑی کے دلزاک کو بھی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ شیخ ملی کابل میں لشکر اکٹھا کرنے کی غرض سے گیا ہے اور یہاں ملک احمد لشکر جمع کر رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنے آدمی پشاور، پارہزاہ، ماگرداو، نوشہرہ، پچھ، تربیلہ اور دریائے سندھ کے اس پار پیہور، شیردرہ، پنجناد اور دریائے لنڈا کے کنارے تک، بھیجے اور ایک عظیم لشکر اکٹھا کیا اور سب کو شہباز گڑھ کے پہاڑ کے دامن میں "مقام" نامی رود (نالہ) کے کنارے طول طویل علاقے میں ٹھہرا دیا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس زمانے میں دلزاک کے ممالک (علاقے)

بہت زیادہ تھے۔ مگر یہ بیحد شریر، مفسد اور بدمعاملہ لوگ تھے۔ ان کے ہمسایوں میں ایک نسل کے لوگ بھی نہیں تھے اور ان کے حمایتی بھی سب کمینے لوگ تھے، وہ بھی ایک ایک گھر تھا اور ان میں بھی زیادہ تر اہل پیشہ اور اسی قسم کے دوسرے لوگ تھے۔

الحاصل دلزاک کا لشکر یوسف زئی کے لشکر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ اسی بنا پر وہ ازراہِ نخوت وغرور یوسف زئیوں کو گالیاں دینے اور لاف زنی کرنے پر اتر آتے اور یہ طعنے دینے لگے کہ یوسفزئی خوار وزار بے سروسامان کابل سے آئے۔ ہم نے انہیں پالا ملک دیا اور اب ہمارے ہی ساتھ مقابلہ ومقاتلہ پر آمادہ اور لڑنے جھگڑنے کیلئے کمربستہ ہوگئے۔ ہم انہیں ایسا سبق دیں گے کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے اور جس طرح گگیانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا ہے اس طرح انہیں بھی نیست ونابود کردیں گے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں گے۔

لیکن دلزاک نے جب یہ سنا کہ شیخ ملی کابل سے لشکر لے کر بگیاڑے پہنچ گیا ہے تو بہت گھبرائے، انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کل کو یہ لشکر ملک احمد کے لشکر کے ساتھ مل گیا تو اس کا زور اور قوت بے پناہ ہو جائیگی اور پھر اُسے شکست دینا مشکل ہوجائیگا۔ اس لئے صلاح یہ ٹھہری کہ کل علی الصباح ملک احمد کے لشکر پر ہلہ بول کر اُسے ختم کردیا جائے اور جب یہ خبر گگیانیوں کو پہنچے گی تو وہ خودبخود بھاگ کھڑے ہوں گے کیونکہ انہوں نے ہماری کاری ضرب دیکھی ہے۔ چنانچہ صبح کو جب کہ بگیاڑے کا لشکر ابھی اپنی جگہ پر پڑا ہوا تھا اور کاٹلنگ کے لشکر کو بھی کوئی علم نہ تھا۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ بگیاڑے کے لشکر کی مہمانی کے لئے مہمانی کے انتظامات

میں مشغول تھے ۔ دلزاک شہباز گڑھ سے حملہ کی نیت سے روانہ ہوگئے
کہتے ہیں کہ دلزاک اپنے ساتھ بان کی رسیاں بھی کمر میں باندھ
کرے گئے تھے۔ کہ یوسف زئی کو ان میں باندھ کر لائیں گے انہیں یوسف
زئی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ ان کی قوت اور لشکر کو مطلق خاطر
میں نہیں لاتے تھے ۔

اتفاق سے ملک احمد کو بروقت اطلاع مل گئی کہ دلزاک کا لشکر
آرہا ہے ۔ کاٹلنگ کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ پہاڑوں پر چڑھ
گئے ۔ انہیں دور سے بہت سی گرد اڑتی ہوئی نظر آئی وہ سمجھ
گئے کہ واقعی دلزاک کا لشکر آرہا ہے ۔ فوراً پہاڑ سے اتر کر وہ بھی مقابلے
کیلئے تیار ہوگئے ۔ ملک احمد اور شیخ ملی نے بھی فوراً اپنا اپنا لشکر
آراستہ کیا، صفیں درست کیں، پیادوں کو آگے کیا اور سواروں کو ان
کے پیچھے لگایا ۔ اور اس طرح کہ سواروں کے نیزے پیادوں کے پیٹھ
سے لگے تھے ۔ اتمان خیل گائے بھینس کی سوکھی کھالوں کو ڈھال
کی طرح پکڑے ہوئے پیادوں کے آگے آگے چل رہے تھے تاکہ
وہ دشمن کے تیروں سے محفوظ رہیں ۔ اس شان سے آہستہ آہستہ
خراماں خراماں روانہ ہوگئے اور موضع گدر کے مقام پر دونوں لشکر
آمنے سامنے ہوگئے اور تیروں کی جنگ چھڑ گئی ۔ اس وقت دلزاک کے لشکر
کا ہراول دستہ پہنچا تھا اور ٹڈی دل لشکر ابھی پیچھے تھا ۔ اس کے
برعکس یوسف زئی سب یکبارگی پہنچ گئے تھے ۔ انہوں نے مشورہ کیا
کہ اس وقت ہمیں جنگ میں پہل کرنی چاہیے ۔ دلزاک کا لشکر لحظہ
بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا ۔ تا خیر کے ساتھ جنگ لڑنا محال ہوجائیگا ۔ اس پر
دو سو سوار گزر سے پار ہوکر چلے گئے ۔ جن کے سالار سلیم خان ابن مندد
ابن یوبل، سید اور جوکا، ولتک ابن یوبل مندی زئی، دولت زئی کے بیٹے تھے

یہ تینوں شہسوار شجاعت اور بہادری میں رستم وقت تھے ۔ تینوں نے یکبارگی
دلزاک پر حملہ کردیا اور ان کے ہراول دستے کو پیچھے دھکیل کر پسپا کردیا ۔
اس طرف سے باقی لشکر کا ہجوم بھی پار ہوگیا ۔ اس اثنا میں گگیانیوں کا
لشکر بھی جنوب کیطرف سے پہنچ گیا اور ہر طرف سے دلزاک پر ٹوٹ
پڑے اور ان کے سربرآوردہ جنگجوؤں کا منہ پھیر دیا اور پسپا ہونے پر
مجبور کردیا ۔ جب یہ شکست خوردہ لوگ دلزاک کے عظیم لشکر کے
پاس بدحواسی کے عالم میں پہنچے تو اس عظیم لشکر پر بھی خوف طاری ہوگیا
ہر کسی کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑ گئی ۔ وہ تتر بتر ہوکر بھاگنے لگے ۔ ان
میں سے اکثر مخلوق ٹوپی اور تربیلہ چلی گئی ۔ اس کے ساتھ ہی کلپانٹری
سے دریائے لنڈا، پیہور، پنج تار، شیر درہ، شہباز گڑھ اور کرمار تک کے
عوام جنہیں دلزاک نے اپنے دیہات سے جنگ کیلئے جمع کیا تھا سب
اسی دن بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے "منارہ" زروبی چلے گئے ۔
ان کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی ۔

دلزاک پر گویا کہ وہ دن قیامت کا دن تھا ۔ خشی یا خانئی کے
سوار ان کے تعاقب میں منارہ، زروبی تک گئے ۔ قتل و غارت میں کوئی
کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور قیدی بنانے میں بھی کوئی رعایت نہیں کی گئی
تھی ۔ منارے سے اکثر سوار اسی دن اور بعض دوسرے دن کاٹلنگ واپس
پہنچے ۔ خشی کا پیادہ لشکر بھی دو تین کروہ یعنی ۹، ۱۰ میل تک شکست
خوردہ دلزاک کے تعاقب میں گیا ۔ جب تھک کر واپس لوٹا تو ان کے
دیہات پر نازل ہوگیا ۔ دلزاک متمول لوگ تھے اور کوئی بھی اپنا اثاثہ لیکر
نہیں گیا تھا اس لئے لوٹ مار میں بے انتہا دولت اور ساز و سامان
اس کے ہاتھ لگا ۔ تحقیق کہ لوگوں کے گھر بھر گئے ۔

ملک احمد اور شیخ ملی نے ابتدا ہی میں حکم دیا تھا کہ دلزاک

کے غلام اور کنیزیں جس کسی نے پکڑے وہ اُن کے ہو گئے مگر امیں اور آزاد لوگوں کو قید نہ کیا جاتے۔ اس لئے ان کے ڈر کیوجہ سے اکثر لوگوں نے قیدیوں کو راستے ہی میں رہا کر دیا۔ بعض لوگ ان کو گھروں تک لے آئے مگر پھر ملک احمد کے کہنے سے سب کو آزاد کرا دیا۔ بعض افراد کے ہاتھوں خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں لگی تھیں ان میں سے کچھ لوگوں نے انہیں چھپا لیا۔ اور بعد میں ان کو اپنے عقد میں لے آئے۔

ازاں جملہ ایک ملک هندال ابن علی خان اکوزئی خواجوزئی شموزئی کی والدہ تھی جو بیحد حسین وجمیل اور پاکدامن بی بی تھی۔ علی خان نے اُسے قیدی بنا لیا تھا پھر اُسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اُس کے بطن سے علی خان کے چار فرزند پیدا ہوئے جن میں سے ایک موسٰی دوسرا عیسٰی تیسرا هندال اور چوتھا کامران تھا علی خان کی طرح اور بھی کئی لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ خان کجو ابن ملک قرہ اس وقت ایک نوخیز جوان تھا اور اس جنگ میں شریک ایک لشکر کا سردار تھا۔ دلزاک کے تعاقب میں منارے تک گیا تھا۔ اچانک راستے میں باقی خان نامی ایک دلزاک سردار کا سامنا ہو گیا جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھاگا جا رہا تھا۔ باقی خان کی ایک نہایت خوش شکل اور کنواری لڑکی تھی اور جس کیلئے خان کجو نے پیغام بھیجا تھا مگر اس نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جونہی خان کجو پر اس کی نظر پڑی اس نے بلند آواز سے اُسے پکارا اور کہا کہ اے خان کجو! ہم اپنی بدخصلتی کے سبب ذلیل وخوار، تباہ وبرباد اور گھر سے بے گھر ہو گئے اب خدا کے واسطے اپنے لشکر کو روکو ورنہ میری

قوم کے یہ معدودے چند افراد جو بچ گئے ہیں وہ بھی دریائے سندھ میں ڈوب کر ختم جائیں گے اور میری بیٹی جس کے تم طلبگار تھے اور میں نے انکار کر دیا تھا، وہ میرے ساتھ ہے میں اُسے تمہارے عقد میں دیتا ہوں۔ صرف اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ جاؤں تو اس کی رخصتی کر دوں۔

خان کجو نے جب اس کا یہ دل سوز بیان سنا اور اُسے اس مصیبت میں دیکھا تو اُسکا دل پسیج گیا اور انسانی ہمدردی کے جذبے نے اسے بے اختیار کر دیا۔ فوراً اپنے لشکر کو آواز دی۔

"اے میری قوم! بس کرو چھوڑ دو واپس آجاؤ جو ہوا سو ہوا۔ اب ان سے تعرض نہ کرو۔ بہر حال یہ پختون ہیں"

اس کے کہنے پر ہر کسی نے ہاتھ روک لیا اور سارا لشکر وہیں سے واپس آگیا اور دلزاک منارے سے پیہور کے راستے اپنے علاقوں میں چلے گئے اور پشاور کے دلزاک ہزارے واپس آکر دوسرے راستے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو مؤرخ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دریائے سندھ کے پار رہنے والے دلزاک زیادہ قتل ہوئے تھے۔ کیونکہ ہراول دستہ میں زیادہ تر یہی لوگ شامل تھے۔ جنگ میں بھی سب سے پہلے انہوں نے حصہ لیا تھا اس لئے یہی لوگ زیادہ مارے گئے۔ اس جنگ میں زیادہ بہادری اُن دوسو سواروں نے دکھائی تھی جو سب سے پہلے پار گئے تھے۔ خصوصًا سلیم خان ابن معدود ابن پوپل، سید اور جو کا پسران دلک ابن پوپل دولت زئی علی زئی کہ ان تینوں شہسواروں جیسا دادی ابن پوپل کے بعد سارے پختونوں میں کوئی نہیں گزرا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا رستم تھا۔ ان

کے بعد میرا اور پیر علی یعنی میرک ملی زئی الیسوڑئی زئی کے بیٹوں نے بھی اس جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے ۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں پوپل کی اولاد میں نہیں چار صف شکن پیدا ہوتے رہے ۔ البتہ موجودہ وقت میں ایسا کوئی نامور آدمی نہیں ہے مگر بابا ، جو کاکا بیٹا اور پوپل کا پوتا جو سارے ملی زئی (یعنی چغرزئی ، دولت زئی اور نوری زئی) کا سردار تھا اور جس کا سارا جسم زخموں کے نشانات سے بھرا ہوا تھا ۔ پچھلے سال جب کہ ۱۰۳۲ ھ تھا ۔ ناحق رات کی تاریکی میں ملی زئی کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ یوسف زئی بلکہ سارے خنی (خشی) کا یہ دستور تھا کہ لوگ لڑائی کے دن نیک فالی اور نیک شگونی کی خاطر پوپل (پل خیل) کے گھرانے کے آدمی کو آگے کرتے تھے ، اور اللہ پاک فتح و ظفر نصیب فرماتا تھا ۔

خان کجو ملک قرہ کا بیٹا اور بہزاد صدوزئی منڈر کا پوتا جو بچپن کے وقت سے عمدہ اخلاق اور پسندیدہ خصائل کا حامل تھا ۔ انتہائی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے امارت کے آثار اس کی پیشانی میں چمک رہے تھے ۔ اور ہر کسی کو یہ توقع تھی کہ وہ یقیناً اوج کمال کو پہنچے گا اور امارت وصدارت کی کرسی پر متمکن ہوگا جس طرح کہ اس کے والد بزرگوار ملک قرہ ابن بہزاد عالی مرتبت اور بلند پایہ صدوزئی منڈر تھا ۔

چنانچہ ملک احمد اور شیخ ملی کے بعد وہی قوم کا سردار بنا ۔ ملک کجو اہل کنبے کی کثرت اور جنگ جو جوانوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ لوگوں پر بھاری اور غالب تھا اور دولت وثروت کی وجہ سے بھی سارے منڈر میں متمول ترین تھا ۔ اس کی والدہ بڑی عاقلہ ، مدبرہ ، صالحہ اور عفیفہ خاتون تھی جس کا نام مونده تھا ۔ اس جیسی لائقہ و فائقہ دوسری عورت افغانستان میں نہیں گزری ۔ یہ چھ سگے بھائی تھے ۔ ایک مزید

دوسرا میر داد تیسرا خان کجو چوتھا بوبے (بوبی) پانچواں جلو یا جانے جو سوات کی جنگ میں مارا گیا تھا اور چھٹا گگے ، باقی پانچوں زندہ تھے اور ہر ایک ریاست وسیاست میں قابل تھا اور ہر ایک بہت نامور اور معروف تھا ۔ خان کجو اس جنگ کے زمانے میں نوخیز جوان تھا صورت و سیرت اور شجاعت و فراست میں نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ ملک احمد شیخ ملی اور خنی (خشی) کے دوسرے اعیان اس کا نوجوانی میں بھی بیحد احترام کرتے تھے ۔ ہر کام میں اس سے صلاح و مشورہ کرتے تھے ۔ اور اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے ۔ اسی طرح خان کجو بھی ملک احمد اور شیخ ملی کے خلاف مرضی کوئی کام نہیں کرتا تھا ۔ ہر امر میں ان کی تابعداری کرتا تھا ۔ ملک احمد اور شیخ ملی اس سے کہتے تھے کہ اب آپ تمام یوسف زئی کے مستقل سردار بن جائیں اور ہم آپ کے ممد اور معاون ہوں گے ۔ مگر اس نے یہ پیش کش قبول نہ کی ۔

دلزاک کے ساتھ جنگ میں جب اس نے انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے ۔

اس کے بعد خان کجو سارے یوسف زئی سرداروں کے ہمراہ ملک بائی خان دلزاک کے ہاں ہزارہ گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اس کی بیٹی سے عقد نکاح کر کے اُسے اپنے گھر لے آیا ۔ ابراہیم خان جو خان کجو کا جانشین اور اس کا قائم مقام تھا وہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا ۔ پہلی ازواج کی نسبت یہ خاتون خان کجو کی بہت محبوب بیوی تھی ۔

باب (٦)

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم خخی یا خشی میں تقسیم کرنا

معلوم رہے کہ یوسف زئی، گگیانی اور ترکلانی، یہ تینوں خخنے یا خاشی کی اولاد ہیں اور محمد زئی جو اشنغر میں رہتے ہیں، زمند کی اولاد ہیں۔ زمند خشی کا چچا تھا مگر خشی نے اس کی اولاد محمد زئی کو سگے بھائی کی طرح رکھا اور اسی تناسب سے حصہ بھی دیدیا۔

(بحوالہ سعادت نامہ افغانی)

کہتے ہیں کہ جب دلزاک نے جنگ میں شکست کھائی اور بھاگ کر دریائے سندھ کے اُس پار چلے گئے تو اِس پار کا سارا علاقہ اُن سے خالی ہوگیا۔ خخی (خشی) کی ساری قوم کاملنگ میں جمع ہوگئی۔ سب سے پہلے تو ملک احمد نے کابل سے آنے ہوئے لشکر پر توجہ دی، اور اس کے بعد ممالک کی تقسیم شروع ہوئی۔ حصے بخرے لگ رہے تھے۔ اسی اثناء میں محمد زئی کے سرداروں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

سلہ معلوم رہے کہ خخنے، خاشی، خشی اور خخی یہ سب ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں۔

"خان: ہم تو اوگرے (چاول کا بھرا ہوا کاسہ) مانگتے ہیں یعنی ہمیں تو ایسا ملک دیدیں کہ ہم اوگرے سے سیر ہو جائیں"۔

ملک احمد نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اشنغر کا ملک مانگتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ اشنغر میں نے تم کو دیدیا، تمہیں مبارک ہو لیکن تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو خاشی یا خخی (خشی) کا پوتا فرزند سمجھو اور خخی (خشی) کے ہر اچھے بُرے میں شریک ہو ملک احمد کی زبان سے یہ سن کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے، ملک احمد کا شکریہ ادا کیا اور کہا:۔

"خان: بموجب اس کے کہ الانسانُ عبد الاحسان (انسان احسان کا بندہ ہے) ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا جو حکم ہوگا ہم اس کی تعمیل کریں گے اور آپ کے دائرہ اطاعت سے کبھی باہر قدم نہیں نکالیں گے"۔

اس کے بعد گگیانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا:۔

"خان ہم تو پہلے سے دوآبہ میں سکونت پذیر ہیں۔ ہمارا تو ملک ہی وہ ہے، البتہ اب موسیٰ زئی آگئے ہیں۔ ان کی ضرورت کیمطابق ہمیں کچھ ملک اور عنایت فرمائیں"۔

ملک احمد نے ان کی یہ گزارش بھی قبول کرلی اور دوآبہ کے علاوہ نصف باجوڑ، دانشکول سے عنبر، لاشوڑے سمک اور ناوگئی سے چار منگ تک، جو اس سے پہلے خلیل کا حصہ تھا۔ گگیانیوں کو مزید مرحمت کیا۔ اس پر گگیانیوں نے بھی کھڑے ہو کر شکریہ ادا کیا۔ وہ بھی بے انتہا خوش تھے۔ اس کے بعد محمد زئی اور گگیانی دونوں نے ملک احمد سے عرض کیا:۔

"خان یہ ممالک سب آپ نے فتح کئے تھے ان پر ہمارا کوئی حق

نہ تھا مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور اپنی مہربانی سے یہ ممالک ہمیں عطا فرما دیئے تو ہم سب آپ کے غلام ہو گئے۔ اب یہ بقیہ ممالک دیر، باجوڑ، بابقرہ سے جندول اور پنجکوڑہ تک اور سارا سوات، بونیر، چملہ تنول تک اور سارا سمہ نوشہرہ اور سرغ ڈوڈئی، دریائے لنڈا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا پورا ساحلی علاقہ یہ سب آپ کا علاقہ ہے لہٰذا اتمان خیل، گدون، مشوانی، ماہیار، کٹکار، رواڑی، کانسی اور دوسری متعدد اقوام آپ کے ساتھ رہیں اور آپ ہی ان کو ممالک عطا فرمائیں۔"

چنانچہ ملک احمد نے ان اقوام میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حال ممالک (علاقے) عطا کر کے سب کو راضی کیا۔ ہر کوئی اپنا اپنا حصہ پا کر خوش ہو گیا۔ ہر کسی نے دعاء خیر کی اور اس طرح سب رخصت ہو گئے۔

گگیانی دوآبہ اور نصف باجوڑ میں جو انہیں دیا گیا تھا، جا کر آباد ہو گئے اور محمد زئی عجلت کے ساتھ ننگرھار گئے۔ وہاں سے خانہ دار آئے اور اشنغر میں بس گئے اور اشنغر کے یوسف زئی وہاں سے اٹھ کر دوسرے ممالک میں متوطن ہو گئے اور ترکلانی اگرچہ خخی (خشی) کا تیسرا فرزند تھا مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر دلزاک کی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے اس لئے انہیں ملک کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ بہت سالوں کے بعد جب شیخ تیمور کی جنگ بھی ہو گئی تو یہ لوگ لمغان میں سے آ کر باجوڑ میں (خان کجو کے عہد امارت میں) آباد ہو گئے۔ جن کا ذکر اپنے محل میں آ جائیگا۔

شیخ ملی کا انتقال

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ملک احمد کی ریاست کا سلسلہ بڑھتا گیا اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ تمام خخی (خشی)، بلکہ سارا افغان ان کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا اور اس کی ملک گیری کے غلغلے اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اس کے چند سال بعد شیخ ملی کسی مرض میں مبتلا ہو کر موضع غالیگے میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا اور بلوگرام سے مشرق کی طرف تخمیناً دو فرلانگ پر مقام غوربند میں سوات کے دمغار جانیوالی شاہراہ کے شمالی کنارے پر ایک ہموار قطعہ زمین میں مدفون ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے

کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت متدین، متقی، شب بیدار، صائم الدہر شخص تھا۔ وہ جہاں کہیں جاتا خدمت گار وضو کے لئے پانی کا لوٹا ساتھ لئے پھرتا۔ وہ ملک احمد کے تحت سارے یوسف منڈڑ کا مقتدا تھا اور ان کی ہر مصیبت اور ہر مہم میں شریک اور غم خوار تھا۔ تمام دیہات، ممالک، قبیلے اور گھر اس کی تقسیم پر آباد تھے اور ابھی تک اس کی تقسیم یوسف منڈڑ بلکہ تمام خشی و غوریا خیل قبائل میں جاری وساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی زمین کے متعلق یوسفزئی میں کوئی تنازعہ پیش آتا ہے تو غصے میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا یہ تم شیخ ملی سے لکھا لائے ہو۔ یعنی کیا یہ زمین تم کو شیخ ملی نے دی ہے جو دعویٰ کرتے ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ملی کا کیا ہوا بندوبست لوگوں کے نزدیک اب تک مسند ہے اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔

اخوند درویزہ صاحب نے تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھا ہے۔

"شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں ضرورتمندوں کی حاجت روائی دنیاوی لالچ سے کبھی نہیں کی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے کی۔ پس اگر میں اپنے قول میں سچا ہوں تو ممالک کی جو تقسیم اور حدود کے جو تعینات میں نے یوسف زئی اور دوسرے افغان قبائل کے مابین کئے ہیں وہ قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر جھوٹا ہوں تو خدا کرے کہ یہ تقسیم باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے اس قول میں سچے تھے اس لئے آج تک اس کی تقسیم برقرار ہے۔"

تاریخ پشاور مؤلفہ گوپال داس سنہ ۱۸۷۴ء کے فصل سوم از صفحہ ۳۱۰ تا ۳۳۴ میں درج ہے کہ آخر کار خوشبون ابن منڑہ بن کی گیارہویں پشت میں اکازئی سے ایک شخص شیخ ملی نام پیدا ہوا یہ شخص اپنے وقت میں سرکردہ قوم اور معاملہ فہم تھا۔ مردمانِ قوم افغان کو اسکے اقوال و افعال پسندیدہ معلوم ہوتے تھے۔ اکثر لوگ اس کی اطاعت سے روگردان نہ تھے۔ قوم افغان کے خواص و عوام ہمیشہ اپنے گھریلو تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرتے اور فیصلہ جات میں اس کے حکم کو حکم حاکم عادل جانتے۔ اس نے املاکِ اراضی تقسیم کیا۔ اراضی چھ قطعہ پر بانٹ تعیّن حدود کے بعد ہر ایک قطع ہر ایک قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ ہر شش قطعات چھ نام سے موسوم و مشہور ہوئے۔ ملک یوسف زئی، ملک محمد زئی، ملک گگیانی ملک داؤدزئی، ملک خلیل، ملک مہمند اور اسی طرح سے اقوام مذکورہ قابض قطعات مسطور ہیں۔ البتہ تپہ خالصہ اس وقت شامل ملک مہمند تھا اور اب بقبضہ اقوام مختلف قبائل ہے عرصۂ دراز سے قوم مہمند یعنی اصلی مالکان اس زمین کو چھوڑ کر کوہستان میں خارج از ضلع پناہ

مقیم ہوئے۔ چونکہ وہ زمین مقبوضہ سرکار (مغل) تھی، خالصہ نام رکھا گیا۔ تقسیم شیخ مذکور اس قدر معتبر اور مشہور ہے کہ اب تک ہر شش پرگنہ مذکور میں ہر ایک مالک زمین، مملوکہ جدی کو بنام دفتر شیخ ملی یاد میں لاتا ہے اور افغانان بپاس سنت شیخ ملی عامل ہیں۔"

گوپال داس آگے لکھتا ہے کہ۔

"جب قوم افغان یعنی یوسف زئی، گگیانی، محمدزئی، داؤدزئی، خلیل، مہمند علاقہ پشاور میں آکر آباد ہوئے تو ان کے درمیان اراضی منقسم نہیں تھی اور حصص معیّن تھے لہذا آپس میں فتنہ و فساد برپا ہونے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا تو شیخ ملی نے قوم افغان مذکورہ کے مختلف فرقوں، خیلوں کے درمیان دیش یعنی تقسیم اراضی کا مشکل مسئلہ ایسے اصول پر حل کیا کہ آج تک اسی اصول پر فیصلہ جات اراضی ہوتے رہتے ہیں۔ اس موجد نے حیثیت اراضی کو نہیں دیکھا بلکہ ہر ایک خاندان اور قبیلہ کی تعداد کا لحاظ رکھ کر ایسے حصے مقرر کیے کہ قبائل کی نقل مکانی کے باوجود بھی ان حصص میں فرق نہیں آتا۔ ایسی بنا پر دوامی بندوبست کردیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں اٹھتا۔ اس وجہ سے شیخ ملی کا نام افغانی قبائل میں ہمیشہ کے لئے نمایاں رہیگا۔" (تاریخ پشاور)

شیخ ملی موجد تقسیم اراضی ابن پیرک ابن چارسدہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اکازئی اتمان منڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد اور خاندان والے اس وقت مواضعات ٹوپی، مینی، کوٹھا تحصیل صوابی ضلع مردان اور کچھ ضلع ہزارہ میں آباد ہیں۔ آثار سے ظاہر ہے کہ ابتدائی تقسیم میں یہ لوگ علاقہ سوات میں آباد تھے۔ خصوصاً شیخ ملی اور ان کا قبیلہ اکازئی موضع غالیگی میں رہائش پذیر تھا۔ شیخ ملی نے غالیگی میں

وفات پائی اور اراکین جرگہ کے مشورے اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر سوات کے عین درمیانی حصے میں دفن کئے گئے ۔ اِس وقت جب کہ ١٣٠٥ھ ہے ، اُس کی قبر سے مغرب میں موضع بلوگرام اور مشرق میں قمبر گاؤں واقع ہے۔

یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ ملک احمد قائد یوسف زئی کا مزار شریف موضع تھانہ اور اللہ ڈھنڈ ڈھیری کے درمیان بڑے عام راستے (جو سوات کا تہری راستہ ہے) کے کنارے جنوب میں واقع ہے ۔ اور اسی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے جو راستے سے شمال میں واقع ہے ۔ یہ مقام یوسف زئی کا دارالحکومت تھا ۔

یہ بھی واضح رہے کہ پورے قبیلے یوسف زئی میں ملی کے متبرک نام سے آٹھ صاحبان گزرے ہیں ۔

(١) جن میں شیخ ملی ولد پیرک ولد چارسدہ اکازئی جس کی قبر کا ذکر ہو چکا ، ملک احمد حکمران یوسف زئی کا دستِ راست تھا اور مفتوحہ علاقہ جات کو اُس نے تقسیم کیا ہے۔ اُس کی اولاد اسوقت ٹوپی ، مینی تحصیل صوابی و سکنہ جٹو تورہیلہ میں شیخ ملی خیل کے نام سے آباد ہے۔ اور شیخ کا خطاب صرف اُن ہی کو ملا تھا۔

(٢) ایک ملی ولد ملک یوسف ہے جو علاقہ قندھار میں فوت ہو چکا تھا۔ اور اُس کی اولاد اس وقت تپہ بونیر میں ملی زئی کے نام سے سکونت پذیر ہے اور ان کی اولاد نوری زئی ، دولت زئی چغرزئی کے ناموں سے اِس وقت یاد کیجاتی ہے ۔

(٣) تیسرا ملی ولد خواجہ اکوزئی افغانستان میں فوت ہوا ہے اور اُن کی اولاد ریاست دیر میں ملی زئی کے نام سے آباد اور موسوم ہے۔

(٤) چوتھا ملی ولد سالار الیاس زئی ، افغانستان میں فوت ہوا ہے اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے تپہ سالارزئی بونیر میں آباد ہے۔

(٥) پانچواں ملی ولد علی ولد علیم داڑی زئی ، جس کی قبر علاقہ سوات میں بمقام کوڈہ سڑک کے کنارے جانب شمال میں واقع ہے اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے سکنہ اللہ ڈھنڈ ڈھیری علاقہ سوات میں آباد ہے ۔

(٦) چھٹا ملی ولد مبارک (مبارہ خیل) امان زئی ہے ، جس کی اولاد ملی خیل کے نام سے موضع شہباز گڑھی وغیرہ میں آباد ہے ۔ اور اس کی قبر بمقام شاہ ڈھنڈ یار ہوتی مردان سڑک کے مغربی کنارے پر واقع ہے ۔

(٧) ساتواں ملی ولد میر خان حسن خیل شامی زئی خواجہ زئی ، جس کی اولاد تپہ شامی زئی سوات میں ملی خیل کے نام سے آباد ہیں۔ اور اُن کے والد کابل سے ملک احمد خان کے ساتھ آئے تھے اور پیدائش دوآبہ میں ہوئی تھی اور قبر کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں دفن ہیں ۔

(٨) آٹھواں ملی ولد قاسم ولد مُلا خیل (مُلاخیل) شامی زئی خواجہ زئی ہے ، جو بہت کم عمری میں کابل سے ماں کی گود میں آیا تھا اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے تپہ شامی زئی ملاخیل سوات میں آباد ہے۔ لیکن قبر کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں دفن ہے۔

ملک احمد کا انتقال

شیخ ملی کی وفات کے ایک سال بعد ملک احمد نے بھی بتقضائے

الہی انتقال کیا۔ اور سوات میں آلہ ڈنڈ ڈیری اور موضع تھانہ کے درمیان شاہراہ کے متصل اس جگہ جو قدرے نشیب و فراز میں ہے، مدفون ہوئے۔ اللہ پاک اس کی اور سارے مسلمانوں کی مغفرت کرے۔

اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ خخی (خشی) میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں ماتم برپا ہوگیا تھا۔ اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کناں تھا۔ اس جیسا عالیشان اور ممالک گیر شخص اس کے بعد سارے افغان میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا اس کے بعد صرف خان گجو کا نام لیا جاسکتا ہے۔

خان گجو کی سرداری کا آغاز اور غوریا خیل کی ان کے ساتھ کشمکش

مصنف تواریخ افاغنہ خوا جو لکھتا ہے:۔

"ملک احمد کے بہت سے بیٹے تھے (جن کے نام یہ ہیں اللہ داد، میرداد اسمٰعیل اور کیرم داد۔ اور ان کی اولاد اس وقت مواضعات یار حسین یعقوبی، شیر درہ اور کوگا چملہ میں آباد ہے) جن میں سے صرف دو نامور تھے۔ ایک اللہ داد اور دوسرا اسمٰعیل۔ یہ دونوں ملک احمد کی حیات میں جوان ہوگئے تھے مگر ان دونوں میں سرداری کے معاملے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور باہم کینہ و حسد میں مبتلا ہوگئے۔ دوسرے قرابت داروں سے بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کے قابل کوئی آدمی نہ رہا سب آپس ہی میں لڑ جھگڑ کر ختم ہوگئے اس لئے قوم نے آپس میں جرگہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں ایک بھی سرداری کا اہل نہیں ہے۔ انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کو قتل کردیا۔ اب ان میں کام کا کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔ اس لئے ضروری

ہے کہ کوئی ایسا قابل آدمی ہو جسے قوم کی یہ ریاست اور حکومت سونپ دیا سے۔ چنانچہ بہت غور و خوض کرنے کے بعد انہیں خان گجو کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آیا جو قوم کی راہنمائی اور ریاست کے اس منصب کا اہل ہو۔ خان گجو کے بچپن ہی سے بلندگی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ مندڑ کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی وہ سب پر فائق تھا۔ اس کے عزیز واقارب بھی سب سے زیادہ تھے اور سب دولت مند اور مرد میدان بھی تھے، اس لئے سب لوگوں نے بالاتفاق اسے مسندِ ریاست تفویض کردی اور "خان" کے لقب سے ملقب کردیا۔ خواص و عوام سب اسے خان کہتے تھے۔ چونکہ وہ لائق و قابل تھا اس لئے اس کا کام دن بدن ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بام ترقی کو پہنچا اور تمام اھالیان پختونخوا اس کے مطیع و منقاد ہوگئے جس کا ذکر اپنے محل میں آجائیگا۔

اسی تاریخ سے ملک تاج الدین مندڑ کے گھرانے سے سرداری نکل گئی اور اس کی اولاد نے اپنا آبائی اور جدی مقام کھو دیا۔ اگرچہ اب بھی اس گھرانے میں بعض نامور لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ان میں سودا نامی ملک زیور کا بیٹا بڑا معزز اور معتبر آدمی ہے اور آج جب کہ ١٠٣٢ھ ہے سودا حیات ہے۔ اسی طرح ملک احمد کے چچازاد بھائی شاہ منصور کی اولاد میں سے بھی چند آدمی نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں ہندوستان میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ جب خان گجو مسند ریاست اور امارت پر متمکن ہوا تو ممالک مقبوضہ کی حفاظت اور بلادِ مفتوحہ کی حراست اور ملکی امور کے انتظام اور عوام الناس کے بندوبست میں ملک احمد سے فائق اور لائق ثابت ہوا اور ملک پختون خوا کے سارے باشندے، دہگان،

گوجر، نیلابی، سواتی، گبری، تنولی اور کوہستانی کافر سب اس کے مطیع و تابع فرمان ہوگئے۔

اس کے عہد امارت میں ملک بہت آباد و خوشحال ہوگیا۔ رعیت اور لشکر بھی ملک احمد کے وقت سے زیادہ ہوگیا۔ چنانچہ ہر کسی کے پاس ایسے اچھے اچھے سامان، اچھے اچھے ہتھیار اور بہترین گھوڑے موجود تھے۔ جو کہ امیروں اور بادشاہوں کی سرکار کے لائق ہوں، اور یہ بات تمام عالم میں مشہور تھی کہ خان کجو کے زمانے میں یوسفزئیوں میں ایک لاکھ نیزے تھے۔ یعنی ایک لاکھ سوار و پیادہ نیزہ باز تھے۔

کہتے ہیں کہ بعض مہمات میں خان کجو نے یوسف زئی، گگیانی، محمدزئی، ترکلانی اور اپنے توابع میں سے اتمان خیل، گدون، کمنارہ، گبری، مہیار، ماندوری، بڑمیچ، وردگ، رواڑی، کانسی، سرکاڑی، ابدال، ترین، مشوانی، کاکڑ، پنی، شیارزی، لونی یالوانی، تورانی، ردغانی خٹک اور دھگان اقوام سواتی، مترادی، اوان اور گوجر وغیرہ سے لشکر اکٹھا کیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ ہوگیا۔ یہ بغیر اس کے کہ ہزارہ کے دلزاک اور مانگڑاؤ، ترہیلہ اور حسن ابدال وغیرہ کے لوگ نہیں آئے تھے۔ حالانکہ اگر ان کو طلب کیا جاتا تو وہ بھی ضرور حاضر ہوتے اور لشکر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوجاتی۔"

شیخ تپور کی جنگ

خان کجو نے جو مشہور جنگیں لڑی ہیں ان میں سے ایک مشہور جنگ شیخ تپور کی جنگ ہے۔ یہ جنگ غوریاخیل سے لڑی گئی تھی۔ شیخ تپور پشاور شہر کے قریب شمال میں دریائے کابل کے قریب واقع ایک مشہور و معروف مقام تھا۔

اس جنگ کے متعلق خواجو مؤرخ لکھتے ہیں کہ:-

"خان کجو کے عہد میں ایک حادثے کے بعد داؤدزئی اپنے متعلقین یعنی مہمند و خلیل کے لوگوں سے موضع ترنگ، تلات، مقر اور قرہ باغ سے جو غوریاخیل کا اصل وطن ہے ہجرت کرکے یوسف زئی کے علاقے میں آگئے اور خان کجو اور دوسرے یوسف زئی سرداروں کے سامنے اپنا عجز اور پریشانی ظاہر کرکے اپنی معاش اور آبادی کیلئے ایک علاقے کی استدعا کی۔ خان کجو وغیرہ نے ان کی یہ التماس قبول کرلی اور کلپانڑی اور بگیاڑے کے نواح میں چند دیہات جو زراعت کے قابل اور زرخیز تھے انہیں دے دیئے۔ یہ اس میں آباد ہوگئے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مہمند اور خلیل کے لوگ بھی ایک واقعے کے بعد اپنے وطن سے بے وطن ہوکر پشاور آگئے اور انہوں نے پشاور کا علاقہ مرزا کامران ولد ظہیرالدین بابر بادشاہ کی مدد سے دلزاک سے خالی کرالیا تھا۔ اور داؤدزئی قرابت اور مودت کے خیال سے کلپانڑی اور بگیاڑے سے اٹھ کر پشاور میں ان کے ساتھ ہی سکونت پذیر ہوگئے۔

اس جنگ کا منشا اس طرح تھا کہ جب خلیل اور مہمند کے لوگ اپنے اصل وطن سے پشاور آگئے تو اس وقت پشاور اور اس کے مضافات میں دلزاک آباد تھے۔ دلزاک بڑے غالب اور توانا تھے۔ انہوں نے ان کی معاش کیلئے کوئی علاقہ نہیں دیا۔ دلزاک ہمیشہ مہمند اور خلیل کے حالات میں مزاحم ہوتے تھے۔ آخر مہمند اور خلیل کے لوگ جنہیں غوریاخیل کہتے ہیں، مجبور ہوکر کابل میں مرزا کامران کے پاس ان کے ظلم و ستم کی شکایت لیگئے۔ مرزا کامران نے ان کی شکایت سنی اور ان کی مدد کیلئے ایک بڑست

فوج کے ساتھ ان کے ہمراہ پشاور آیا اور دلزاک پر قہر خداوندی
بن کر نازل ہوگیا۔ چنانچہ اس جنگ میں اکثر دلزاک قتل ہوگئے اور جو
بچ گئے وہ فراری ہوکر جالنقرا اور تومیزی کے پہاڑوں کے راستے
دریائے سندھ کو عبور کرکے ہزارہ اور مانگراؤ کے دلزاک کے ساتھ
متوطن ہوگئے اور غوریاخیل دلزاک کی جگہ پشاور میں آباد ہوگئے۔
چونکہ پشاور شہر شاہراہ پر واقع ہے اور اسی راستے سے تمام کاروان
بالا وپایاں جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ اُن سے محصول اور ٹیکس وصول
کرتے تھے۔ اور ملک بھی بہت زرخیز اور آبی تھا، فصلیں اور پیداوار
اچھی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ سوداگری بھی
کرتے تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں دولت مند ہوگئے اور
تعداد میں بھی بڑھ گئے۔ انتہائی غلبہ اور شوکت حاصل کی خصوصاً
خلیل نے بڑا اوج حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں مہمند اکثر ننگرھار
میں مقیم تھے۔ اور خلیل سب کے سب زیریں پشاور میں آباد تھے اور علی
وجہ الاستقلال والانفراد پشاور خلیل کا تھا پشاور سے ڈکہ، گڑھی، آخوند
جانقرا، بیلاب، نوشہرہ، شیخ تپور اور دوآبے تک سارے علاقے
خلیل کے قبضے میں تھے۔ بلکہ تمام غوریاخیل کا ملک بازید ابن محمود
خلیل اسحاق زئی، محمد زئی، جلیلے زئی، مالی زئی تھا جو بڑا عالی مرتبہ
ملک تھا اور نصیرالدین ہمایون بادشاہ کو بڑا عزیز تھا۔ سب لوگ اس
کے فرمانبردار تھے۔ خلیل قوم بھی سب صاحب جمعیت ہوگئی۔ اچھے
اچھے لباس پہنتے، انواع واقسام کے کھانے اور پکوان ان کے یہاں پکتے
تھے۔ ان کے طبیلے گھوڑوں سے بھرے رہتے تھے۔ ہر شخص خوانین
اور اُمراء جیسی زندگی گزارتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں عیاشی بھی پیدا
ہوگئی تھی۔ سارے پختونوں میں ان جیسے عیاش لوگ دوسرے نہیں

تھے۔ بذل وسخا، ایثار وبخشش اور آدمیت ومروت بھی ان
میں دوسروں سے زیادہ تھی۔ ہر شخص رستم صفت اور یوسف صورت
تھا۔ جب چند برس اس شان سے گزر گئے اور اُن کا زور اور قوت
کمال کو پہنچ گئی تو قدیمی عداوت نے اُن کا دامن کھینچا اور یوسفزئی
کی وہ پرانی عداوت جب کہ ہندوراج کے اوائل میں باجوڑ کے
درے میں یوسف زئی نے خلیل کو قتل کیا تھا، اُن کو یاد آئی اس
نے یوسف زئی کے ساتھ بدخصلتی کا آغاز کیا۔ بدی کو اپنا شعار
بنا لیا، کاروانوں اور مال واسباب پر دست درازی کرنے لگے۔
اور ہندو راج کی بُرائی یاد دلاتے رہتے، خصوصاً جب جاڑوں
کا موسم آجاتا اور دریا پایاب ہوجاتے تو اُن کے سوار رات کو
نکل کر دریاؤں کے پار مالاکنڈ کے آس پاس جاکر نالوں اور
غاروں میں چھپ جاتے تھے۔ جب صبح ہوجاتی تھی تو بہرام ڈھیری
کودی تنگہ، ڈرئی، گڑئی۔ پشاؤ اور دوسرے نواحی علاقوں سے
مال اٹھاکر اور مویشیوں کو ہانک کرلے آتے۔ اسی طرح ان کے
پیادے بھی جاتے اور مالاکنڈ، سلطان شہئی، کاجگلہ اور اس
کے گرد ونواح کے پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ سارا دن
اسی طرح سے گزار کر شام کے وقت کوئی لکڑہارا یا گھاس کاٹنے
والا مل جاتا تو اس کو قید کرکے پشاور لے آتے۔ اس طرح
کلپانی اور بگیاڑے پر شب وروز دھاوے بولتے اور شب
خون مارتے۔ رات دن ان پر ایک کردیا تھا اسی طرح گڑھی اور
خیبر کے راستوں کی بھی ناکہ بندی کرتے تھے جن پر سے یوسف زئیوں
کے کاروان اوپر نیچے آتے جاتے تھے۔ یہ لوگ ان پر تاخت کرکے
انہیں لوٹ لیتے تھے۔

اتفاق سے ایک دن یوسف زئی کا ایک کارواں اوپر کابل جارہا تھا۔ جب وہ خیبر کے سر پر میں پہنچا خلیل نے اُسے لوٹ لیا اور دو خوبصورت نوجوانوں کو قصداً و عمداً قتل کر دیا۔ یہ دونوں نوجوان میرستم کے سگے بھائیوں اور عمران سیدو ابن تاڑی یوسف زئی اکوزئی اباز‏ئی کے بیٹے تھے۔ تاڑے کا گھرانہ یوسف زئی میں بہت ممتاز اور نمایاں تھا۔ عمر اس زمانے میں نامی گرامی اور بڑا مشہور ملک تھا اس کے بعد میر رُستم اباز‏ئی کا نامور ملک تھا اور موجودہ وقت میں میر رستم کے دونوں بیٹے کمال خان اور جلال خان اباز‏ئی کے ملک ہیں اباز‏ئی ابتدائی زمانے سے اشنغر کے سرے پر آباد ہیں۔ ملک تاڑی کے وقت سے دونوں اباز‏ئیوں کے درمیان (یعنی باڑوان سے اشنغر تک) کا یہی سارا علاقہ ان کا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ قافلے والوں نے ان دونوں نوجوانوں کی لاشیں لاکر اشنغر میں ان کے باپ کے ہاں پہنچا دیں۔ باپ نے ان پر بہت جزع فزع اور ماتم کیا۔ پھر انہیں دفن کر کے بعد ان کے خون آلود کپڑے لیکر خان کجو کے پاس منارے گیا۔ خان کجو اس وقت لوڑہ منارہ میں مقیم تھا۔ کیونکہ دلزاک کے استیصال کے بعد سارے ہزارخیل یہیں مقیم ہوگئے تھے۔ عمر نے اپنے بیٹوں کے وہ خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیئے اور بہت آہ و نالہ کیا اور خلیل کے تعدی اور ظلم کو بیان کیا۔ خان کجو اُس کی داستانِ مظلومی سن کر بے حد دل گیر ہوا اور خلیل کے ظلم و شرارت پر سخت مشتعل ہوا مگر از راہِ مصلحت ضبط و تحمل سے کام لیا اور عمر سے کہا کہ عمر! جو کچھ کہتے ہو بجا کہتے ہو۔ تم پر بے حد ظلم ہوا ہے۔ تمہارے تو جگر گوشے تھے مگر مجھے بھی وہ اپنے بیٹوں سے کم عزیز نہیں تھے۔ مجھے اُن کے

قتل سے جو دکھ پہنچا ہے کوئی اور اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ بارے صبر اچھی چیز ہے۔ دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔ خلیل چونکہ بڑی قوت والے لوگ ہیں۔ اگر میں فوراً اُن پر لشکر کشی کردوں اور اپنا انتقام نہ لے سکوں تو ہماری بڑی خفت ہوگی کیونکہ گگیانی اور محمدزئی خلیل کے ساتھ ساتھ ان کی سرحد پر آباد ہیں۔ معلوم نہیں وہ جنگ میں سچائی اور خلوص کے ساتھ ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ بس اس کا علاج یہ ہے کہ فی الحال صبر و ضبط سے کام لیں۔ خلیل شریر اور فتنہ انگیز لوگ ہیں، آج نہیں تو کل گگیانیوں اور محمدزئی پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس طرح وہ خود بخود اُن کے دشمن ہوجائیں گے اور مجھ سے مدد کیلئے التجا کریں گے۔ اس وقت میرا داؤ اُن پر چل جائیگا۔ مجھے ایک بہانہ ہاتھ آجائیگا۔ اس وقت میں خلیل پر سارے ششی (خشی) کا لشکر ڈال دوں گا اور اُن سے تمہارے بیٹوں کا خاطر خواہ انتقام لوں گا اس طرح خان کجو نے عمر کی دل جوئی کی اور اُسے تسلی و دلاسا دیکر واپس بھیجا۔ خلیل اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ یوسف زئیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ خان کجو کے پاس اکثر ان کے ہاتھوں ستائے ہوئے فریادی آتے تھے۔ اس کا قہر و غضب بھی دن بدن بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب یہ لوگ مرزا کامران کو کابل سے لائے تھے تو ان کے مقاصد میں یوسف زئیوں پر تاخت بھی شامل تھا۔ چنانچہ سرما کا موسم تھا یہ مرزا کامران کے لشکر کیلئے پشاور اور اشنغر کے دریاؤں میں پایاب جگہیں معلوم کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ یوسف زئی اس حال سے آگاہ ہوگئے تھے اور جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ بھی تھے مگر مشیت الٰہی کچھ اور تھی۔ کابل

میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ مرزا کامران کو اُلٹے پاؤں پشاور سے کابل جانا پڑا جس کی وجہ سے خلیل کا مقصد پورا نہ ہوا اور اُن کے دلوں کی حسرت دلوں ہیں رہ گئی۔

الغرض تھوڑے عرصے بعد ملک محمد خان بن سلطان بن احمد بن یعقوب گگیانی جو بڑا متدین، متشرع، بڑا منتظم اور مرجع خاص وعام تھا۔ کسی کام سے پشاور گیا تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ملک بازید بن محمود کی مسجد میں گیا۔ امام کے پیچھے نیت باندھ کر نماز کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اسی وقت بار کے نام ذکریا زئی اور دلی نام ذکریا زئی دونوں گئے اور عین نماز ہیں قیام کی حالت میں بلاوجہ پیچھے سے چھری کا وار کرکے شہید کردیا۔ اس کے بیٹوں کو واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ جاکر ان ہی خون آلود کپڑوں میں والد کی نعش کو وہ آپے لے آئے اور دفن کردیا۔ یہ اندوہ ناک واقعہ گگیانیوں کیلئے بڑا ناقابل برداشت ثابت ہوا۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت تمام گگیانیوں کا سردار ملک شیخو بن خواجو خوبی زئی تھا۔ سارے گگیانی اس کے مطیع تھے۔ نصیرالدین ہمایون بادشاہ بھی اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ملک شیخو نے ملک محمد خان شہید کے بیٹے کو باپ کے خون آلود کپڑوں کے ساتھ خان الخوانین خان کجو کے پاس روانہ کردیا اور ملک خواجو بن حیرے لالہ زئی اور ملک آدم بن محمد علی بن شمو لالہ زئی دو نامور اور معتبر ملکوں کو اس کے ساتھ بھیجا۔ یہ تینوں پہلے اشتغر گئے۔ ملک خضر خان بن نصرت خان[۱] ملک بیگی بن بادام خان محمد زئی کو تمام حالات بتائے اور استغاثہ پیش کیا۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے خان کجو کے پاس جائیں کیونکہ وہ سارے خخی (خشی) کا خان ہے

[۱] نصرت خان وبدام خان پسران بارک شاہ کی اولاد مرشع تنگی اشتغر میں نصرت زئی وبدوزئی کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ مہم اسی کے اقبال سے انجام کو پہنچے گی۔

یہ تینوں وہاں سے روانہ ہوکر خان کجو کی خدمت میں گئے، اور ملک محمد خان کے خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیئے اور خلیل کے ظلم وتعدی کی داستان سنائی۔ خان کجو بہت غمگین ہوا۔ ملک محمد خان کے قتل کا سنا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس کے بعد ان سے کہا کہ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا اور ضروری ہوگیا ہے کہ خلیل کے ظلم وتعدی کا ہاتھ توڑ دیا جائے۔ یہ میرا فرض ہے، انشاءاللہ ان کا انتظام کروں گا۔ آپ یہ کپڑے اسی طرح لے کر ملک سرابدال نیکبی خیل اور ملک بارا خان بن موسیٰ بائی زئی اکوزئی کے پاس جائیں اور فریاد وزاری کریں تاکہ وہ بھی فکر میں لگ جائیں۔

چنانچہ یہ تینوں حضرات روانہ ہوکر ملک بارا خان اور ملک سرابدال کے ہاں گئے۔ وہ کپڑے ان کے آگے ڈال دیئے اور خلیل کے ہاتھوں ظلم وستم کی داد وفریاد کی۔ یہ دونوں بھی بہت متاسف ومتألم ہوئے اور ان سے کہا کہ اب آپ جائیں اور بے فکر رہیں۔ یہ ہماری مہم ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس سلسلے میں ضرور کچھ کریں گے۔ آپ لوگ بھی لشکر کی فکر میں لگ جائیں ہم بھی انشاءاللہ بڑی عجلت سے آرہے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ملک خضر خان محمد زئی اشتنغری محمد زئی کا سردار اور قوم کا سربرآوردہ تھا۔ نہایت عالی رتبہ، صاحب شوکت اور بڑا مدبّر تھا۔ اور سارے محمد زئی اس کے فرمانبردار تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد سعید خان بھی اس کی طرح بڑے اقتدار کا مالک تھا اور محمد سعید خان کے بعد ہر دور میں اس کی اولاد میں بڑے بڑے نامور سردار پیدا ہوئے جو سارے محمد زئی کے امیر ومقتدا بنے۔ ملک بیگی

بن بہرام بھی ملک خضر خان کے ماتحت صاحب حکم اور قوت و حشمت کا مالک تھا۔ ملک سرابدال ابن موسیٰ ابن نیک پی یوسف زئی اکوزئی خواجہ زئی شیخ سیناکا بھتیجا بھی خان کجو کا مقابل تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ خان کجو منڈڑ کا سردار تھا اور ملک سرابدال یوسف کا۔ لیکن شروع ہی سے یوسف و منڈڑ بلکہ سارے تخی (خشی) کی سرداری منڈڑ کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے خان کجو خانِ خانان تھا اور اس کے بعد ملک سرابدال کا مقابل سارے سترہ بن میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ ملک سرابدال کے خاندانی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی البتہ اُم ولدہ (غیر افغان بیوی) سے ایک بیٹا متولّد ہوا تھا جس کا نام بخشی تھا، جو نہایت حسین اور خوبصورت تھا۔ اس کی اولاد اب تک باقی ہے۔ اور شیخ سینا ملک سرابدال کا چچا یوسف زئی کے اعاظم اولیا اور مشائخ کبار میں سے ایک تھا۔

ملک بادا خان ابن موسیٰ سوپل اکوزئی بائی زئی بھی بڑا عالی مرتبہ سردار تھا۔ یہ میر فتح خان کا بھائی تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ ملک بادا خان اپنی قوم میں بڑا ممتاز تھا۔ تلوار کا ایسا دھنی تھا کہ جنگ کے دوران میں ملک احمد کے حکم سے اس کے گھوڑے کی دوطرفہ لگام پکڑی جاتی تھی کیونکہ یہ بڑا زور آور اور غصّہ ور شخص تھا۔ موقع اور محل کو نہیں دیکھتا تھا۔ دشمن اگر ہزار کی تعداد میں ہوتا تب بھی اس کو پرواہ نہ ہوتی تھی بلکہ وہ تنہا اُن پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ یہ کلپانڑی میں سکونت پذیر تھا اور غلہ ڈھیر کے قریب اس کا بہت بڑا بازار تھا۔ شرغ وڑئی کے دریائے لنڈا کا گھاٹ بھی اسی کا تھا جس کا محصول اس کے یہاں آتا تھا۔ بہت بوڑھا ہوگیا تھا کلپانڑی میں فوت ہوا، وہیں اس کی قبر ہے۔ اس کی اولاد ابھی تک

لہ۔ خوڑی کو اس وقت ٹوڈہ منڈ کہتے ہیں۔

علاقۂ یوسف زئی موضع کھوڑ سوات میں موجود ہے۔ سب صاحبِ وقار ہیں۔ سلیمان نامی اس کا ایک بیٹا ۱۰۳۲ھ تک حیات ہے۔

قصّہ مختصر یہ کہ ملک خواجو گگیانی وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد خان کجو نے یوسف اور منڈڑ کے سرداروں کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور ایک خاص مقام پر انہیں طلب کیا۔ چنانچہ خان کجو کے آدمیوں کے پہنچتے ہی ملک بادا خان، ملک سرابدال اکوزئی اور خدائے داد بن یارے ابن میر احمد صدوزئی منڈڑ جسے لوگ بادشاہ کہتے تھے، ملک بین ابن خدائے داد تاجو خیل صدوزئی منڈڑ جو خان کجو کے بعد صاحبِ جرگہ تھا، وغیرہ اور دوسرے بہت سے سردار بھی مقررہ جگہ پر خان کجو کے پاس آکر حاضر ہوگئے۔

آپس میں صلاح و مشورہ کیا اور کہا کہ غوریا خیل بہت زور آور لوگ ہیں اور ساتھ ہی اُن کا مُلک ہم سے دور بھی واقع ہے۔ مہم بہت کٹھن ہے اس لئے یوسف زئی، محمدزئی، ترکلانی اور گگیانی چاروں قبیلوں کا ایک مشترک لشکر تیار کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اُن کی طرف بڑھیں۔ مگر یہ بھی لازم ہے کہ پہلے ہم لشکر کا اہتمام کریں اور اشنغر جاکر مقیم ہوجائیں۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کا لشکر از خود ہمارے پیچھے آکر اکٹھا ہوتا رہیگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کوئی اپنے گھر والوں کو ساتھ لے چلے تاکہ جنگ میں کوئی حیلہ سازی نہ کرسکے اور جو توابع لوگ ہیں خواہ اصیل ہوں خواہ غلام، خواہ سادہ خواہ شریک سب لشکر میں شریک ہوں۔ اگر کوئی نہ گیا اور اپنے آپ کو لشکر میں شریک ہونے سے بچایا تو اس کا خیل خانہ تاراج کردیا جائیگا۔ اور ہر ایک سردار اپنے وابستگان و متعلقات لشکر کے مناسبِ حال اخراجات و سامانِ ضرورت اپنے ہمراہ لیجائے۔

چنانچہ سب نے اس فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ خان کجو، ملک سرابدال، ملک بارا خان، ملک بین اور ملک خدائے داد، بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لیکر کوچ کیا اور کلپاٹری میں جاکر ڈیرے ڈال دیئے اور خیمے اور شامیانے کھڑے کر دیئے۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ موضع کلپاٹری میں آکر اُن کے ساتھ مقیم ہوجاتے تھے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہوگیا، اور اتنا بڑا لشکر تیار ہوگیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو۔ یہاں سے خان کجو نے محمد زئی، گگیانی، ترکلانی، اتمان خیل، گدون، مشوانی اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور اشتغر پہنچ جائے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جرگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک جوکا بن کرہ ملی خیل اور کریم داد بن مستاقی ایوب خیل الیاس زئی سالار زئی دونوں نامور سردار بھی موجود تھے۔ دونوں نے اس وقت خان کجو اور ملک سرابدال سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو الیاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزان شاہ ابن سلطان اُویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تین چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلوار کے زور سے بچائے۔ قزان شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ داؤ لگائے بیٹھا ہے، اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کر دیگا۔ اس لئے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کر دیا جائیگا۔

خان کجو اور ملک سرابدال نے اُن سے کہا کہ اچھی بات ہے۔

تمہاری خدمت یہی ہے کہ تم قزان شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو اگر ہم بخیریت واپس آگئے تو اُن سے بھی نمٹ لیں گے۔ البتہ کرم علی ابن فتح خان ہوتی خیل الیاس زئی سالار زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کر دو تاکہ غوریا خیل دلاور نہ ہوجائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ الیاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اتفاق سے کرم علی وہیں موجود تھا اُسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ کر دیا اور باقی الیاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ کرم علی بہادری میں سید، جوکا، پوپل خیل دولت زئی ملی زئی کا ہم پلہ تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحبِ دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزان شاہ، سلطان اویس ابن سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا۔ یوسف زئی کے غلبے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل درویش خیلہ، باز خیلہ، چندہ خورہ اور سوق گلی تک الیاس زئی کے دیہات آباد تھے یہ سارے گاؤں قزان شاہ سے متصل تھے، یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ جب خان کجو غوریا خیل کی مہم پر نکلا تو قزان شاہ کو موقعہ مل گیا وہ فوراً کاشغر (چترال) گیا کیونکہ کاشغر اس کے قریب تھا وہاں سے ایک زبردست لشکر لے آیا۔ کاشغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے الیاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک جوکا سالار زئی کے گاؤں دیولتی پر دھاوا بول کر اُسے تاراج کر دیا۔ پھر چندہ خورے جاتے ہوئے جو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد الیاس زئی کے دھاوے

چنانچہ سب نے اس فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ خان کجو، ملک سرابدال، ملک بارا خان، ملک بین اور ملک خدائے داد، بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لیکر کوچ کیا اور کلپاڑی میں جاکر ڈیرے ڈال دیئے اور خیمے اور شامیانے کھڑے کر دیئے۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ موضع کلپاڑی میں آکر اُن کے ساتھ مقیم ہوجاتے تھے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہوگیا۔ اور اتنا بڑا لشکر تیار ہوگیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو۔ یہاں سے خان کجو نے محمد زئی، ہنگیانی، ترکلانی، اتمان خیل، گدون، مشوانی اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور اشنغر پہنچ جائے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جرگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک جو کا بن کرہ ملی خیل اور کریم داد بن مستانی ایوب خیل الیاس زئی سالار زئی دونوں نامور سردار بھی موجود تھے۔ دونوں نے اس وقت خان کجو اور ملک سرابدال سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو الیاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزان شاہ ابن سلطان اُویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تین چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلوار کے زور سے بچائے۔ قزان شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ داؤ لگائے بیٹھا ہے، اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کردیگا۔ اس لئے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کر دیا جائیگا۔

خان کجو اور ملک سرابدال نے اُن سے کہا کہ اچھی بات ہے۔

تمہاری خدمت یہی ہے کہ تم قزان شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو اگر ہم بخیریت واپس آگئے تو اُن سے بھی نمٹ لیں گے۔ البتہ کرم علی ابن فتح خان ہوتی خیل الیاس زئی سالار زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کردو تاکہ غوریا خیل دلاور نہ ہوجائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ الیاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اتفاق سے کرم علی وہیں موجود تھا اُسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ کردیا اور باقی الیاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ کرم علی بہادری میں سید، جو کا، پرپل خیل دولت زئی ملی زئی کا ہم پلہ تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزان شاہ، سلطان اویس ابن سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا۔ یوسف زئی کے غلبے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل درویش خیلہ باز خیلہ، چندہ خورہ اور سوق گلی تک الیاس زئی کے دیہات آباد تھے یہ سارے گاؤں قزان شاہ سے متصل تھے، یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ جب خان کجو غوریا خیل کی مہم پر نکلا تو قزان شاہ کو موقعہ مل گیا وہ فوراً کاشغر (چترال) گیا کیونکہ کاشغر اس کے قریب تھا وہاں سے ایک زبردست لشکر لے آیا۔ کاشغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے الیاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک جو کا سالار زئی کے گاؤں دیولتی پر دھاوا بول کر اُسے تاراج کردیا۔ پھر چندہ خورے جاتے ہوئے جو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد الیاس زئی کے دھاوے

بھی ہر طرف سے نکل گئے ۔ اور سید ابن دلنک پوپل خیل دولت زئی ملی زئی کے گاؤں پنج گرام (پنجی گرام) پہنچے ۔ پنج گرام الیاس زئی کے قریب آباد تھا۔ سید بذاتِ خود بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے قزان شاہ کے لشکر کو شکستِ فاش دی۔ قزان شاہ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اس نے اُس کا تعاقب کیا۔ یہاں تک دسوکر کی چوٹی سے اُسے پار کر دیا۔ اس طرف ان کی حد تھی۔ الیاس زئی کے دیہات سے جس قدر آدمی پکڑ کر اور سامان لُوٹ کر لیگئے تھے سب اُن سے چھین لائے اور اُن کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

اس کے ایک ماہ بعد بہار کا موسم شروع ہوا۔ بسندور (بسنت) آیا۔ بسندور کفار کا ایک تہوار ہے جس میں وہ مسلمانوں کی عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں۔ جب بہار کا موسم آتا ہے ہر طرف پھول کھلے ہوتے ہیں۔ ہر مرد، عورت عیش و عشرت کا سامان تیار کرنے لگتا ہے۔ ہاتھوں میں مہندی رچاتے ہیں، نفیس لباس پہنتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں اور سیر و تفریح کے لئے صحرا کی طرف نکل جاتے ہیں۔

ملک بجوکا نے قزان شاہ کیلئے جاسوس مقرر کئے کہ وہ بسندور منانے کا دن اور موقعہ و محل معلوم کریں کہ وہ کس مکان میں جائے گا اور عیش و عشرت کرے گا۔ جاسوس اس کے بسندور کا دن اور مقام عیش و عشرت معلوم کر کے واپس آگئے۔ ملک بجو نے عجلت کے ساتھ الیاس زئی کا ایک زبردست دھاڑا تیار کیا اور راتوں رات جاکر اس مکان کے چاروں طرف نالوں اور کھڈوں میں چھپ گئے۔

جب صبح ہوئی تو قزان شاہ بے کھٹکے دل جمعی کے ساتھ اپنے

خاص مطربوں کی معیت میں اس مکان میں جا اُترا، مگر ابھی اترا بھی نہیں تھا کہ چاروں اطراف سے الیاس زئی ان پر ٹوٹ پڑے، تیروں کے وار کر کے اُسے قتل کر دیا اور سر کاٹ کر گھر لے آئے۔ دوسرے دن قزان شاہ کا سر لیکر لشکر کے ساتھ خان کجو کے پاس روانہ ہوگئے اور دریائے لنڈا کے کنارے جب کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، خان کجو کے پاس پہنچ گئے۔ خان کجو اس کے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا اور آفرین کہا۔ شادیانے اور نقارے بجائے اور اس مہم کو نیک فال سمجھا اور کہا کہ غوریا خیل کی فتح ہمیں اللہ نصیب فرمائے گا۔ قزان شاہ کا سر ایسے وقت میں پہنچا کہ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی سب لوگ ایک دوسرے کو قزان شاہ کی موت پر مبارکباد دے رہے اور کہہ رہے تھے کہ اب پیچھے سے مطمئن ہوگئے۔

الغرض خان کجو موضع کلپانڑی سے نہایت عجلت میں روانہ ہو کر دریائے لنڈا کے کنارے شیخ تپور کے بالمقابل مقیم ہوگیا اور اونچی جگہ پر خیمہ نصب کر دیا۔ باقی لشکر نے ادگرد اور دریا کے کنارے کنارے دور تک ڈیرے ڈال دیئے۔ گرمیوں کا موسم تھا، گیہوں کے کھیت لہلہا رہے تھے، بالیاں نکلی ہوئی تھیں۔ ساز و سامان سب کے پاس موجود تھا۔ جو لوگ خیمے رکھتے تھے انہوں نے خیمے کھڑے کر لئے اور جن کے پاس خیمے نہیں تھے انہوں نے جھونپڑے بنالئے۔ اس کے بعد ملک خضر خان بارکشاہ زئی اور اس کا بیٹا محمد سعید خان اور ملک بیگی بن بہرام بارک شاہ زئی اور میر پائندہ بن قاسم تاجو خیل اتمان زئی اور محمد زئی کے دوسرے سردار بھی اپنے لشکروں کے ساتھ آئے اور

اور خان کجو کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

بعد اذاں ملک شیخو بن خواجو خوبے زئی گگیانی، ملک خواجے بن میرے لالہ زئی اور ملک آدم بن محمد علی لالہ زئی، خواجہ گل ابن ابوبکر تیوزئی بسوزئی اور میرابدال ابن بہزاد آلہ دادخیل، بہزاد موسی زئی اور گگیانیوں کے دوسرے ملکوں نے بھی بڑی بڑی جمعیتوں کے ساتھ جن میں اکثر سوار تھے، آکر خان کجو کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔ اس کے بعد ملک مٹہ بن شمو سالار زئی ترکلانی باجوڑی اور ملک احمدین کیمل ابن جنجتی علاء الدین زئی یوسف زئی اور ملک عیسٰے ابن میرداد موسی زئی گگیانی باجوڑ کے راستے سے ایک ساتھ آئے اور خان کجو کے لشکر کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

الغرض رفتہ رفتہ تھوڑے ہی دنوں میں سارے غخی (خشتی) کے لشکر آکر جمع ہو گئے اور شیخ تپور کے بالمقابل ڈیرے ڈال دیئے اتنا بھاری لشکر اکٹھا ہوگیا کہ اس کی مثل افواج کا اجتماع سارے افغانستان میں نہ کسی نے دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا۔ اور مخفی نہ ہے کہ جس وقت خان الخوانین خان کجو غخی (خشتی) کے لشکر کے اہتمام میں لگا ہوا تھا، ملک بازید بن محمود خلیل اسحاق زئی عیسٰی زئی مالی زئی جو خلیل کا سب سے بڑا سردار اور نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کا مقرب تھا۔ ہمایوں بادشاہ سے ملنے کیلئے کابل گیا ہوا تھا۔ اور اس کے حضور میں موجود تھا، ملک بنے ابن میرداد اسحاق زئی مالی زئی جو اس کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا۔ ملک بہلول عیسٰی زئی صدو زئی کہ یہ دونوں خلیل کے نامی گرامی ملک تھے۔ غوریا خیل کے لشکر جمع کرنے کے انتظام میں لگ گیا۔ جابجا اپنے آدمی بھیجے۔ چونکہ یہ لوگ اکثر اس وقت ننگرھار اور بعض پشاور میں

تھے۔ چنانچہ سلیمان شاہ ابن زنگی مہمند اودی زئی جو اپنے وقت کا مشہور شجاع تھا، کا قبیلہ پشاور میں تھا۔ اس نے جابجا آدمی بھیجے۔ مہمند، خلیل اور داؤد زئی کا سارا لشکر جس میں ہر ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھا۔ خصوصاً خلیل سب کے سب مسلح تھے اور اَنَا وَلَاغَیرِیْ (یعنی ہمچوما دیگرے نیست) کے زعم باطل میں مبتلا تھے۔ اور پوری جمعیت اور انتہائی شان و شوکت سے کوچ کرتے ہوئے خزم کے اس طرف ڈب کے کنارے شیخ تپور میں ڈیرے ڈال دیئے۔

اس زمانے میں غوریا خیل بالعموم اور خلیل بالخصوص بڑے اہل ثروت تھے۔ ہر کسی کے پاس فرش، فروش، خیمے اور شامیانے موجود تھے جو کھڑے کر دیئے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کا لشکر ہو۔ جس جگہ خان کجو اور خلیل کا لشکر آمنے سامنے پڑا ہوا تھا وہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

کہتے ہیں کہ خلیل کا لشکر بہت زور و شور کے ساتھ آکر شیخ تپور میں اترا۔ ہر کسی کو اُن کے زور و قوت کا علم ہوگیا، چونکہ خلیل کے لشکری سب گھوڑے سوار تھے، وہ بھی عراقی گھوڑوں پر تمام زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھے اور اس لئے غخی (خشتی) کے لشکر کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ پار چلے جائیں اور خدا نخواستہ شکست کھا جائیں تو سب دریا میں ڈوب جائیں گے۔ اس لئے خان کجو اور گگیانیوں کے سوا کہ گگیانی خلیل کے جانی دشمن تھے سارا لشکر اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ اگر خلیل کے ایک دو سفید ریش معززین اور ملک بازید کے گھرانے کی دو عمر رسیدہ مستورات اور قطب عالم شیخ میرداد متی زئی کے پوتے بطور جرگہ خان کجو کے

پاس آجائیں تو ہمارے لئے اس قدر عذر خواہی بھی کافی ہے۔

یہ بات ملک خضر خان محمدزئی سے کہی گئی کہ آپ اپنی طرف سے یہ بات خان کجو کے گوش گزار کریں اگر اُن کی رضا ہو تو ہم اس بات کی کوشش کریں۔ لیکن اس سے قبل کہ ملک خضر خان خان کجو تک یہ بات پہنچائے، خان کجو کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ خان کجو کو اس پر بہت غصّہ آیا اور فوراً اُٹھ کر ملک سرابدال کے ڈیرے پہ گیا اور اس سے کہا: "اے میرے بھانجے یہ لوگ مجھ سے پوشیدہ کیا مشورہ کرتے ہیں کہ غوریاخیل کے جرگے کو بُلانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو اگر غوریاخیل کے لوگ بطورِ عذر خواہی یہاں آگئے تو میں انہیں تمہارے ہی ڈیرے میں قتل کر دوں گا۔" سرابدال نے عرض کیا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کے مرضی کے بغیر کچھ کرسکیں جو آپ کی مرضی ہوگی وہی عمل میں آئیگا۔ اس کے بعد خان کجو ملک سرابدال کے ڈیرے سے اٹھ کر اپنے ڈیرے میں چلا گیا۔ چند دن گزرنے کے بعد خان کجو نے نخی (نخشی) کے تمام رؤساء کو طلب کیا اور دریا پار کرنے کے بارے میں استفسار کیا۔ ملک خضر خان نے اہل نخی (نخشی) کے مقتضا کے مطابق وہ بات خان کجو سے کہی۔ خان کجو سمجھ گیا کہ یہ بات اہل جرگہ کے مشورے سے کہہ رہا ہے۔ اس لئے جرگے کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ اس معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اہل جرگہ نے کہا کہ خان! ہم آپ سے زیادہ سمجھدار نہیں ہیں جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس جرگے میں آدو اور جونا نام کے مطرب بھی بیٹھے تھے۔ خان کجو نے اُن سے کہا کہ اے مطربو! تم بھی کچھ کہو۔ مطربوں نے خان کجو کی مرضی کو تاڑ لیا تھا۔ فوراً سرود چھیڑا اور بلند آواز سے یہ غزبی کہی۔

؎ خان کجو د قرہ زویہ　　خیمہ دِ کرہ ولاڑہ لویہ
اُوس پہ ہر شان شیخ تپور　　تہ ستا تلہ لے بویہ
اوکہ نہ وی دا خیمہ بہ　　د پیغور شی تر لو غویہ

ترجمہ:۔ اے قرہ کے فرزند خان کجو! آپ نے بہت بڑا خیمہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب جس طرح سے بھی ہو شیخ تپور کو آپ کا جانا فرض ہے۔ اگر نہ گئے تو آپ کا یہ خیمہ تمام عمر کا آپ کیلئے طعنہ ہوجائے گا۔

اور دوسری غزبی یہ کہی:۔

؎ بارا خان د موسٰی زویہ　　کل نخے دِ سرہ کرہ کرو لو ڑلو ڑ
کہ مو دا وار غوریے پریبود　　دے بہ شی هر کو اغرہ لہ خپلہ زوڑ

ترجمہ:۔ اے موسٰی کے بیٹے بارا خان! سارے نخی (نخشی) کو تم نے اطراف سے اکٹھا کر دیا۔ اگر اس دفعہ تم نے غوریاخیل کو چھوڑ دیا تو یہ اپنے زور میں آکر مغرور ہوجائیں گے۔

جب ان مطربوں نے یہ غزبی کہی تو ہر کسی کے دل پر اس کا اثر ہوا اور ہر کسی میں جنگ کا ولولہ پیدا ہوگیا۔ اس پر خان کجو نے لوگوں سے کہا کہ اے جرگے والو! میں آپ لوگوں سے اور کیا کہوں گا بحقیقت یہی ہے جو ان مطربوں نے آپ کے سامنے بیان کر دی۔ باقی آپ کی مرضی ہے۔ البتہ اس دفعہ غوریاخیل کا بندوبست نہ کیا گیا تو پھر تم خود دیکھ لوگے کہ غوریاخیل تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں وہ اتنے مغرور ہوجائیں گے کہ تمہیں پہاڑوں میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔

اس کے بعد ہر کسی نے خان کجو کی مصلحت پسند کی اور کہا کہ اس دفعہ نخی (نخشی) کا لشکر اللہ تعالیٰ نے اتنا فراہم کر دیا ہے کہ اس

کے بعد شاید ہی اتنی تعداد میں پھر کبھی جمع ہو سکے۔ بس صلاح یہی ہے کہ دریا کو عبور کر کے ان سے لڑیں، پھر جو بھی خدا کو منظور ہو۔

کہتے ہیں کہ اس مہم میں خخی کے جتنے مذہبی پیشواؤں کے خاندان تھے سب آگئے تھے اور اس جرگے میں حاضر تھے۔ خان کجو نے ان کیطرف مخاطب ہو کر کہا کہ "اے پیرانِ محترم! یہ دن ہم پر بڑا سخت آن پڑا ہے۔ آپ ہمارے آستانہ دار ہیں اور ہم آپ کے خدمت گزار ہیں، ہمارا آپ پر حق ہے، اگر کسی صاحب کو کشف یا الہام کے ذریعے آنیوالے واقعے کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں اس سے آگاہ کریں۔"

کہتے ہیں کہ شیخ جلو ابن عثمان اوساخیل ملی زئی خواجوزئی جو یوسف زئی میں کشف و کرامات میں مشہور تھے۔ ان کے درمیان سے سر اٹھا کر کہنے لگے کہ اے لوگو! سب سن لو میں جلو اس عثمان کا بیٹا ہوں جس نے کابل میں مرزا الغ بیگ کے وقت میں ملک سلیمان شاہ کو یوسف زئی کے قتل کا اشارہ کیا تھا اور پھر اسی طرح ہوا تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ماہ جمادی الاول کی بارہ تاریخ کو پار ہو کر مقابل کے سامنے آجاؤ گے، اسی ماہ کے تیرہ تاریخ کو تمہاری زبردست جنگ ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا کہ رسول مقبول صلعم ہمارے ممد و معاون ہیں۔ ہم حق پر ہیں اور ہم پر ظلم ہوا ہے۔ اس کے بعد جذبے میں آکر تین بار کہا کہ غوریا خیل شکست کھا گیا اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عصا سے جو میرے ہاتھ میں ہے، غوریا خیل کے بند سے خخی (خشی) کو مخلصی دی اور اُسے آزاد کر دیا۔

شیخ جلو کے اتنا کہنے سے تمام خخی کو تقویت حاصل ہوئی اور فتح و

نصرت کو اپنا شاملِ حال جانا۔ یہ عین وہی وقت تھا کہ اسی وقت قزان شاہ کا سر بھی پہنچ گیا۔ جیسے پہلے ذکر ہوا خوشی دوگنی ہوگئی اور اُسے نیک فال سمجھا گیا۔

اس درمیان میں غوریا خیل کو بھی خبر مل گئی کہ تخی کے بیشتر لوگ اس بات پر راضی ہیں کہ اگر غوریا خیل کا جرگہ عذر خواہی کیلئے ہمارے (یوسف زئی کے) پاس آجائے تو ہمارا عذر ہو جائیگا۔ مگر غوریا خیل انتہائی مغرور اور بدمست تھے، صلاح و آشتی کیلئے آمادہ اور راضی نہ تھے۔ اس لئے فتنہ انگیزی شروع کی۔

چنانچہ کسی قدر آدمیوں کو اس پار دوآبہ میں بھیج دیا۔ اُس وقت چونکہ دوآبہ کے لوگ دریا پار کر کے اشنغر آئے ہوئے تھے اور دیہات خالی پڑے تھے انہیں موقع مل گیا اور گگیانیوں کے دیہات کو نذرِ آتش کر دیا۔

❦

یوسف زئی قوم کی سرگذشت

باب (۷)

یوسف زئی کا دریائے لنڈی کو عبور کرنا اور غوریا خیل وغیرہ سے اُن کی جنگ

خان کجو اور اس کے دوسرے اعیان کو غوریا خیل کے ہاتھوں گگیانیوں کے دیہات جلائے جانیکا علم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا اور سب نے دریا پار جاکر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بہت سی کشتیاں اور شناز فراہم کئے۔ ان میں سے ایک شناز سر آدم سے اونچا تھا۔ اس کے بعد خان کجو نے مُلا احمد ابن خدائیداد متی زئی الوزئی خیل کو غوریا خیل کے پاس بھیجا۔ ملا احمد بہت زمانہ پہلے خیل سے آیا تھا اور خواجو زئی ملی زئی میں سکونت پذیر تھا۔ شیخ شیلہ میں اس کا گھر تھا اور کلیش خیل کا پیش امام تھا۔ اور بہت دانا شخص تھا۔ اس کے ذریعے ملک نبی مالی زئی اور ملک بہلول صدو زئی باڑو زئی کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ دریا کے اس پار جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیں تاکہ ہم دریا کو پار کر کے میدان میں پہنچ سکیں اور اگر آپ یہ بات پسند نہ کریں تو پھر آپ کیلئے ہم راستہ چھوڑ

کر ایک طرف کو ہٹ جائیں گے۔ آپ دریا پار کر کے ادھر آجائیں۔ پھر جو اللہ کو منظور ہو دیکھا جائیگا۔

ملا احمد دریا کے پار گیا اور ملک نبی اور ملک بہلول کو یہ پیغام پہنچایا۔ یہ پیغام سن کر دونوں خوش ہوئے اور اس سے کہا کہ بہت اچھی بات ہے، ہم راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ اطمینان کے ساتھ دریا پار کر کے اس طرف آجائیں۔ ملا احمد نے واپس آکر خان کجو کو ان کا پیغام سُنادیا۔ خان کجو نے یوسف اور منذڑ کو بلا کر کہا کہ تم یوسف اور منذڑ آپس میں قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکلا وہ پہلے پار چلا جائے۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو منذڑ کا نام نکلا، لیکن منذڑ اس پر آزردہ خاطر ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم پہلے پار جائیں اور غوریا خیل بدعہدی کر کے حملہ کر دیں تو ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ خان کجو اُن کی اس بات سے بہت دل گیر ہوا۔ وہ فکرمند بیٹھا ہوا تھا، کسی نے پوچھا کہ خانِ عالی! آپ اتنے ملول کیوں بیٹھے ہیں؛ خان کجو نے کہا کہ ہمارے یوسف اور منذڑ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ہر جنگ اور ہر مہم میں بطور نیک فالی مقدمۃ الجیش پولی کا گھرانہ میدان میں اترتا تھا مگر آج میں خلاف معمول بات دیکھ رہا ہوں خدا خیر کرے۔

اس پر سلیم خان ابن مغدود ابن پوپل اور سیدو جو کا پسران دلک ابن پوپل، منڈی زئی دولت زئی ملی زئی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اچھی بات ہے خان؛ جب آپ کی مرضی یہی ہے تو پہلے ہم پار جاتے ہیں، یہ کہہ کر تینوں روانہ ہو گئے۔ خان کجو نے حکم دیا کہ پہلے ان کو کشتی دے دو یہ پہلے پار ہو جائیں ان کے بعد باقی لشکر یکبارگی کشتیوں اور شنازوں سے دریا پار کرے مبادا غوریا خیل ان پر ٹوٹ پڑیں اور دھوکہ دیں۔

اس کے بعد سلیم خان، سید، جوکا اور تمام ملی زئی قوم کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلے گئے۔ چنانچہ سارا لشکر ایک دفعہ میں شناڑوں اور کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلا گیا۔ اور ڈب کے کنارے ڈیرے ڈال دیے اور ہر کسی نے اپنے اپنے برابر میں موافقِ حال خندق کھودی اور کانٹے بچھا دیے۔ رات اسی جگہ گزاری۔

جب صبح ہوئی تو خان کجو نے حکم دیا۔ کہ لشکر میں جتنے مطرب ہیں انہیں بہترین گھوڑے اور ہتھیار دے دیں۔ تاکہ سب سے پہلے وہ غوریاخیل کے سامنے جائیں اور جنگ کا آغاز کریں۔ اس سے خان کجو کی غرض قوت نمائی تھی۔ چنانچہ اہلِ لشکر نے اپنے اپنے مطربوں کو بہترین گھوڑے اور ہتھیار دیے۔ انہیں خوب آراستہ کر کے میدان میں بھیج دیا۔

معلوم رہے کہ سات سو مطرب لشکر کے ساتھ تھے۔ اور اس وقت ان کے سردار، یوسف زئی بلکہ سارے نخی (ختشی) میں ٹیٹکی اور ادو تھے۔ یہ دونوں منڈنڑ صدوزئی کے ڈوم (مطرب) تھے۔ یہ دونوں اُن سات سو مطربوں کے ساتھ ہو کر لشکر سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اور خزم میں پہنچ گئے۔ خزم، علی ترکی مخدوزئی خلیل کا گاؤں تھا اور باشندوں نے اسے خالی کر دیا تھا مطربوں نے اس گاؤں کو نذرِ آتش کر دیا۔ اور ایک لاغر و بیمار بیل کو جسے گاؤں والے نہ لیجا سکے تھے، زخمی کر دیا اور واپس آگئے جب گاؤں سے دھواں بلند ہوا اور آگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو خلیل سمجھ گئے کہ ان کے گاؤں کو جلا دیا گیا ہے اس لئے ان کے تعاقب میں نکل آئے مگر اس وقت تک یہ لوگ واپس آگئے تھے۔ اسی اثنا میں فتو کے نامی

؎ اس وقت یہ مقام کا فورڈیرے سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک مطرب جو عرصہ ایک سال سے خلیل سے آکر یوسف زئی میں احمد ولد کبیل بن بجنق اکوزئی خواجوزئی علاؤالدین زئی کے پاس آباد ہو گیا تھا۔ کسی بہانے سے مطربوں سے پیچھے رہ گیا تھا، پھر گھوڑا دوڑا کر خلیل کے سواروں میں گھس گیا اور سلام کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں آپ لوگوں کا نمکخوار ہوں۔ اسی لئے ایسے سخت وقت میں پھر آپ کے پاس آگیا ہوں یہ گھوڑا اور اسلحہ یوسف زئیوں کا دیا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور پوچھا یہ سوار کہاں کے تھے؟ فتو کے نے کہا کہ یہ سوار تو سارے کے سارے مطرب تھے جو خان کجو کے ساتھ آئے ہیں اور اپنی نمود اور جنگ کے آغاز کیلئے نکلے تھے۔ یہ سن کر خلیل نے ایک دوسرے سے کہا کہ جب اُن کی اس قدر فوج صرف مطربوں کی ہے تو اُن کا لشکر نہ جانے کتنا ہوگا؟ اور بعض خلیل نے کہا کہ خان کجو ہم پر اپنی فوج کی کثرت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور ہمیں اپنا زور دکھاتا ہے۔ خیر حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی اور کل میدان جنگ میں اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

الغرض مطرب لوگ وہاں سے لوٹ کر خان کجو کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور یہ حال اس سے کہدیا۔ خان کجو بہت خوش ہوا انہیں انعام سے سرفراز کیا اور کہا کہ ہمارا فال نیک ثابت ہوا کہ ہمارے مطربوں نے ان کا گاؤں جلا دیا۔ انشاءاللہ فتح ہماری ہوگی۔ دوسرے دن جب لڑائی ہوئی تو فتو کے مطرب اس میں مارا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب مطربوں نے غوریاخیل کا گاؤں جلا دیا تو وہ بڑے غضبناک ہوئے اور رات یہ صلاح کی کہ کل ہی اُن پر حملہ کر دیا جائے۔ اور میدان میں اُن سے لڑا جائے۔ خان کجو کو جاسوسوں

نے آکر فوراً اطلاع دی کہ کل غوریاخیل حملہ کریں گے ۔ خان کجو نے اسی وقت تمام ڈیروں میں قاصد بھیجے اور منادی کرائی کہ ہر شخص جنگ کیلئے تیار ہوجائے ۔

جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو جمادی الاولیٰ کی تیرہ تاریخ تھی ۔ غوریاخیل علی الصبح اپنے ڈیروں سے نکل کر روانہ ہوئے ، ادہر کے لوگ بھی تیار و مستعد بیٹھے ہوئے تھے فوراً اپنا لاؤ لشکر لیکر نکل آئے اور صفیں بنالیں ۔ اسی وقت خان کجو نے ملک سرابدال نیکی خیل اکوزئی کے معیت میں ملک خضرخان اور ملک بیگی محمدزئی سے کہا کہ :

" اے محمدزئی ! میرے ننگ کرنیوالے محمدزئی بھائی ، بلادری پالنے اور نیکی کرنے کا یہی دن ہے ۔ مجھے آپ اور یوسف زئی کے سوا کسی اور پر اعتقاد نہیں ہے ۔ ترکلانی اگرچہ بہادر لوگ ہیں مگر بہت تھوڑے ہیں ، صرف دو سو سوار آئے ہیں ۔ اور گگیانی اگرچہ ہمارے بھائی ہیں ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ملک محمد خان گگیانی کے قتل ہونے پر ہم سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں لیکن مجھے ان پر بھروسا نہیں ہے کیونکہ وہ لاف زن اور تیز زبان ہیں ۔ اب محنت اور ضرورت کی دو جگہیں ہیں جو پیش آتی ہیں ۔ ایک سامنے غوریاخیل سے مقابلے کی ، دوسری پیچھے سے حملہ کرنے والوں سے محافظت اور نگہبانی کی ۔ اب آپ جو مقام پسند کریں اُسے اختیار کریں ، ملک خضرخان اور ملک بیگی نے ان سے کہا کہ خان اعظم ہم آپ کے غلام ہیں آپ نے ہمیں ایک کاسہ اوگرہ میں خرید لیا ہے ۔ (یہاں اوگرے کے کاسہ سے مراد نمک اشنغر ہے) اب جو بھی مشکل خدمت ہو ، ہم اس کے لئے تیار ہیں ۔ خان کجو نے کہا کہ آفرین باد ! مجھے آپ سے یہی توقع تھی

میں جو آپ لوگوں پر ناز کرتا تھا تو اسی دن کیلئے اب آپ سارے محمدزئی ایسا کریں کہ بجانب سہیل (جنوب) چلے جائیں اور ان نالوں اور کھنڈوں کی طرف صفیں بناکر کھڑے ہوجائیں اور ہماری پشت پناہی کرتے رہیں ۔ اگر پیچھے سے ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو آپ ان کا دفعیہ کریں ، اور کوئی حملہ آور نہ ہو تو تب بھی آپ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب فرمائے اور دشمن شکست کھاکر بھاگ کھڑا ہو تو پھر آپ بھی آئیں اور ان کا تعاقب کریں ۔ ان کے مارنے اور قتل کرنے میں کوتاہی نہ کریں ۔ اور اگر خدانخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو پھر فی الفور ہمارے پاس پہنچ جائیں تاکہ ہمارے لوگوں کو آپ کی وجہ سے استقامت حاصل ہوجائے اور ان کی ہمت بندھ جائے ۔"

اس ہدایت کے مطابق محمدزئی نے اپنا لشکر ایک الگ صف میں کھڑا کردیا اور پورے خلوص نیت سے ان نالوں اور کھنڈوں کے بالمقابل صف بستہ کھڑے ہوگئے ۔ اس کے بعد خان کجو کو دلجمعی حاصل ہوگئی ۔ اور اپنے لشکر کے اہتمام میں لگ گئے ۔ کہتے ہیں کہ خان کجو نے سارے تخی (خشی) کا لشکر سات صفوں میں تقسیم کردیا ۔ چھ صفیں پیادوں کی بنائیں اور ایک صف سواروں کی بنائی اور اس ہیئت سے کھڑی کردی کہ پہلی صف ڈھال والے پیادوں کی تھی جو برہنہ تلواریں ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھے اور پانچ صفیں ان کے پیچھے تیراندازوں کی تھیں اور ساتویں صف سواروں کی کھڑی کردی مگر یہ ساتوں صفیں کچھ ایسے سلیقے اور ترتیب سے کھڑی کی تھیں کہ ان کے درمیان کوئی تفاوت اور کشادگی نہیں تھی ۔ اور سواروں کو بھی ان کے پیچھے اتنا متصل کھڑا کردیا کہ سواروں کے نیزوں کی انیاں پیادوں

کی پشت سے لگی ہوئی تھیں۔

کہتے ہیں کہ سوار اس صف میں اتنے زیادہ ہوگئے کہ یہ صف ان کے لئے بالکل ناکافی ہوگئی۔ چنانچہ بقیہ سواروں کو ٹولیوں کی صورت میں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خان کو جب یہ صف بندی کر رہے ہیں تو وہ ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار تھے اور ہر ایک صف کے آگے پھر رہے تھے اور سب کو جنگ کی تعلیم و تلقین کرتے اور کہتے جاتے تھے کہ :۔

" میرے بھائیو اور عزیز دوستو! غوریا خیل زور آوری، بہادری اور شجاعت میں مشہور ہیں اور سب عراقی گھوڑوں پر سوار ہیں اور ہر ایک کی کمر میں مشہد اور مصر کی بنی ہوئی تلواریں لٹک رہی ہیں۔ پھر ملک بھی اُن کا اپنا ہے۔ ہمارا وطن یہاں سے بہت دور ہے اور بیچ میں ایک عظیم دریا حائل ہے۔ ہمارا ناموس (زنانہ) بھی اُس پار ہمارے ساتھ ہے۔ پس یہ وقت بہادری اور مردمی کا ہے۔ اگر ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ہم نے شکست کھائی تو ہم سب قتل ہوجائیں گے یا دریا میں غرق ہوجائیں گے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔ دنیا میں تماشا بن کر رہ جائیں گے۔ عزت خاک میں مل جائے گی "۔

اور دوسری بات بھی فرمائی کہ :۔

" ملک بارا خان (؟)، موسیٰ اکوزئی بائی زئی اور سلیم خان ابن منصور ابن پوپل اور سید وجو کا پسران دلک ابن پوپل ملی زئی دولت زئی جنگ کے وقت غایتِ شجاعت سے بے ہوش ہوجاتے ہیں اور اپنی جان سے بے پرواہ ہوکر

دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُن کے گھوڑوں کی لگامیں مضبوطی سے پکڑے رہیں تاکہ بے فائدہ اور بے محل دشمن کے لشکر میں گھس کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ یہ لوگ مجھے بہت عزیز ہیں۔ لشکر میں اور بھی بہت شجاع اور بہادر لوگ ہیں مگر مجھے اُن کی اتنی فکر نہیں ہے لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں شکست کا سامنا ہوا تو پھر اُن کو چھوڑ دیا جائے کہ جو کچھ اُن سے ہوسکے کر ڈالیں "۔

ایک بات یہ بھی فرمائی :۔

" گگیانیوں کے سواروں کو اپنے سواروں کے درمیان میں اور ان کے پیادے اپنے پیادوں کے درمیان میں رکھو، اس لئے کہ وہ تیز زبان ہیں کہیں بھاگ نہ کھڑے ہوں اور ہماری صفوں میں بھگدڑ نہ مچ جائے "۔

نیز فرمایا کہ :۔

" جب وہ لوگ یعنی غوریا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آجائیں تو ہر صف کے تیر انداز تیر اندازی شروع کر دیں۔ مگر اس طرح کہ تیر تمام صفوں کے سروں کے اوپر سے جائیں اور سوار بھی پیادوں سے ایسے مل جائیں کہ ان کے نیزے اپنے پیادوں تک پہنچ سکیں۔ پھر جب پیادے شمشیر زنی کی حد پر پہنچ جائیں۔ تب اُن سے آگے ہوکر دشمن کے سواروں سے مبارزت طلب کریں "۔

کہتے ہیں کہ خان کو صفوں کو درست کرنے اور جنگ کی ہدایت دینے کے بعد اپنے برق رفتار گھوڑے سے اتر گیا اور اپنے آپ کو خوب مسلح اور زرہ پوش کر کے ایک دوسرے عراقی قوی گھوڑے پر سوار

ہوا اور اپنے قبیلے والوں یعنی صدوزئی منڈنڑ کے پاس تمام صفوں کے دنبال میں آگیا۔ اور ملک سرابدال ملک بارا خان ملک سلیم خان، سید اور جو کا دومت زئی پل خیل ملی زئی اور کرم علی الیاس زئی سالار زئی اور ملک بین تاجو خیل اباخیل اور ملک خدائیداد بن یارہ خان، میر احمد خیل صدوزئی منڈنڑ اُن کے ساتھ تھے اور ہر ایک سے کہتے جاتے تھے کہ مردانگی کا یہی وقت ہے۔ دیکھو قدم پیچھے نہ ہٹیں، بزدلی نہ دکھانا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور آگے بڑھو اس کے بعد صفوف سبعہ مغرب کی جانب غوری خیل کے لشکر کی طرف بڑھیں۔ اور غوریاخیل کا لشکر بھی اُن کی طرف بڑھنے لگا۔

اس اثناء میں میر مچکے مہمند مریم زئی جو مہمند کا نامور سردار تھا۔ پانچ سو سواروں کے ساتھ کھڈوں اور نالوں میں چھپنے کی غرض سے جنوب میں اس جگہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے خان کجو کو خطرہ لاحق تھا اور شکر خیل، داؤدزئی، مہمند اور بعض توابع مثلاً چسکنی زیرانی بشنواری اور نیلابی وغیرہ ملک نبی مالی زئی و ملک بہلول صدوزئی اجو دونوں عیسیٰ زئی محمدزئی باڑوزئی خلیل تھے ہم کے ساتھ خان کجو کی طرف روانہ ہوگئے۔ غوریاخیل نے خان کجو کا لشکر دور سے دیکھا تو انہیں ایک ہی صف دکھائی دی اس لئے انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ایک لمبی کھوکھلی سی صف میں صف آرا کیا۔ خان کجو نے جب دیکھا کہ ان کے لشکر کی صف خان کجو کے لشکر کی صف سے بھی لمبی ہے تو بہت متوحش ہوا۔ حالانکہ صفوں کی قلت وکثرت کا اُسے کوئی علم نہ تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب آئے تو خان کجو سمجھ گیا کہ غوریاخیل کا سارا لشکر ایک ہی صف ہے وہ بہت خوش ہوا

اور اپنی فتح کا اُسے یقین ہوگیا اور کہا کہ غوریاخیل نے جنگ کی تدبیر میں غلطی اور بیوقوفی کی کہ سارے لشکر کی ایک صف بنادی۔ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں رکاوٹ کمزور ہوتی ہے۔ پانی اسی جگہ کو توڑ کر بہنے لگتا ہے اور غوریاخیل نے جب دور سے خان کجو کی فوج کے پیچھے لشکر کے غول کے غول دیکھے تو سمجھے، شاید گائے بھینسوں کے گلے ہیں خان کجو نے ہماری لئے سیاہی سی بنائی ہے ہمیں مرعوب کرنا چاہتا ہے مگر جب قریب آگئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ سب فوج ہے ہر اُمید اپنی زندگی سے منقطع ہوگئی اور کہنے لگے کہ اتنی بے حساب افواج سے ہمارا چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ ملک خواجو ابن بابو مندی زئی یا مندک زئی داؤد زئی جو بڑا عالی مرتبت اور بہادر تھا اور سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ اس نے سب کچھ اتار کر پھینک دیا اور کہا کہ اس قدر بے پناہ لشکر سے ہماری نجات محال ہے۔ پس کیا فائدہ کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالوں اور اتنا بوجھ اٹھائے چلوں چنانچہ وہ اسی طرح جنگ میں شریک ہوا اور مارا گیا۔

یوسف زئیوں سے غوریاخیل کا شکست کھانا

القصہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ایک تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے تو خلیل کے سواروں نے یکبارگی خخی (ختشی) اسکے لشکر پہ گھوڑے دوڑائے۔ خان کجو نے فوراً حکم دیا۔

"تیراندازو! تیراندازی شروع کرو تاخیر نہ کرو!"

اس حکم کے ملتے ہی تمام صفوں نے یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ

کردی۔ تیروں کی ایسی بارش ہونے لگی کہ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ تیروں کے چلنے سے فضا میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی اور جب فضا میں تیر ایک دوسرے سے ٹکراتے تو ایک گونج پیدا ہوتی، سواروں کے جسموں میں اتنے تیر پیوست ہوگئے کہ بعض کے بیس، بعض کے چالیس اور بعض کے تو سو سو تیر تک پیوست ہوگئے۔ اس بے پناہ تیراندازی نے سبھوں کو اوندھا کر کے زمین پر بچھا دیا۔ اکثر یوسف زئیوں کی صفوں تک پہنچ بھی نہ سکے دور ہی گر کر ڈھیر ہوگئے اور بعض بے خود ہو کر مرجوں میں گر گئے اور بعض رکابوں میں پھنس کر لٹک گئے۔ گھوڑے انہیں گھسیٹتے ہوئے صفوں تک لے آئے، وہاں گر گئے یا مارے گئے۔ غرض یہ کہ ان پر تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ تیروں کی ایسی بارش نہ کانوں نے سنی اور نہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھی گئی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو متی زئی خلیل کہتا ہے کہ میں نے حسن بن الیاس ابن دلکک اکوزئی خواجوزئی علی زئی سلطان خیل کو بارہا یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اس جنگ میں جتنے یوسف زئی گھوڑوں پر بغیر زین کے ننگی پشت پر سوار تھے، خان کجو نے سب کو پیادہ کردیا۔ یوسف زئی کیا بلکہ سارے تخی (دختی) کے پیادے سواروں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی برہنہ پشت پر سوار تھا خان کجو نے مجھے بھی پیادہ کردیا۔ جس وقت غوریاخیل ایک تیر کے فاصلے پر آگئے اور انہوں نے ہم پر ہلّہ بول دیا، تو ہماری طرف سے تیر برسانے شروع کر دیے گئے۔ میں نے بھی تیراندازی شروع کی یہاں تک کہ جب غوریاخیل تلواروں کی زد میں آئے تو میں

اس وقت تک دس تیر چلا چکا تھا۔ گیارہویں تیر کی باری نہیں آئی۔ فوراً تلوار سونت لی اور دست بدست جنگ شروع کردی۔ اسیطرح تمام لشکر کو قیاس کرلو اور جس وقت دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا تو شمشیروں، خنجروں، نیزوں اور کلہاڑیوں کی ایسی مار پڑی کہ میدان میں آدمیوں اور گھوڑوں کی لاشوں کے ڈھیروں کی پہاڑیاں بن گئیں۔ گھوڑوں اور آدمیوں کے جسم تیروں سے چھلنی ہوگئے تھے اور تلواروں کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہرطرف میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اقبال نے خان کجو کا ساتھ دیا اس کا لشکر بھی بیحد و بے حساب تھا غوریاخیل کا لشکر اس کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ فتح و نصرت نے خان کجو کے قدم چومے اور غوریاخیل شکست کھا گئے۔ ان کے زیادہ سوار تو پہلے ہی ہلے میں گر گئے تھے اور جو صحیح سلامت رہ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پیادوں نے پشاور کا رُخ کیا۔ تخی (دختی) کے لشکری اُن کے تعاقب میں تھے۔ جہاں جسے جا لیتے تھے وہیں اُسے قتل کردیتے تھے۔ کھیت اور راستے لاشوں سے بھر گئے مگر آفرین ان کی ہمت پر خصوصًا خلیل کی ہمت پر کہ شکست کھانے پر بھی پلٹ پلٹ کر اس طرح جنگ کرتے رہے اور تیروں، تلواروں کے ایسے وار کرتے رہے کہ لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

کہتے ہیں کہ عین اسی وقت کرم علی ابن فتح خان ابن ہوتی ملی خیل الیاس زئی سالارزئی یوسف زئی جو نہایت صف شکن اور اپنے وقت کا جنگجو تھا زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھا۔ خلیل کے چند پیادوں کے تعاقب میں جب کہ وہ بھاگ رہے تھے، گھوڑا دوڑایا

اسی اثناء میں ایک پیادہ نے اس کے ایسا تیر مارا کہ اسی جگہ گھوڑے سے گر کر جان بحق ہوگیا۔ اس کا گھوڑا اسی جگہ کھڑا رہ گیا اور یوسف زئی کے سوار بھی اس کے چاروں طرف اکھٹے ہوگئے۔
ناگاہ خواجہ خضر ابن چوہڑ اور شاہی ابن سید احمد اساخیل الوزئی خواجوزئی ملی زئی کہ یہ دونوں آپس میں قریبی رشتہ دار تھے، آگئے اور کرم علی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ مرا پڑا ہے۔ اور گھوڑا پاس کھڑا ہے اور چاروں طرف سوار بھی کھڑے ہیں۔ کہنے لگے۔،

"اے نامردو! کرم علی جیسا بہادر جوان قتل کردیا گیا اور تم کھڑے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہو وہ تم سے صحیح سلامت بچ کر نکل گئے"

سواروں نے کہا کہ یہ پیادے ایسے نشانہ باز ہیں کہ ان کے تیر کیلئے کوئی ڈھال نہیں۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ کرم علی جیسا نوجوان قتل ہوگیا اور قاتل بچ کر نکل گئے۔ ہم قوم کو کیا منہ دکھائیں گے یہ دونوں فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ اور انہیں جالیا اور یکبارگی ان پر تیر برسانے شروع کردیئے۔ خلیل کے پیادوں نے بھی تیر مارنے شروع کئے۔ انہوں نے خواجہ خضر کے ایسا تیر مارا کہ ڈھال میں چھید کرکے پار نکل کر اس کے بازو میں پیوست ہوگیا۔ اسی طرح شاہی کے سر پر خود کو اس طرح نشانہ بنایا کہ خود سے پار ہوگیا۔ اگرچہ شاہی بچ گیا۔

ان واقعات کا واقعہ نویس خواجو لکھتا ہے کہ میں نے شاہی مذکور کو بارہا یہ کہتے ہوئے سُنا کہ خلیل کے تیرانداز نے اتنے زور سے تیر مارا تھا کہ میرا سر چکرانے لگا تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے

اندھیرا چھا گیا تھا مگر اسی اثناء میں دوسرے سوار بھی ہماری مدد کیلئے پہنچ گئے اور پیادوں کو قتل کردیا اور وہ کمان جس سے شاہی کو زخمی کیا تھا کوئی آدمی "صدوم" لے آیا مسجدوں اور حجروں میں پھرائی گئی اور لوگوں نے اُسے دیکھا وہ کمان اتنی سخت تھی کہ کوئی شخص اُسے کھینچ نہیں سکتا تھا۔ وہ کمان سارے یوسفزئی میں مشہور تھی۔

الغرض خلیل کے پیادوں پر آفرین ہو کہ شروع میں ایسے تیر مارے اور ایسی تلواریں چلائیں کہ حق ادا کر دیا اور آخر میں شکست کی حالت میں بھی ایسے پھیر کھائے اور تیروں اور تلواروں کے ایسے وار کئے کہ زخمی (زخشی) کہ بہت سے سوار اُن کے ہاتھوں ڈھیر ہوگئے اور بہت سے زخمی ہوگئے۔ خان بجو کے سر پر بھی ایک پیادے نے تیر مارا تھا جو اس کے خود کو توڑ کر سر میں چبھ گیا تھا اور خود کی وجہ سے زیادہ اندر نہ جاسکا پھر بھی سر میں ایسا پیوست ہوا تھا کہ اس کشمکش کے عالم میں اُسے کوئی نکالنے کی جرأت نہ کرسکا نہ تیر نکالنے کا موقع تھا اور نہ خود اُتار سکتا تھا۔ اس لئے باہر کا حصہ خان بجو نے توڑ کر پھینک دیا اور کچھ حصہ خود اور سر میں اٹکا ہوا رہ گیا اور وہ اس کی پرواہ کئے بغیر دن بھر لڑتا رہا۔ جب رات ہوتی ڈیرے میں آیا تو جراحوں نے نکالا جس کی وجہ سے اُسے درد و الم سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر اللہ نے اپنا فضل کیا جان بچ گئی۔ سب نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خیرات اور صدقہ بھی دیا۔ داؤد زئی نے بھی اس جنگ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہر جگہ خلیل کے ساتھ کھڑے رہے۔ کہیں بھی پسپائی اختیار نہ کی۔ لیکن مہمند بڑے بے کار نکلے۔ انہوں نے کچھ نہ کیا۔ سب کے سب

اپنے توابع اور ہمسایوں جیسے سرغلانی ، ذاخیل ، چمکنی ، ملاگوری ، زیرانی اور شنواریوں کے ساتھ جنگ کئے بغیر بھاگ نکلے اور سراسیمہ ہوکر نالوں میں گھس گئے۔ محمدزئی نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور انہیں بھگا آئے۔

محمدزئی نے ان کے بہت سے نامی گرامی سواروں کو قتل کر دیا پھر خان کجو کی خدمت میں آئے۔ خان کجو نے ان کی بہادری کے صلے میں ان پر بڑی نوازشیں کیں اور شاباش اور آفرین کہا۔ اس کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ مل کر غوریاخیل کا تعاقب کیا یہاں تک کہ پشاور شہر تک چلے گئے اور راستے میں جس کسی کو پایا اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اور پھر ہر جانب سے لشکر سر بند، پشاور، شیر گڑھی، جھل گڑی، نوبہ اور ترہم (جمرود) تک گیا اور خلیل، مہمند اور داؤد زئی کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیا اور قتل و غارت گری اور قید و بند میں کوئی کمی نہیں کی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو متی زئی لکھتا ہے کہ میں نے ملک تنی ابن عبدالرحمٰن ابن شیخ احمد گگیانی مغل خیل سے بارہا یہ بات سنی کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہوا تھا اور بارہ غلام اور کپڑوں کی کئی بڑی بڑی گٹھڑیاں اور بے شمار مویشی مالِ غنیمت میں لایا تھا۔ اسی پر غنی (دخشی) کے سارے لشکریوں کو قیاس کرو۔

خان کجو لشکر کی معیت میں پشاور کے مقام گور گٹھڑی تک خود ان کے تعاقب میں گیا۔ وہاں ایک بلند جگہ پر شامیانہ نصب کیا گیا۔ جس میں خان کجو نے استراحت کی۔ سارا لشکر اطراف و جوانب

میں پھیلا ہوا تھا۔ لوٹ مار اور قید و بند میں کسی نے کمی نہ کی۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد تمام اطراف میں سوار بھیج کر لشکر کو طلب کر لیا۔ اور اعلان کرا دیا کہ اب بس کرو جو ہوا سو ہوا۔ غرض یہ کہ اسی طرح فتح و کامرانی کا نقارہ بجاتا اور خوشی اور فتح و نصرت کے گیت گاتا لشکر روانہ ہوا۔ اور اسی روز عصر کے وقت اپنے ڈیرے میں ڈب کے کنارے آکر مقیم ہو گیا۔ اسی وقت شیخ جلو ابن شیخ عثمان اسماخیل اکوزئی خواجوزئی ملی زئی جس کا ذکر پہلے آچکا۔ خان کجو کے ایما سے چند معتبر آدمیوں کے ساتھ تمام لشکر میں ہر ایک ڈیرے میں گیا اور غوریاخیل کے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو رہا کر دیا۔ اور انہیں اسی وقت لشکر سے نکال دیا رات گزارنے کی اجازت بھی نہ دی۔

الغرض شیخ جلو نے جو کچھ فرمایا تھا اور جو بات کہی تھی تمام واقعات اسی طرح پیش آئے۔ خان کجو نے وہ رات اسی جگہ گزاری علی الصباح کوچ کر کے دریائے لنڈا (کابل) سے پار آگئے۔ وہاں سے سب لوگ رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں غنی (دخشی) کے پانچ سو آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں زیادہ تر یوسف زئی تھے اُن میں یہ چار اُن کے نامور سردار تھے:۔

(۱) کرم علی سالار زئی ملی خیل الیاس زئی
(۲) سید ابن دلکف ابن یوچل ملی زئی دولت زئی منڈسے زئی۔
(۳) الو ابن مانا بان اکو زئی بائی زئی موسٰی خیل۔
(۴) غازی خان ابن خان منڈر ملک زئی ۔

اور زخمیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جسے زخم نہ آیا ہو۔

کہتے ہیں کہ شیخ تپور کی جنگ کے بعد خان کجو کا درجہ بہت بلند ہوگیا۔ تمام پختون قومیں (قبائل) اُن کی مطیع و فرمانبردار ہوگئیں اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرسکے۔
شیخ تپور کی جنگ کے تین سال بعد خان کجو اپنے تمام لشکر کے ساتھ پشاور شہر آئے اور بگرام (پشاور) کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ قلعہ دار کا نام سکندر ازبک تھا اور ہمایون بادشاہ کی طرف سے تازہ تازہ کابل سے آیا ہوا تھا۔ یہ قلعہ سنگین اور بہت مضبوط تھا۔ محاصرہ کے دوران قلعہ دار نے امن طلب کی اور خان کجو نے ان کو یہاں سے پُرامن طور پر نکلنے اور چلے جانے کی اجازت دیکر متصل ہی ہمایون کے فوج پشاور سے چلی گئی۔ دوسری بار دریائے سندھ کو عبور کرکے شمبڑہ، گھیپ وغیرہ کے علاقوں کو تاخت کیا، مال، مویشی لوٹے، لوگوں کو قید کیا اور بہت سے مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔
تیسری بار پھر خخی (خشی) کی تمام افواج کو جمع کرکے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پچھ، ہزارہ، کوریغ ہزارہ، مانگڑاؤ اور اس کے توابع اور مضافات کو فتح کرنے کے بعد دمتوڑ اور پکھلی کی طرف متوجہ ہوگئے جب موضع کوٹ بارہ پہنچ گئے اور پکھلی کے سلطان غیاث الدّین تیرک کو ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے نفیس اور اعلیٰ سے اعلیٰ اشیاء بطورِ ہدیہ و تحفہ بھیجیں اور سال بہ سال اس کی پیشکشی قبول کرکے ان کا مطیع و فرمانبردار ہوگیا۔ وہاں سے واپس ہوکر ملکِ گگھڑ کی طرف روانہ ہوگئے اور جب گگھڑ کے سلطان آدم کو اُن کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بھی سلطان غیاث الدّین کی طرح تحفے تحائف بھیجے پیشکش اور اطاعت قبول کی اس کے بعد خان کجو اپنے دولت خانہ تشریف لے آئے۔

خان گجو کے ممالکِ متصرفہ کا ذکر

حاصل یہ کہ سارا علاقہ سمہ تا اشنغر تا دریائے لنڈا اور دریائے سندھ سارا سوات تا توروال اور تیرات، پنجکوڑہ تا نیاگ جو لاہور کے نام سے مشہور ہے اور سارا بونیر، چملہ تا تنول، سارا اشنغر اور سارا دوآبہ اور سارا باجوڑ، ہندوراج تک اسمار نادہ گنی کونڑ اور ساری وادیٔ پشاور کوہِ پیک، خیبر، ننگرھار، تیراہ، کوہاٹ اور تمام خٹک اور دریائے سندھ کے اس پار شمبڑہ تا گھیپ سوہان، مرگلہ، گگھڑ اور پکھلی تک یہ تمام ممالک اس نے مسخر کرلیے تھے اور اس کے باشندے اس کے تابع و فرمان بردار تھے۔ جس وقت وہ کسی مہم پر بلائے جاتے تھے۔ کسی کو حکم سے سرتابی تو کجا عذر کی مجال نہ ہوتی تھی۔ لہ
واضح رہے کہ ان ممالک سے ڈیڑھ لاکھ لشکر اکٹھا ہوتا تھا۔ خان کجو نے کئی برسوں تک نہایت شان کے ساتھ حکمرانی اور سرداری کی اس کے ساتھ ہی اس سے بعض کرامات اور خوارق بھی ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مستجاب الدّعوات تھا، ہر کوئی اس سے استمداد باطنی طلب کرتا تھا۔ اور اس کی دعا سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ خان گجو بادشاہ ہوگئے تھے اور کئی برسوں تک سلطنت و امارت کی۔ البتہ کمی صرف یہ تھی کہ سکہ ان کے نام کا نہ چلتا تھا اور خطبے میں ان کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ جب عمر رسیدہ

لہ کیرو لکھتے ہیں "خلاصہ یہ ہے کہ بابر اور ہمایوں کی اموات کے درمیان دس سال کے عرصہ میں دریائے سندھ کے آرپار کا پورا علاقہ جس میں وادیٔ پشاور کے میدانی اور پہاڑی علاقے شامل ہیں مغلوں کے زیر اقتدار نہیں رہا۔"

ہوگئے تو علاقہ صوابی میں چھتر کے مقام پر اقامت اختیار کرلی۔ اور
وہیں کچھ مدت کے بعد وفات پاگئے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں
جو خان کجو کی پہاڑی (کجوانو ڈیری) کے نام سے موسوم ہے، دفن
کئے گئے۔ ان کی قبر مشہور و عیاں ہے اور لوگ دور و دراز سے زیارت
کیلئے آتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے
اور اپنی رحمت و بخشش سے سرفراز فرمائے۔

ان کی وفات کے تین چار سال بعد ملک بارا خان بن موسٰی
بائی زئی بھی وفات پاگئے۔ اور بارا خان کے تین سال بعد ملک سرابدال
ابن موسٰی نیکبی خیل خواجہ زئی بھی وفات پاگئے ملک سرابدال کی
قبر شیرخانے میں ہے۔ پہلے ان کی قبر پہ حجرہ بنا ہوا تھا۔ اب وہ
بوسیدہ ہوکر گر گیا ہے۔

اللّٰھم اغفرلنا ولجمیع المسلمین والمسلمات
برحمتک یاارحم الراحمین۔

ایک ضروری وضاحت

خان کجو ہمایون کا ہم عمر اور ہم عصر تھا۔ خان کجو کے عہد
حکومت میں کابل میں کامران اور آگرہ و دھلی میں ہمایون حکومت
کرتا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کے حکمران شیرشاہ و سلیم شاہ
ہوئے۔

ناکجو یا خان کجو بڑا اقبال مند شخص تھا۔ اس کے زمانے میں اس کا
کوئی ہمّ مقابل نہ تھا۔ پختون ہوتے ہوئے شیرشاہ نے بھی اس کے
حدود سلطنت پر کچھ تعرض نہیں کیا۔ بعض مؤرخین اس کا تعارف
یوں پیش کرتے ہیں کہ "خان کجو آں بود کہ دعوائے ہمسری شیرشاہ

کردہ" نیز مغل شکستہ حال ہوچکے تھے۔ اور اُن کا اُس وقت اس
علاقہ میں برائے نام بھی کچھ اثر نہیں تھا۔ جیسا کہ "دی پٹھان"
کا مصنف مسٹر کیرو لکھتا ہے کہ:-

"پٹھانوں کے میدانی یا پہاڑی علاقوں پر بابر، کامران یا
ہمایون کے زمانہ میں کوئی مغل حکومت قائم نہ تھی، یہ
حکمران زیادہ سے زیادہ مشکل ترین راستوں کی حفاظت
کا انتظام کرتے رہے یا (افغان) قبائل کی حمایت اس وجہ
سے حاصل کرنے کی کوشش ہوئی کہ وہ اُن کے خاندانی
جھگڑوں میں کام آسکیں"۔

کیرو آگے لکھتا ہے کہ:-

"یوسف زئی قبائل جن کا لیڈر خان گجو تھا، مغل اقتدار
کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہمایون (ہندوستان جاتے ہوئے)
اس راستہ (پشاور) سے نہیں گزرا اس نے بنگش (کوہاٹ)
کا راستہ اختیار کیا جو بُری حالت میں تھا"۔

داؤدزئی غوریاخیل

مامون (مامون زئی) امنی زئی مندی زئی (مندک زئی)[1] یوسف

نوری زئی ملک زئی نورک زئی حسین زئی بابوزئی بیکوزئی

تاجو خیل یونس خیل بی بی زئی سیدی خیل دغازئی صفازئی مندک زئی

موسیٰ خیل زنگی خیل سعدالدین خیل بامکن زئی محمدزئی علی شیرزئی بایزید خیل

باقرزئی

زوجہ اول (ابینہ) زوجہ دوم (رمی)

موسیٰ میراحمد عیسیٰ جشتے سلطان یاراحمد

(یہ خاندان ماں کی نسبت رمی خیل کہلایا)

مامون دولت سلیمان قاسم عیسیٰ ابراہیم

داؤد خادی عمردین

علی سید (علی سعید خان)

زوجہ اول زوجہ دوم زوجہ سوم

نیک نام خان سلطان خان زکریا عثمان

ہندال خان یحییٰ خان عثمان خان مظفرخان

دریا خان دولت خان

یوسف خان دلیل خان (دلبرخان) بنو بی بی

عظمت خان عالم خان شمشیر خان فتح خان عیسیٰ خان زبردست خان

دلیرہمت خان دل مست خان عنبرخان

دلاورخان غیرت خان مظفرخان اختیارخان بختیارخان فتح محمد خان حسین خان

[1] بیکوزئی بجانب ہندوستان رفت و بابوزئی بجانب تیراہ رفت حسین زئی بوطن خود بحال ماندند بحوالہ تاریخ ابراہیم بیٹنی و بعد ازاں بابوزئی از تیراہ بجانب ہندوستان رفت۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۸)

خان گجو کے بعد کے حالات

خان گجو سے پہلے سربراہِ مملکت ملک احمد اور اُن کے دستِ راست اور شریک کار شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے متعلق آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں ۔ تاہم یہ امر قابل فراموش نہیں کہ یہ تقسیم یا بندوبست جو ایک اہم اور مشکل ترین فریضہ تھا، شیخ ملی نے اس خوبی سے سرانجام دیا۔ کہ وہ افغان جو بات بات سے آپس میں اُلجھ جانے کے عادی تھے۔ ان کے فیصلہ کو بخوشی قبول کرنے لگے۔ انہوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ ایک علاقہ کسی ذیلی شاخ کے قبضہ میں مقررہ میعاد تک رہتا تھا اور اس میعاد کے ختم ہونے پر قرعہ اندازی کے ذریعے وہ علاقہ کسی دوسرے ذیلی شاخ کے قبضہ میں آجاتا تھا۔ اس طرح قبضے بدلتے رہتے تھے۔ اور ہر قبیلہ اپنے حصّہ کے مخصوص علاقے پر اطمینان سے زندگی بسر کرتا تھا۔ بنیادی طور پہ یہ سب علاقہ قوم کا مشترکہ اثاثہ ہوا کرتا تھا۔ اس کی وجہ علاوہ سیاسی تدبر تھا جس سے تمام قوم میں اتحاد برقرار رہتا تھا۔ اور تمام علاقوں کا نفع ونقصان اور اس کی

ملکیت ہر فرد اور قبیلے کی ہر شاخ کیلئے یکساں ہوتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ باہر سے حملہ آوروں کا آئے دن خطرہ رہتا تھا اور اس خطرے کے پیش نظر ایسی تقسیم لازمی تھی۔ اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہوتا تو تمام قوم بیک آواز مقابلہ کرنے کیلئے سینہ سپر ہوتی۔ اور یہ طریقہ تقسیم و تبادلہ نہایت کامیاب رہا یہ طریقہ اب تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اختتام پذیر ہوا۔

ایک معمر ترین شخصیت جناب گل بابا ہوتی خیل ملی خیل فتح خیل سالارزئی موضع بازارگی بونیر ضلع سوات کے بیان کیمطابق یہ تبادلے ایسے منظم طریقہ پر کئے جاتے تھے کہ ہر کنبہ گھر چھوڑتے وقت ایک معین وزن کا گوندھا ہوا آٹا اور پکے ہوئے سالن کی ہانڈی چھوڑ جاتا تھا تاکہ نو آباد ہونے والے کنبہ کو پہلے وقت کا کھانا باآسانی میسر ہوسکے۔

خان کجو نے وفات پائی تو یوسف زئیوں نے متفقہ طور پر علی الترتیب علی اصغر المعروف ملک مصری خان، غازی خان ملک کالو خان اور بہاکو خان کو یکے بعد دیگرے اپنا سربراہِ مملکت منتخب کرتے رہے۔ جن کے حالات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

مصری خان

علی اصغر المعروف ملک مصری خان بن محمد بابا بن جلال خان ملی خیل سالارزئی الیاس زئی کو خان کجو کے بعد پہلا سربراہ بنایا گیا۔ جسے اپنے دور میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں شیر شاہ افغان کے ہاتھ کا رکھا ہوا بنیاد آخری سانسوں میں تھا۔ اور ہمایوں دوبارہ تخت ہندوستان حاصل کر رہا

تھا۔ یوسف زئیوں کی تاریخ میں اس دور کو امن و چین کا دور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ ملک مصری خان کو ایک بار پھر اپنی قوم کو نہایت ہمت جرأت اور قابلیت سے منظم کرنیکا موقع ہاتھ آیا۔ ملکی ترقی کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ ہوئی اور بلا کسی حیل و حجت کے یوسف زئی اپنے علاقہ سے نکل کر دریائے سندھ پار پکھلی اور ہزارہ میں آباد ہونے لگے۔ وسعت علاقہ کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلہ کے فلاح و بہبود کے اقدامات کا بھی خیال پیدا ہوا۔ اور قلت آب کے پیش نظر انہوں نے جگہ جگہ ذخیرہ ہائے آب کا انتظام کیا۔ پانی کے تالاب تعمیر کرائے۔ یوسف زئیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا۔ جسے وہ اپنی اصطلاح میں تپلہ کہتے تھے اور جو اب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے۔ جیسے تپہ بائی زئی تپہ دانی زئی۔ تپہ سالارزئی تپہ رزڑ اور تپہ امان زئی وغیرہ۔ علاقہ یوسف زئی کی سرحد اُس وقت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اپنی اس سرحد کے تحفظ کیلئے انہوں نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں، راستوں سڑکوں کا منظم نظام بھی علاقہ یوسف زئی میں اسی دور میں ہوا۔

علی اصغر المعروف ملک مصری خان کے معتمدین اور مشیروں میں ملک ہندال بن علی خان شموزئی خواجہ زئی[1] ملک متہ خان بن شرف بن شاہ بیگ ابا خیل اکوزئی، ملا ابراہیم بن شیخ کنبو بن برہان ایوب خیل الیاس زئی سالارزئی، ملک ترکیال بن شمک بن جہانگیر بن مسی عمر خیل صدوزئی منڈڑ اور ملک بابا بن جوکا بن دلک منڈے زئی دولت زئی ملی زئی بیان کئے جاتے ہیں۔

---

[1] مصری خان کی قبر بمقام سنی کوٹ، ملک متہ کی قبر موضع کلپانڑی بونیر میں۔ ملا ابراہیم کی قبر بونیر کے موضع چینہ میں اور ملک بابا کی قبر بونیر کے موضع کلپانڑی میں واقع ہیں۔

اخوند درویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"بعدہٗ علی اصغر را این مردم یوسف زئی برخود بادشاہ گرفتہ القصہ درمیان سرداران این الس ہیچ کدام چنداں فتح و ظفر برابری علی اصغر نیافتہ"

ہمایوں کی وفات پر عنان سلطنت شہزادہ اکبر کے ہاتھ لگی اور اس نے جلال الدین اکبر کے نام سے ہندوستان پر حکومت شروع کی اُسے بہترین ساتھی اور کارکن مل گئے۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات صرف خوشگوار ہی نہیں بلکہ ان میں شادیاں کرنے کی وجہ سے بہت ہی قریبی اور گہرے تھے جس کی وجہ سے اس کا ہر قدم ترقی کی جانب اُٹھتا رہا۔ بابر، کامران اور ہمایوں کوئی ایک بھی یوسف زئیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا تھا۔ اس لئے یوسف زئیوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے شاہراہ ہندو کابل پر دست درازیاں شروع کیں۔ اکبر گذشتہ دور کے حالات سے واقف تھا۔ اور اس کی حکومت بھی مضبوط ہو چکی تھی۔ اسی دوران مغلوں کیخلاف افغانوں میں ایک جدید تحریک روشنائی نے جنم لیا۔ جس نے تمام افغان قبائل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تحریک کا بانی بایزید انصاری تھا بایزید کا خیال یہ تھا کہ افغانوں کی سلطنت پھر بحال ہو اور مغلوں کی حکومت پائمال ہو۔ پہلے پہل اس تحریک کو کچلنے کیلئے مقامی علماء سے کام لیا گیا۔ مذہب کے نام پر اس کی مخالفت ہوئی۔ لیکن تحریک کو سخت دھکا لگنے کے باوجود اس کے پیدا کردہ جذبہ کو جو مغلوں کیخلاف تھا نہ مٹایا جا سکا تو مغل لشکر نے یلغاریں شروع کر دیں۔ یوسفزیوں میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ مندڑ قبائل کی اکثریت نے تحریک روشنائی کی حمایت کی جب کہ بہت سے یوسف قبائل مخالفوں کی طرفداری

میں نبرد آزما دکھائی دینے لگے۔ اس طرح یوسف زئی قبائل آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، بقول ابراہیم عطائی " مغلوں کی طرف سے سید علی ترمذی اور اخون درویزہ افغانوں کے درمیان ایسے لوگ تھے جن کی مغلوں کے ساتھ قدیمی دوستی اور نسلی تعلق بھی رہا تھا اور وہ ان کی حکومت کے طرفدار بھی تھے۔ چنانچہ طبعی طور پر ان کو پیر روشن کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ افغان پیر روشن کے طرف اور کچھ اخون درویزہ کے طرف ہو گئے اور داخلی جنگ شروع کی۔ ان جنگوں میں ہزاروں افغان آپس میں مارے گئے اور مغل حکمرانوں کا جو مقصد تھا وہ انہیں بخوبی حاصل ہو گیا"

(د پختونستان مسئلہ مطبوعہ کابل ص۲)

مولوی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

" مخالف یوسف زئیوں نے (اخون درویزہ کی راہنمائی میں) شیخ عمر (جو بایزید کا بڑا بیٹا تھا) پر باڑہ میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر آخری حملہ کیا اس کو شکست دی اور اُسے اور اُس کے بھائی خیر الدین کو مار ڈالا۔ شیخ عمر کی لاش کو جلا کر خاکستر بنایا۔ اُس کو اور بایزید کی ہڈیوں کو دریا میں پھینک دیا۔ (ساتھ ہی اُن کے حمایتی یوسف زئیوں بھی شکست خوردہ ہو کر مصلحتاً خاموش ہو گئے) بایزید کے بیٹوں میں نورالدین کو گوجروں نے مار ڈالا۔ سب سے چھوٹا بیٹا جلال الدین مخالفین کی قید میں آیا (جسے اکبر بادشاہ کو بمقام اٹک حوالہ کیا گیا) تمام بیٹوں میں یہ ایک ہی بیٹا بچا جو اُس وقت چودہ برس کا تھا۔ بادشاہ نے جلال الدین کی بڑی خاطرداری کی مگر یہ شوخ

بے باک ٹڑکا بادشاہ کے دم میں نہ آیا۔ اور موقع پاکر بھاگ کر تیراہ میں جا پہنچا جو سب سے زیادہ روشنائیوں کے لئے مامن تھا۔ اُس نے تیراہ میں بیٹھے بیٹھے بنگش آفریدی اور ورکزئی قبائل سے اخلاص پیدا کیا"۔

(اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

الغرض یوسف زئیوں کے سمجھدار لوگ ہرگز مایوس نہ تھے۔ جیسا کہ ایک مشہور شاعر گل احمد ساکن مرغز (صوابی) کے اشعار سے ظاہر ہے۔ جسے یہاں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جنګ د آزادۍ له همیشه زلمي وتلي دي
رابه وړي غنچې د ګلونو پرون کښتلي دي
بازګه د اشیار په منګل ناست دی ترخطر تښته!
مونږ د زړه په غوښو باتوران وروله ساتلي دي

اقبال کا ایک شعر اچانک یاد آیا جو اس موقع کیلئے مناسب ہے کہ درج کروں:۔

ے شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تُو، تو نہیں خطرۂ اُفتاد

یوسف زئیوں کا دوبارہ اِتحاد

یوسف زئیوں میں ایسے مخلص اور باہمت افراد کی کمی نہیں تھی۔ جو اس باہمی جنگ وجدل کے باعث اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے تھے لیکن طرفین کی ہمہ گیر تحریکات کے سامنے بے بس تھے۔ اُن کے لئے سوائے اس کے کہ خاموشی سے موقع و محل کا انتظار کریں اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ انہی افراد میں ملک کالوخان ولد علی خان المعروف

رُستم ابن مبارک بن بہلول جو یوسف زئی کے قبیلے رزڑ کی ذیلی شاخ مانی زئی سے متعلق تھا، قابل ذکر ہے۔ واضح ہو کہ اس دوران مصری خان وفات پا چکا تھا۔

جنگ موضع مینئ اور اُس کے بعد روغان درہ اور باڑہ میں جب تحریک روشنائی کی طاقت ٹوٹ گئی اور اُس کے اُس وقت کے قائدین بشمول مُلا میرو بن سلیمان بن بازید امان زئی منڈڑ میدانِ جنگ میں کام آئے۔

ضروری ہے کہ جاری مضمون کے پورا ہونے سے قبل ملا میرو کے متعلق کچھ ذکر کیا جائے:۔

"علاقہ یوسف زئی میں روشنائیوں اور ان کے مخالفین میں جو آخری جنگیں ہوئیں۔ اس میں ملا میرو کو خاص اہمیت حاصل رہی، بایزید کے خلیفہ کی حیثیت سے مُلا میرو ہی راہنمائی کر رہے تھے۔ ملا میرو المعروف حسن پیر کی قبر موضع باجا تحصیل صوابی کے مشرق کی جانب ایک قدیم قبرستان میں یعنی گورنمنٹ کالج کوٹھہ کے قریب سامنے بطرف مغرب واقع ہے۔ میرو اسم اور مُلا خطاب ہے، جسے قطب الزمان شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی ترنگی قدس سرہٗ نے حصول علم کے اختتام پر بمقام لاشوڑہ باجوڑ میں دیا تھا۔ جو اس کا شاگرد رشید تھا۔ اور حسن پیر کا خطاب اُسے بایزید انصاری (جسے ان کے پیروکار پیر روشن سے پکارتے تھے اور مخالفین پیر تاریک سے یاد کرتے تھے) نے دیا تھا۔ ملا میرو یا پیر حسن کی اولاد پیر خلیل سے مشہور ہوئے۔ اس کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ میرویس، پیترو، نقرہ دین، میا جانو اور عیسٰی ٹو۔ جن کے ناموں کے نسبت سے علی الترتیب اُن کی اولاد ان ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ میرویس خیل، پیترو خیل،

نقرو ین خیل، جانوخیل اور عیسو خیل - یہ لوگ تپہ امان زئی علاقہ
نگرئی مہابن اور نیز تحصیل مردان میں بمقام سدوم وشہباز گڑھ سکونت
پذیر ہیں۔ میروس کا قبر قصبۂ مردان کے مغرب میں چارسدہ
مردان سڑک کے جنوبی کنارے مٹی کے ایک ٹیلے کے اوپر ہے جو
اس کے نام کی نسبت سے یہ مقام میروس ڈھیری سے مشہور ہے"۔

الغرض ۹۸۹ ہجری بمطابق ۱۵۸۱ عیسوی میں مُلا میرو کے وفات
اور ان کے شکست پر جب مغل لشکر نے تمام علاقے کو خراب و
برباد کیا تو ملک کالوخان نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسفزئیوں
کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش شروع کی - چنانچہ جنگ میمیٔ وغان دره
اور باڑہ کے بعد یوسف زئیوں کو برباد ہوتے دیکھ کر اُس نے اپنے رفقا،
سے مشورہ کیا اور بشمول ایوب بن روی، بابو بن سیفو بن نصرت اباخیل منڈڑ
میروس بن مُلا میرو وغیرہ ایک جرگہ مرتب ہوا۔ جس نے علاقہ یوسفزئی
کا دورہ شروع کیا۔ لوگوں کو اتفاق واتحاد قائم کرنے کی تعلیم و
تلقین کرتے اور کہتے تھے یعنی اتفاق کے فوائد اور اختلاف کے سبب
تباہی و بربادی کو سامنے رکھکر اپنی قوم کو سمجھاتے رہے اور اس
مصرع کو اکثر اوقات میں دہراتے رہے:۔

ے دمغلو چپاؤ بندہ دے نه پہ کور کښې مدام جنګ
نچے لیلے سرے بندہ دے نه پہ خپو کښې پیزار تنګ

اراکین جرگہ اور ملک کالوخان کی حیثیت چونکہ غیر جانبدارانہ تھی اس
لئے قبائل منڈڑ اور یوسف زئی دونوں نے اُن کی گفتگو کو بغور سنا، اور
اپنی خداداد ذہنیت کی بدولت جلد ہی انہوں نے عوام کو اپنا گرویدہ
بنا لیا - دریں اثنا اکبر اعظم نے اپنے بھائی عبدالحکیم جو کابل کا حکمران تھا، سے
کشمکش کے دوران یوسف زئی کے اراکین جرگہ سے اس سردار ملک

کالوخان کو نوشہرہ تھانہ سے اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا اور اس
کی کافی عزت وخاطر تواضع کی مگر وہ مطمئن نہ ہو سکا اور بھاگ نکلا
راستہ میں اٹک کے مقام پر پہچان کر اکبر کے ایک کاردار شمس الدین
خافی نے گرفتار کر کے واپس آگرہ بھیجدیا - اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر
بھی اُسے عزت واحترام سے اپنے پاس مقیم رکھا - لیکن وہ پھر بھاگ
نکلنے میں کامیاب ہو کر اپنے قبیلے میں جا پہنچا -

ملک کالوخان کے متعلق اخون درویزہ نے یوں لکھا تھا کہ:۔

" واقعا ملک کالوخان اہل سنت والجماعت است ولیکن
درمصلحت مانہ آید"۔

یعنی کالوخان آدمی بُرا نہیں مگر افسوس کہ وہ ہمارے
صلاح ومشورہ میں نہیں آتا - یعنی خطرناک ہے۔

غازی خان

ملک کالوخان کی عدم موجودگی میں یوسف زئی قبائل نے متفقہ
طور پر اپنا سربراہ غازی خان بن اللہ داد بن بوٹ علی شیر خیل نوری زئی
ملی زئی کو منتخب کیا جو نہایت مدبر اور جنگجو تھا۔ قسمت نے ساتھ
نہ دیا اور جلد ہی اس نے اکبری فوج کے ساتھ معرکہ باجوڑ میں جام
شہادت نوش کیا۔

اخون درویزہ اپنی تصنیف "تذکرہ" میں یوں رقمطراز ہے:۔

" این مردم (یوسف زئی) غازی خانے ملی زئی را بر خود بادشاہ
گرفتند اما عقیدہ پیرتاریک را بر خود دور نکردند - تا او شربت
شہادت چشیدہ از سرداران این اولس ہیچ کدام از غازی خان
در دیانت وصلاح ودین داری بہتر معلوم نشد، چہ عالم

عابد و عادل بودہ در امورِ دین و دنیا۔ بعد ازاں چوں
طبیعت پیرِ تاریکی اختیار کرد ہمہ گی اولس بقیدِ زین خانہ افتادہ۔

ملک کالوخان

غازی خان کا سربراہی کے دوران ملک کالوخان دوبارہ آگرہ سے
واپس اپنے قبیلے میں پہنچ گیا تھا اور وہ بھی جنگ باجوڑ و غیرہ میں
غازی خان کے ہمراہ شریک تھا۔ چونکہ اکبر کے اسے آگرہ لیجانے سے
قبل ہی وہ اپنی قوم کو اعتماد میں لے چکا تھا، اور قوم کو یکجا کرنے
میں اس نے کافی تگ ودو اور محنت کی تھی اس لئے غازی خان
کی وفات پر قوم نے متفقہ طور پر جنگ کے دوران ہی ایک عام اجتماع
میں کالوخان کو بمقام سوات (دمغار) سربراہ مملکت منتخب کرکے اس
کی دستار بندی کی اور جب اُسے قوم کی قیادت ملی تو سرِ دست مغلوں کی
مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگا۔ اس نے مغلوں کے خلاف
قوم کو ابھارا تو وہ جنگیں ہوئیں جن میں خود مغلوں کے قول کے مطابق
ہزاروں لشکری مارے گئے اور اکبر کے محبوب وزیر راجہ بیربل کی لاش
تک کا پتہ نہ چلا۔

بیربل کے ساتھ خواجہ عرب بخشی۔ ملا شیری اور کئی دیگر قابل ذکر
درباری بھی اس جنگ میں قتل ہوئے۔

مغل مؤرخ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں کہ:

"دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر جنگ باڑہ میں شیخ عمر
کے قتل کے بعد جب اکبر بادشاہ نے یہاں (ملک یوسفزئی پر)
یورش کی تھی۔ تو یوسف زئیوں میں سے جو کلاں تر تھا وہ
لابہ گری کر کے جب فرسا ہوا تھا اور پہلے اپنی بدکاری سے

شرمسار ہو کر پیمان پرستاری استوار کیا تھا۔ ان میں سے
کالو پر بادشاہ نے عنایت کر کے سب سے زیادہ سرفراز
کیا مگر تھوڑے دنوں میں بغاوت کر کے یہ قوم پھر اپنے
آئین سابق پر مائل ہوئی۔ راہزنی اور خلق آزاری پر کمر
باندھی اور دارالخلافہ سے "کالو" بھاگ گیا۔ خواجہ شمس الدین
خوافی نے نواحی اٹک سے دستگیر کر کے بادشاہ کے پاس
بھیجا۔ بادشاہ نے بجائے پاداش کے اس پر نوازش فرمائی۔
لیکن پھر وہ بھاگ گیا اور اپنی پہلی ہنگاہ میں پناہ لی اور
یوسف زئی زمینداروں کی سرکشی کا بھی سبب ہوا۔ کالوخان
پر باوجودیکہ بادشاہ نے بہت نوازش کی تھی مگر وہ بھاگ
کر شورش منشوں سے جا ملا اور دمغار سوات میں افغانوں
نے اس کو اپنا سردار بنایا اور کوہ مورا کو وہ روانہ ہوئے۔"

بادشاہ نے بہت سے سپاہ اور افسروں کا زین خان کوکلتاش
کو سپہ سالار بنا کر اور غریب خان جہانی کو بخشی بنا کر روانہ کیا تاکہ
یوسف زئی کو سزا دیں۔ ۲۵ دی سنہ ۹۹۴ھ کو قرابیگ و ضیاء الملک اور
سپاہ کو بسرکردگی شیخ فرید بخش کو روانہ کیا وہ ایک عمدہ تاخت
کر کے اٹک چلا آیا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ دشت کا کام بہت
سخت ہے۔ مناسب ہے کہ ایک فوج اور نامزد ہو تاکہ شائستہ
طور پر قوم یوسف زئی کی بیخ کنی کی جائے۔ اس لئے بادشاہ نے مزید
لشکریوں اور افسروں کو جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۴ بہمن کو بسرکردگی
سعید خان اور ملک الشعراء فیضی اور دستر خواجہ و شیخ ابوالبرکات
اور دیگر افسروں سمیت یوسف زئی کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے اور
بادشاہ نے ان کو ہدایت کی کہ اگر بڑی لڑائی خود نہ کر سکیں تو ہم کو مطلع

کریں۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو ایک تازہ لشکر بیربل کی سرکردگی میں روانہ کیا۔" (اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

یہ جنگ ۹۹۴ھ میں لڑی گئی لشکر کی مہمات اور محاذِ جنگ کی طوالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اُس میں دربار مغلیہ کے مشہور ترین افراد شامل تھے۔ مغل فوج کا ایک حصّہ چکدرہ سے دوسرا علاقہ سدھوم اور تیسرا صوابی اور موضع سلیم خان سے اقدام کررہا تھا مغل لشکر کی کمان زین خان کوکہ کررہا تھا جو کابل سے باجوڑ کی جانب سے حملہ آور ہوا تھا۔ ابتدا میں اُس نے بڑی ہمت دکھائی۔ لیکن یوسف زئی اس بے جگری سے لڑے کہ زین خان کوکہ نے شاہ سے جس کا شاہی کیمپ اٹک کے مقام پر تھا مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ شاہ نے بیربل اور حکیم ابوالفتح کی قیادت میں تازہ دم لشکر روانہ کیا۔ یوسف زئیوں نے اس شدت سے تمام محاذوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ شاہی لشکر سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا۔ یوسف زئیوں نے تعاقب کیا۔ بیربل پہاڑوں میں گھسا یوسفزئی اُس پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ شاہی لشکر کو تہس نہس کرڈالا۔ اور بقول مؤرّخ ملا بدایونی (جو اکبر کا کاتب تھا) شاہی لشکر کے آٹھ ہزار یا اس سے زیادہ افراد قتل ہوئے۔ جن میں بیربل بھی شامل تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغل فوج کی تعداد جو اس جنگ میں کام آئے باون[۵۲] ہزار تھی۔

اس جنگ کا حال مغل اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ماثرالامرا جلد دوم میں تحریر ہے کہ:۔

"تیسویں سال جلوس اکبری ۹۹۴ھ میں زین خان کوکہ یوسف زئی قبیلے کی تنبیہ کیلئے مقرر ہوا جو باجوڑ اور سوات کے علاقے میں آباد ہے۔ بادشاہ نے راجہ بیربل کو بھی مع لشکر کے بھیج دیا اس کی امداد کیلئے حکیم ابوالفتح کو بھی ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ افغانوں نے حملہ کرکے سرکاری فوج کو تباہ و برباد کیا۔"

آگے یوسف زئیوں کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:۔

"جس سال کہ اکبر بادشاہ مرزا حکیم کی تنبیہ کیلئے اس نواح میں پہنچا۔ تو پہلے ہی اس قبیلے یوسفزئی کے بڑے سردار بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے "کالو" پر بادشاہ کی نظرِ عنایت ہوئی۔ لیکن وہ دارالخلافہ آگرہ سے فرار ہوگیا۔ خواجہ شمس الدین خوافی نے اٹک کے نواح میں اس کو گرفتار کرلیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا۔ سزا ملنے کی بجائے اس پر نوازش ہوئی۔ لیکن وہ دوبارہ فرار ہوکر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا اور سرکشی شرانگیزی میں دوسرے زمینداروں (سرداروں) کا راہنما ہوگیا۔

زین خان کوکہ مغل پہلے ولایت باجوڑ میں پہنچا کہ جس کے جنوب پشاور اور مغرب میں کابل کے پرگنات ہیں۔ اس قبیلے یوسف زئی کے تیس ہزار گھر وہاں آباد ہیں۔ اس نے ان کے بہت سے آدمیوں کو سزائیں دیں۔ غازی خان اور مرزا علی اور اس قوم کے دوسرے سردار پناہ طلبی کے بعد زین خان کوکہ مغل سے ملے۔ سخت لڑائیوں کے بعد دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے چکدرہ میں جو کہ اس ولایت کے درمیان واقع ہے ایک قلعہ بنوایا۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے تیئیس مرتبہ فتح پائی۔ سات سنگر توڑے، قراقر کی پہاڑی اور ولایت بونیر کے علاوہ تمام علاقے پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ پہاڑوں میں پھرنے سے فوج پریشان ہوگئی تھی۔ اس لئے زین خان کوکہ نے مدد کی درخواست کی۔ اکبر بادشاہ نے راجہ بیربل

اور حکیم ابوالفتح کو ایک دوسرے کے پیچھے تعینات کیا۔ مشورہ کے وقت کوکہ نے کہا کہ سرکشوں کی تنبیہہ کیلئے تازہ دم لشکر روانہ کیا جائے۔ میں درمیانی علاقے کی نگرانی کرتا ہوں۔ یا تم چکدرہ میں رہنا اختیار کرو اور میں پہاڑوں میں رہنے والوں کو سزا دیتا ہوں۔ راجہ بیربل اور حکیم ابوالفتح نے جواب دیا کہ ملک کو لوٹنے کا حکم ہے حفاظت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ سب متفق ہوکر ان کو سزا دیں۔ اور پھر بادشاہ کے حضور میں چلیں۔ مختصر یہ کہ کوکہ چکدرہ میں رہ گیا اور راجہ بیربل اور حکیم دونوں قراق کے اسی راستے سے جو نشیب و فراز سے پُر تھا چلے گئے، اور کوکہ بھی بادلِ ناخواستہ چکدرہ سے روانہ ہوکر ان کے ساتھ شامل ہوا۔ اس کے بعد ہر تنگ درے میں جنگ ہوئی اور مغل لشکر کا سامان لوٹ لیا جاتا تھا۔ جب وہ ملندری کی پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے تو زین خان کوکہ فوج کے آخری حصے کا سردار ہوگیا۔ افغان دباتے ہوئے چلے آتے تھے مجبوراً جنگ کرنی پڑتی تھی۔ افغانوں نے ہر طرف سے تیر اور پتھر برسا کر مقابلہ کیا۔ مغل فوج پریشان ہوکر پہاڑ کے بلندی سے نیچے اتر آئے۔ اس افراتفری میں ہاتھی گھوڑے ایک دوسرے سے مل گئے اور گر پڑے اور بہت سے لوگ ضائع ہو گئے۔ کوکہ نے چاہا کہ وہ جان نثاری کرے۔ جانش بہادر نے اس کے قریب پہنچ کر اس کو واپس کر لیا۔ کچھ دور راستہ بھول کر پیدل چلا۔ اور پھر منزل پہ پہنچا۔ جب یہ شہرت سنی کہ افغان پیچھے سے آرہے ہیں تو بہت پریشان ہوکر بے وقت چل پڑا۔ سرکاری فوج اندھیرے کی وجہ سے راستہ چھوڑ کر دروں میں گر پڑے۔ اگرچہ افغان مالِ غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ دوسرے روز وہ لوگ

جو راستہ بھول گئے تھے۔ ہلاک اور ختم کر دیئے گئے۔ راجہ بیربل بہت سے آدمیوں کے ساتھ جن میں سے پانچ سو آدمی بادشاہ کے روشناس تھے۔ اس بے راہ روی میں مارا گیا۔"

اس بارے میں ایک اور مؤرخ اپنی تصنیف مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں:۔

"مصاحب دانشور راجہ بیربل در ایامیکہ محمد اکبر بادشاہ در (صوبہ) کابل بود۔ بیربل را ازاں جا ہمراہ زین خان کوکہ بجانب سواد باجوڑ کہ بنگاہِ یوسف زئی است فرستادہ بود و مدتے با ایشاں جنگ و جدل داشت تا آنکہ سنہ نہ صد و نود و چہار ہجری (۹۹۴ھ) با بسیاری از مردماں کار آمد۔ ازیں سانحہ تا دو روز بادشاہ ہیچ طعام نخوردند و ملا شیری نیز ھمدریں معرکہ مقتول شد۔"

شمس الدین خافی (اکبر کا مغل افسر) لکھتا ہے کہ:۔

"چالیس پچاس ہزار آدمی مارے گئے اور لشکر میں ایک بھی زندہ نہیں بچا۔ یہ شکست سواد کے پہاڑوں میں ہوئی اور جن دروں میں واقع ہوئی ان کا نام کراکر اور ملندری لکھا ہے۔ بادشاہ کے روشناس بہت تلف ہوئے خصوصاً راجہ بیربل کے مرنے سے طرح طرح کے رنج بادشاہ کو ہوئے، ایک رات دن کھانا نہیں کھایا۔ بادشاہ کو اس کے برابر کسی امیر کے مرنے کا غم نہ ہوا وہ افسوس کرتا تھا کہ اس کا جسم نہ ہاتھ لگا کہ آگ میں جلایا جاتا مگر اپنے دل کو اس طرح تسلی دیتا تھا کہ وہ سب قیود سے آزاد اور مجرّد تھا اس کیلئے نیر اعظم (سورج) کی تابش پاک کرنیوالی کافی ہے۔ بادشاہ قلعہ اٹک میں

مقیم تھا۔ جب بادشاہ نے لشکر اور اپنے اخلاص نشاں
کے مرنے اور شکست پانے کا حال سُنا تو خود بادشاہ
کا ارادہ اس ملک میں جانے کا ہوا لیکن اخلاص گزینوں
کے کہنے سے اس یورش سے باز رہا۔"

(اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

یہ حالات بونیر محاذ کے تھے اب محاذِ خدوخیل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ علاقہ خدوخیل جہاں ایکدوسرے کے قریب تین پہاڑی درے ہیں۔ پنجتار سے دو میل کے فاصلہ پر کالو خان کے نام کی نسبت سے کالو درہ ہے۔ جہاں یوسف زئیوں نے اپنا کیمپ نصب کیا تھا اس کے مقابل نوگرام کے قریب مغلوں نے اپنا لشکر جمع کیا تھا جو ان کے نام کی نسبت سے مغل درہ پکارا جانے لگا۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا درہ ہے جہاں مغلوں اور یوسف زئیوں میں جنگ ہوئی وہ جنگدرہ پکارا گیا، یہاں پر یوسف زئیوں نے وہ جوہر دکھائے کہ مغل لشکر کیلئے راہ فرار ہی باقی نہ رہی اور وہ اردگرد کے علاقہ میں بھاگ کر نوگرام، نارنجی اور شیر درہ وغیرہ کی پہاڑیوں میں جا برباد ہوئے۔ اس بربادی کی تاریخ ۲۶ فروری ۱۵۸۶ء بیان کی جاتی ہے۔ شاہی کیمپ اٹک سے مزید لشکر راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ اور ھدایت یہ تھی۔ کہ یوسف زئیوں کے اقدام کو روکا جائے۔ لیکن جب یوسف زئی کی پوزیشن جنگی نقطۂ نظر سے محفوظ نظر آئی تو مان سنگھ کو کابل جانے کی ہدایت ہوئی تاکہ وہ وہاں افغانوں اور روشنائیوں کا قلع قمع کرے اور وقت ضرورت اکبر کیلئے امداد و اعانت کا بندوبست بھی کرے۔ دوسرا اقدام اکبر نے یہ کیا کہ یوسف زئیوں کا داخلہ زیریں

علاقہ میں بند کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ضروریات زندگی سے تنگ آکر یوسف زئی اطاعت قبول کر لیں گے۔ لیکن اس کا نتیجہ اس کے خیال کے برعکس نکلا۔ یوسف زئی اپنی ضروریات بزورِ بازو حاصل کرنے لگے ان کی ناکہ بندی کو مؤثر بنانے کیلئے اکبر نے موضع ہنڈ میں فوجی چوکی قائم کی۔ مذکورہ ہنگامہ آرائی کے بعد بھی یوسف زئیوں کے خلاف مسلسل لشکر کشی جاری رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

عہدِ اکبری پر ایک نظر

مغل فرمانروا شہنشاہِ اکبر کی افغانوں کے ساتھ لڑائیاں

مغل درباری مؤرخین کی زبانی از مولوی ذکاء اللہ دہلوی مصنف "تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری کی تمہید (صفحہ ۵۲۷) کا خلاصہ پیش خدمت ہے:-

"شہنشاہ اکبر نے توران کے باب میں جو پالیسی اختیار کی تھی۔ اس نے افغانوں کے ساتھ لڑنے کا وقت مقرر کر دیا۔ گو کہ وہ ابتدائی سبب اس لڑائی کا نہ ہوئی۔ عبداللہ خان والئ توران کی قوت روز افزوں کے سبب سے تاخیر ہوئی۔ جب اکبر کی توجہ شمال مغرب کی طرف ہوئی تو افغانستان میں ایک مذہبی طوفان اٹھ رہا تھا اور افغان قومی تحریک ہو رہی تھی اور وہ ایسی قوی تھی کہ اکبر کو اس کا روکنا ناگزیر اس لئے تھا کہ توران کوئی خوفناک حملہ نہ کرے۔ پچیس برس پہلے سے افغانستان میں ایک نیا مذہب روشنائی پھیل رہا تھا۔ اس فرقہ کا بانی بایزید انصاری تھا۔

وہ افغانستان میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پنجاب کے جالندھر میں۔ بابر نے جب افغانستان کی سلطنت لی ہے اس سے ایک سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ بایزید کا خیال یہ تھا کہ افغانوں کی سلطنت پھر بحال ہو اور افغانستان میں مغلوں کی حکومت پائمال ہو۔ اس کا باپ عبداللہ کانی گرام میں رہتا تھا۔ یہ مقام کوہستان افغانستان میں دو دریاؤں گومل اور کورم کے درمیان ہے۔ یہ دونوں دریا دریائے سندھ میں ملتے ہیں۔

بایزید کے خیالات کی بلند پروازی کے سبب سے قوم مہمند کے سردار سلطان احمد نے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہاں افغانوں میں اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کا وعظ سنایا اور ان کو مرید کیا۔ مگر جب اس پر عرصہ گزرا تو تاجیک کے سنی مُلّا (اخوند درویزہ) نے اُس کا ناک میں دم کیا۔ (کابل) دریا کے داہنے کنارہ جنوب مشرق میں غوریا خیل اقوام رہتی تھیں اور دریا کے بائیں کنارہ اشتنغر میں محمد زئی رہتے تھے۔ بایزید کو بڑی کامیابی ہوئی اور یہ لوگ اس کے پکے چیلے ہوگئے۔ وہ خود اور اس کا بیٹا کلیدیم (کلاڈھیر) میں عمرزئیوں کے درمیان مقیم ہوئے یہ ایک خیل اشتنغری ہے۔ گو ملا تاجک (اخوند درویزہ) نے اُس سے نفرت کی مگر افغانوں نے اُس سے رغبت کی۔ غرض اب وہ دونوں دین و دُنیا کا راہنما بن گیا مذہبی و ملکی معاملات کا پیر و مرشد ہوگیا۔ اب پیر جی کو بھی الہام ہونے لگا۔

مریدوں نے اس کو پیر روشن کہا۔ وہ قرآن کے اسرار بیان کرنے لگا۔ اس نے ایک کتاب خیر البیان تصنیف کی، جس میں اپنے مذہب کے مسائل قرآن و حدیث کے موافق بیان کئے گئے۔ مگر اُن کو اس کے

مخالف (اخون درویزہ وغیرہ) قرآن و حدیث کے مخالف و متضاد جانتے تھے۔ اور ان کو زندقہ و الحاد کہتے ہیں اور اُسے پیر تاریک کے نام سے یاد کرتے ہیں"۔

آگے لکھتا ہے کہ:۔

"مرزا الغ بیگ کابلی کے زمانہ سے اولس یوسف زئی کہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے، کوہستان کے دشوار گزار کی آڑ میں ہمیشہ راہ زنی کرتے اور شاہی مسافروں کو طرح طرح کی گزند پہنچاتے۔ کابل کے مرزباؤں میں یہ قدرت نہ تھی کہ ان کی مالش کرتے۔ ہندوستان کے حکمرانوں کو بھی اپنے کاموں کی کثرت اور تنگ حوصلوں کی ہمزبانی نے اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ ان دنوں اکبر بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ یہ قوم مردم آزاری اور تباہ کاری سے باز آئے اور فرمان پذیری اور خدمت گزاری اختیار کرے اور ملک سواد و بجور وغیرہ ان بدکاروں سے پاک ہوجائے لیکن اولس یوسف زئی اپنی مضبوط دفاعی مقامات اور بادشاہی لشکر کی شکست کے سبب سے زیادہ سرکش ہوگئی تھی۔ ہر چند کہ اس کو سزا دیجاتی تھی مگر وہ اپنی راہ زنی اور بدکاری سے باز نہیں آتی تھی۔ یوسف زئیوں کی مالش میں سپاہ شاہی پیہم کوشش کرتی تھی مگر بوجہ استواری سے غالب نہیں ہوتی تھی۔

۹۹۶ھ میں جلالہ روشنائی مغل سپاہ سے جب تنگ ہوا تو وہ تیراہ سے یوسف زئی کی بنگاہ میں چلا گیا اور انہوں نے اُس کو اپنے ہاں جگہ دیدی۔ روشنائی افغانوں اور یوسف زئی مل کر آمادہ پیکار ہوئے۔ اُولس گگیانی اور محمد زئی بھی روشنائی افغانوں اور یوسف زئی کے ہمداستان ہوئے اور بجگرام کے نزدیک محمد قلی ترکمان

کے پیچھے پڑیں تاکہ اس تمام ملک پر اُن کو غلبہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ
کے بعد جلالہ پھر تیراہ چلا گیا اور یہاں اپنا قائم مقام اپنے خویش
وحدت علی کو چھوڑا۔ وحدت علی جلالہ کے خویش نے یوسف زئی
کی مدد سے ۱۰۰۱ھ میں قلعہ کنشان اور کچھ حصہ کافروں کی ولایت
کا بھی فتح کر لیا تھا۔ شاہی فرمان صادر ہوا کہ اب وحدت علی کو
پامال کرنا چاہیے۔ بادشاہی لشکر اچانک کافر بوم میں شاہزادی
راہ سے آئے اور موضع کندی کبار میں دریائے بجور (اکنٹر) کا پل
باندھ کر اُترے۔ یہ دریا ستر گز چوڑا اور بہت گہرا و تُند تھا۔ خواجہ
شمس الدین خافی کو اس پل کی پاسبانی اور راہ کی ایمنی سپرد کر کے
لشکر آگے جا کر غنیم سے آٹھ کوس پر پہنچے۔ دس جگہ دشمنوں نے
سنگ چین بنائے تھے۔ اور وہاں سے لڑتے تھے۔ کوکہ چند
آدمیوں کے ساتھ جا کر منزل گاہ کی تلاش میں لگا اور تختہ بیگ،
سعید خان اور حیدر علی عرب ہراول بنا کے آگے۔ پیچھے کر مخفیہ طور
کسی عمدہ جگہ بیٹھیں اور لڑائی نہ لڑیں یعنی اپنے کو ظاہر نہ ہوتے
دیں لیکن اُن کو دیکھ کر افغانوں نے ان کے سر پہ ہجوم کیا ناچار لڑنا
پڑا۔ انہوں نے غنیم کو چار دفعہ پرے ہٹا دیا۔ کوکہ اپنے ہمراہیوں
کے ساتھ جا ملا جس سے ہراول کو تقویت ہوئی۔ سخت لڑائی اور
نقصان عظیم کے بعد وحدت علی چند آدمیوں کے ساتھ بڑے نشیب
میں گیا۔ دشمن شکست کھا کر پراگندہ ہوا اور قلعہ کنشان اور دیگر
بہت آباد جگہیں بادشاہی لشکر کے ہاتھ آئیں۔ کچھ افغان چغان سرا
کی طرف بدخشاں رویہ چلے گئے تاکہ دریائے بجور (اکنٹر) سے گزر کر
کافروں کی زمین میں جا کر پناہ لیں۔ بادشاہی لشکر نے تیز دستی
سے اس طرف کا پل توڑ دیا۔ ناگزیر یوسف زئی کے سرداروں

حاتم، بابا علی[1]، ہندال اور حسین نے قاسم خان (مغل افسر) سے
پناہ مانگی۔ غنیم کے چار سو آدمی مارے گئے۔ بادشاہ کی طرف سے تیس
آدمی مارے گئے۔ اور ڈیڑھ سو زخمی ہوئے۔ لیکن قاسم خان کے مرنے
کے فوراً بعد پھر ان افغانوں نے سرتابی کی اور اٹک خیبر شاہراہ کو ناامن
کیا۔" (اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

---

[1] بابا علی بن سرگن ماموزئی راقم الحروف روشن خان
بن محمد زمان خان کا بارہویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہے، غفر اللہ لہ
بابا علی کا مزار موضع چار باغ سوات میں پردیسی بابا
کے نام سے مشہور ہے۔ اور اُن کی اولاد موضع نواں کلی
تحصیل صوابی میں آباد و بابا علی خیل کے نام سے یاد ہوتے
ہیں۔ ان کی اولاد میں رحیم خان بن نمیر بن امیر خان ایک
نامور اور اہم شخصیت کے مالک گزرے ہیں۔

علاقہ پشاور یا گندھارا
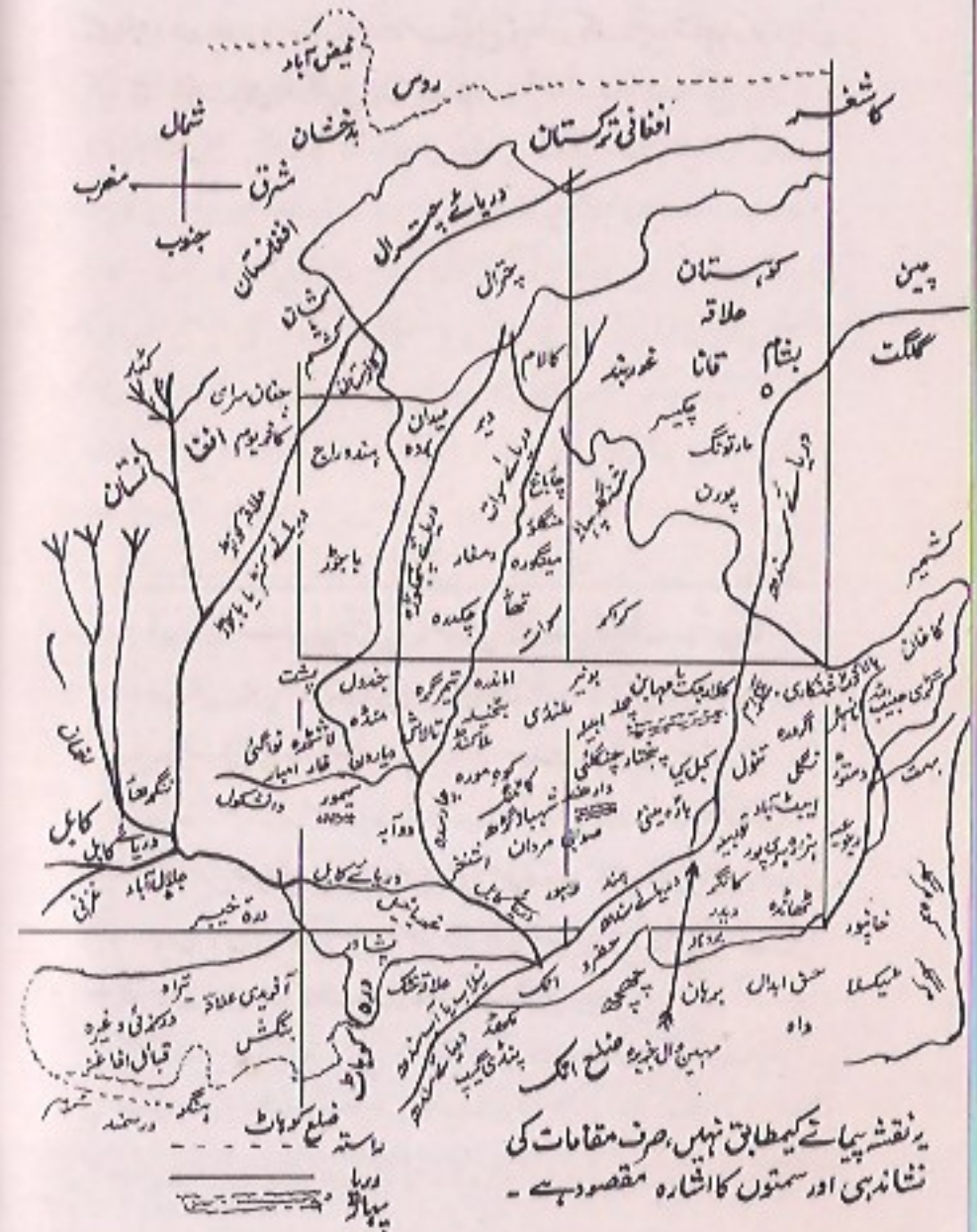
یہ نقشہ پیمانے کے مطابق نہیں، صرف مقامات کی نشاندہی اور سمتوں کا اشارہ مقصود ہے۔

مختصر یہ کہ اکبر کی تمام کوششیں افغانوں کو مطیع کرنے کے سلسلہ میں ناکام رہیں۔ اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک جاری رہا۔ عہدِ اکبر کے متعلق میجر راورٹی نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے کہ :-

"قتل و خونریزی اور ملک کی تباہی و بربادی کے باوجود ان افغان قبائلی علاقہ میں مغل کسی وقت میں بھی مستقلاً اپنے پاؤں جما نہ سکے اور نہ ہی کسی وقت ان حقائق کو ضبطِ تحریر میں لانے کے قابل ہوئے اس وجہ سے "آئینِ اکبری" کی کوئی ایک جلد بھی مکمل نہیں کہلا سکتی"

یوسف زئی اور خٹک

خٹک :- یہ افغان قبیلہ کرلانی کی ایک شاخ ہے اور دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہے ایک تورمان جس کی دو ذیلی شاخیں ہیں۔ توری اور تمہ کی، اور یہ دونوں مل کر توری کہلاتے ہیں جو خوشحال کا قبیلہ ہے۔ سرا بلاق جو ساغری، نندرک اور مروزقی کہلاتے ہیں۔ پھر اُن کی بہت ذیلی شاخیں ہیں۔ ابتداً خٹک جنوبی وزیرستان میں آباد تھے اور بعد میں علاقہ کوہاٹ اور موسٰی درہ میں جاکر آباد ہوئے۔ شیخ ملی کی تقسیم میں نوشہرہ سے خیرآباد تک کا علاقہ غوریا خیل یعنی خلیل، مہمند اور داؤد زئی کا مشترکہ طور پر چراگاہ کی صورت میں رکھا گیا تھا اور اُن کی باقبضہ علاقہ تھی۔ مغلوں نے اُن کے اس علاقہ پر قبضہ کر کے خٹکوں کے حوالہ کیا۔ واقعہ یوں تھا کہ ۱۵۸۱ء میں اکبر نے بغرض حفاظت شاہراہ پشاور و کابل، چند آدمیوں کو اٹک بلا کر ان کو شاہراہ افغانستان کی حفاظت کے بارے میں کہا اُنہوں نے اس کام کیلئے ملک اکوڑے ابن چنجو کا نام بتایا جو اس وقت دہ چند

آدمیوں کے ہمراہ اٹک سے جانب جنوب مغرب ایک پہاڑ میں قیام کر رہا تھا۔ اکبر نے اُسے بُلایا اور راستے کی حفاظت اُن کے سپرد کی، اور نیز ملک اکوڑے کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا۔ ملک اکوڑے خٹک کے ذیلی قبیلہ تری سے تعلق رکھتا تھا۔ حفاظتِ راہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے ملک اکوڑے نے ایک مرکز قائم کیا تو گاؤں آباد ہوا جو اس وقت بھی اس کے نام کی نسبت سے سرائے اکوڑے یا اکوڑی سرائے کہلاتا ہے۔

یوسف زئی چونکہ مغلیہ سلطنت کے سخت مخالف تھے اور خٹک مغل کے وفادار بن گئے اسی سبب سے یوسف زئی اور خٹک کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا۔ بدقسمتی سے بہت جلد خٹک کے دونوں قبیلوں تری اور بلاق میں خانگی معاملات کے سلسلہ میں کشمکش پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے لڑکے یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ساغری نندرک اور مروزئی بولاقوں جن کی قیادت ملک نازو ساغری کر رہا تھا، کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنے۔ ملک اکوڑے کے بعد قیادت اس کے لڑکے یحییٰ خان کو ملی تو اس نے باپ کا بدلہ لینے کیلئے بلاقوں پر حملہ کر دیا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے یوسف زئیوں کے علاقہ میں جا پہنچے اور پناہ لینے کی درخواست کی۔ ملک کالو خان اور اراکین جرگہ یوسف زئی نے ہمدردانہ طور پر انہیں پناہ دے کر ان کو دو حصّوں میں تقسیم و آباد کر دیا۔ ایک حصّہ علاقہ منڈڑ کے مواضعات لاہور غربی، جلبئے، جلبئے، نندرک، مانکی، جہانگیرہ اور تور ڈھیر، وغیرہ میں آباد کیا گیا تو وہ علاقہ انہی کے نام سے بلاق نامہ پکارا گیا۔ دوسرے حصّہ کو قبیلہ یوسف نے تپہ بائی زئی کے دیہات کٹی گڑھی، کاٹلنگ، جمال گڑھی، ساول ڈھیر، کوٹکی

میاں عیسیٰ، لوند خوڑ، الو، تازہ گرام، قطب گڑھ، دوندیا، شیر گڑھ، ڈاگی جنگی ڈھیر، سروبے، قاسمی، وغیرہ میں آباد کر دیا گیا جہاں وہ اس وقت تک آباد ہیں۔

مگر کسے معلوم تھا کہ بلاق کے ساتھ یوسف زئیوں کی یہ خوش اخلاقی اور فیاضی اُن کیلئے تری خٹک کے ساتھ موجب نزاع بنے گی۔ اور یہی ہوا کہ بعد میں تری خٹک مغلوں کے امداد اور طاقت سے ہمیشہ یوسف زئیوں کیلئے دردِ سر بنے رہے۔ الغرض بلاقوں کے اس نئے دیہات پر جہاں تری کے قریب تازہ تازہ پناہ لے چکے تھے، تری خٹکوں نے حملہ کیا۔ یوسف زئی امداد کو پہنچے، سخت جنگ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک یحییٰ خان اور اس کا بیٹا عالم خان دونوں بلاق اور یوسف زئی کے مشترکہ لشکر کے ہاتھوں اس جنگ میں واصل بحق ہوئے۔ مغل حکومت نے یحییٰ خان کے بیٹے شہباز خان کو سردارِ قبیلہ تسلیم کیا۔ وہ بھی اپنے پیشروؤں کے نقشِ قدم پر چل کر بلاقوں پر حملہ آور ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حملہ میں کامیاب ہو کر بلاق کے سردار خادی خان کا لڑکا جلبئی جلبئی کے قریب مارا گیا ملک خادی خان اور فرید خان بلاق ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ جنہیں پشاور کے قید خانہ میں بند کر کے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ حالات یونہی چلتے رہے۔ ملک کالو خان کی وفات کے بعد یوسف زئیوں کی قیادت بہاکو خان اور تری خٹکوں کی قیادت شہباز خان کر رہے تھے، تیاری کر کے شہباز خان نے اچانک بہت زیادہ طاقت کے ساتھ بلاقوں پر جلبئی، جلبئی اور مانکی کے دیہات پر حملہ کر دیا۔ تو بہاکو خان کی قیادت میں یوسف زئی اُن کی حفاظت کیلئے پہنچ گئے۔ یوسف زئیوں اور بلاق خٹکوں نے مل کر تری خٹکوں کو شکست دی اور جہانگیرہ تک جا پہنچے شہباز خان کا لشکر تباہ ہوا اور صرف وہ مع اپنے اٹھارہ سالہ لڑکے

خوشحال خان کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے[۲۰] کامیاب ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شہباز خان نے پھر حملہ کیا اور اس دفعہ اس نے یوسف زئیوں کے تپہ کمال زئی کے ایک گاؤں کو نذرِ آتش کر دیا یہ واقعہ ۱۰۵۰ھ میں پیش آیا اس حملہ میں خوشحال خان، اس کا بھائی جمیل بیگ اور ایک برادر زادہ ساقی بیگ ولد آدم خان ساتھ تھے، مقابلہ ہوا۔ ساقی بیگ مارا گیا۔ شہباز خان و خوشحال خان اور جمیل بیگ زخمی ہوئے بلکہ ایک سوار بھی ایسا نہ رہا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ اختتامِ جنگ کے چوتھے روز شہباز خان زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گیا۔

شہباز خان کی وفات پر مغل حکومت نے خوشحال خان کو قائدِ قبیلہ تسلیم کیا۔ خوشحال خان نے زخموں سے چالیس دن بعد صحت یاب ہو کر رات کے وقت اچانک کمال زئیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان کے ایک گاؤں اتیم کو جو اسمعیلہ سے مغرب کی جانب تھا، نذرِ آتش کر دیا۔ اس وقت اس گاؤں میں کمال زئی کی ذیلی شاخ اکاخیل رہائش پذیر تھے۔ وہ سب تباہ ہو گئے۔ کمال زئی، امان زئی اور رزڑ امداد کیلئے دوڑے تو خوشحال خان اپنا لشکر لئے واپس ہو گیا، مگر بلوٹ کے مقام پر یوسف زئی پہنچ کر ایک اور جنگ ہوئی جس میں خوشحال خان نقصانِ عظیم کیساتھ بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

البتہ ان جنگوں میں خوشحال خان کے ہاتھوں یوسف زئی کے دو نامور اشخاص یعنی ملک جانم امان زئی مارا گیا اور (مردان کے) پیر کمال جو اولادِ پیر مدے سے تھا اور قبیلہ کمال زئی کا ملک تھا، گرفتار ہوا۔" (بحوالہ کتاب یوسف زئی اشاعت چہارم صفحہ ۲۱)

چیخر خانی کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ جیسا کہ عہدِ بہا کو خان میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ خوشحال خان نے ۱۶۶۸ء میں قید سے رہائی

کے بعد قلعہ لنگر کوٹ کے تعمیر کی مخالفت کی اور یوسف زئیوں سے تعلقات کو معمول پر لانے کی فکر میں تھا۔ اور بعد میں یوسف زئیوں کے علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے سوات تک جا پہنچا۔ یوسف زئی عزت واحترام سے پیش آئے لیکن اظہار اعتماد نہ کر سکے۔ تو اُن کی مذمت میں مثنوی سوات لکھ کر واپس لوٹ گیا۔ بعد میں خوشحال خان اور اس کے بیٹے بہرام خان کے آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو نتیجہ کے طور پر خوشحال خان نے مواضعات سوڑی زئی، ڈنگرزئے، شیدو اور نرے کو نذرِ آتش کر دیا مگر ناکام ہو کر واپس ہوا۔

اورنگ زیب نے اوائل ۱۶۷۶ء میں اپنے بیٹے شاہ عالم کو پشاور کی طرف بھیجا تو اس نے خوشحال خان کو دعوتِ ملاقات دی خوشحال خان نے موقع کو غنیمت جان کر تمام مخالفت کو نظر انداز کر دیا اور شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ پشاور سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں خلعتیں عطا ہوئیں اور جلال آباد سے رخصت کیا اور اُس کے بیٹے سکندر خان کو شہزادہ اپنے ہمراہ کابل لے گیا۔

خوشحال خان مطمئن تو ہو گیا، تاہم جو اقتدار وہ کھو چکا تھا وہ خود خٹکوں کے ہاتھوں اُسے دوبارہ نہ مل سکا۔ اس کے دوسرے بیٹے بھی ہمنوائی نہ کر سکے۔ قبیلہ کی حمایت وہ پہلے ہی سے کھو چکا تھا مختصر یہ کہ شاہ عالم کی ملاقات کے بعد اُس نے مغلوں کیخلاف کوئی حرکت نہ کی البتہ خانہ جنگی میں مبتلا رہا اور اپنے بچوں، بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھوں پریشان ہو کر تیراہ کی راہ لی اور مجبوراً اپنا وطن چھوڑ کر مقام ڈنبرہ میں مقیم ہوئے اور ۱۱۰۰ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۶۸۹ء کو وہیں فوت ہوا اور اس کی لاش کو موضع ایسوڑی نزد ریلوے اسٹیشن اکوڑہ خٹک

سپردِ خاک کیا گیا۔ یہ تھا مختصر احوال خوشحال خان، جس نے بیٹوں، پوتوں، بچوں، اہل خاندان، قبیلہ تری خٹک کے بے مروتی و بے وفائی اور اورنگ زیب بادشاہ کی ناقدری کا داغ دل پر لے کر دوسروں کے گھر میں نا پُرسی کی حالت میں وفات ہوا۔

بہاکو خان یوسف زئی

اکبرِ اعظم کی وفات پر عنانِ حکومت شہزادہ سلیم نے محمد نورالدین جہانگیر کے نام سے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء تک حکمران رہا۔ اس کی حکومت کے دوران حالات جُوں کے تُوں رہے اس کے ابتدائی دور میں ملک کالو خان نے وفات پائی تو یوسفزیوں کا اقتدار بہاکو خان کے ہاتھ آیا۔

جہانگیر کی وفات پر اس کے لڑکے شاہجہان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد میں مقابلتاً امن رہا۔ اور یوسف زئیوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش وسعی ہوئی، حکومت مغل نے یوسف زئی کے ذیلی قبیلہ خدو خیل صدو زئی منڈڑ کے مشہور بہادر سردار بہاکو خان کو یوسف زئی کے علاقہ کی دھڑت وصول کرنے کا اختیار تسلیم کرلیا تھا۔ مقامی روایات ان تعلقات کو یہاں تک خوشگوار ظاہر کرتی ہیں کہ ایک موقع پر بمقام بابوڑ ڈیری گڑھی امان زئی یوسف زئیوں نے شاہ جہان کی دستار بندی کرتے ہوئے اُسے اعزازی طور پر اپنے قبیلہ میں شامل کرلیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بہاکو خان نے جب شاہجہان کے اعزاز کو قبول کیا تو شاہجہان نے فرمانِ تقرر کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم کا گھوڑا جس کے زین پر سونے کی گلکاری لگی تھی، بطورِ تحفہ ارسال کیا تھا۔ ان حالات

کے پیشِ نظر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ عہد شاہجہان میں بڑی حد تک مغلوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے۔ جس کا بانی اور محرک شاہجہان کا بیٹا دارا شکوہ تھا۔

بہاکو خان نے اپنی زندگی کی ابتدا عہد جہانگیر میں کی تھی۔ اس کے عہد شباب میں ڈوما (جو اس وقت حسن زئی اکازئی ملا خیل مخوزئی اور چغرزئی بابوزئی جنگی خیل عزی خیل، چوگا، کانا، غوربند، شام چکیسر اور پورن کا موجودہ پہاڑی علاقہ ہے) پر تاتاری النسل قوم ڈوما حکمران تھی۔ جو اس قدر طاقت ور تھی۔ کہ جب یوسف زئی مردان سوات اور ارد گرد کے علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہاکو خان نے اخوند سالاک کے اشتراک سے حکومت ڈوما کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور بالآخر وہ علاقہ اُن سے خالی کرالیا اخوند سالاک ایک افغان بزرگ تھا جس نے مذہب کے نام پر اپنے معتقدین کی ایک جمعیت پیدا کرلی تھی۔ اور جذبہ جہاد سے سرشار قبائل جوق در جوق اس کی جمعیت میں شامل ہونا شروع ہوئے۔ حتیٰ کہ ایک پورا لشکر دکھائی دینے لگا۔

تاریخ مرصع اور تحفۃ الاولیا، کے مطابق اخوند سالاک اصل میں طوغر کے تھے۔ طوغر افغان اصل میں ترین ہیں۔ ان کے والد ماجد علاقہ خٹک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ اخوند سالاک اکثر ان کی زیارت کیلئے جاتے تھے۔ اخون پنجو کے ایماء اور ہدایت کے سبب اخوند سالاک علاقہ یوسف زئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا شب و روز یہی شغل رہتا تھا۔ بہت سے ملک اور قلعے اُن کی برکت سے کفار سے خالی ہوگئے۔ تاریخ مرصع نے آگے چل کر لکھا ہے

کہ ۔

"شاہجہان نے اخوند سالاک کے نام ایک پیغام بھیجا۔ جس میں یہ آیت تحریر تھی ۔

اَطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واُولوالامر منکم

مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ باغی ہیں ۔ اس میں آپ قیام نہ کریں بلکہ شاہی علاقہ میں آکر بسیں ۔ غرض یہ تھی کہ وہ علاقہ یوسف زئیوں کا تھا ۔ اور یوسف زئی چونکہ بہادر قوم ہے ۔ کہیں انہیں اپنا بادشاہ نہ بنالیں ۔ اخوند سالاک نے جواب میں لکھا کہ یہ لوگ اگرچہ آپ سے باغی ہیں مگر خدا سے باغی نہیں ہیں ۔ میں اور یہ روز و شب کفار کے مقابلہ اور غزا میں مصروف رہتے ہیں ۔ آپ بادشاہ ہیں ۔ اگر امداد دے سکو تو فبہا ورنہ مجھے کیوں دور لے جاتے ہیں "

الغرض بہاکو خان نے علاقہ ڈوما حاصل کرنے کے بعد یوسف زئیوں میں اپنے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق تقسیم کر لیا ۔ اس کے بعد اس نے عہدِ شاہجہان میں دربار دہلی کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔ بدیں وجہ خوشحال خان خٹک سے جو اس وقت دربارِ مغلیہ سے منسلک تھا، کشمکش میں اضافہ ہوا ۔

بہاکو خان کے شاہجہان کے لڑکے داراشکوہ سے قریبی تعلقات تھے ۔ خوشحال خان سمجھ گیا کہ اگر بہاکو خان کو دربار میں قربت حاصل ہوئی تو ہو سکتا ہے کہ یوسف زئیوں کے جس علاقہ پر وہ اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے ۔ اس میں کمی آجائے چنانچہ اس نے شاہجہان کو یوسف زئیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا ۔ اسی دوران جب

حبیب خان بن بلخیر پرک زئی اکازئی جو بہاکو خان کا رفیق کار تھا، نے شورش پیدا کی تو خوشحال خان نے کابل پہنچ کر شاہجہان کو اس طرف متوجہ کیا اور شاہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسے یوسف زئیوں کے علاقے پر اقتدار بخش دے ۔ شاہ نے اُسے یوسف زئیوں کے علاقہ کے نظم و نسق سنبھالنے کے فرائض تفویض کر دیئے اور اس نے واپس آکر جنگ و دو شروع کی ۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور جب شاہجہان افغانستان سے واپس لوٹا اور حقیقت حال دریافت کی تو خوشحال خان نے بتایا کہ یوسف زئی بہت منظم ہیں اور اُن کی طاقت بھی بہت زیادہ ہے ، ان کو قابو کرنے کیلئے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہے ، ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ بہاکو ، حبیب ، کاچو ، ظریف ، حمید اور کچھ جو سرداران یوسف زئی ہیں ۔ کی سرکوبی کیلئے اُسے شاہی لشکر کی اِمداد ضروری ہے ، شاہ نے وعدہ کیا مگر بعد میں دارہ شکوہ نے مخالفت کرتے ہوئے کوئی عسکری امداد نہ دی ۔

اختلافات کا اصل سبب

بقولِ ایک محقق " عہدِ اکبر میں تری خٹکوں کے قائد ملک اکوڑے ولد چنجو کو حفاظتِ شاہ راہ کابل (یعنی اٹک سے پشاور تک) کی ذمہ داری سونپنے سے یوسف زئی اور تری خٹکوں میں مستقلاً دشمنی کی بنیاد رکھ دی گئی تھی لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا مگر بد قسمتی سے بہت جلد خٹک کے دونوں قبیلوں تری او بلاق میں کشمکش پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے بیٹے یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ایک جنگ میں ساغری

شاہ جہان کا فرمان بہاکو خان کے نام

الله اکبر
بادشاہ غازی
صاحب قران ثانی
محمد دارا شکوه ابن
شاہ بلند اقبال

زبدة الاشباه والاعیان قدوة الامثال والاقران بہاکو یوسفزئی بعنایت
شاہی مفتخر و مباہی بوده بداند که عرضه داشتی که درینولا بجناب عالیان آب
ارسال داشته بود از نظر کیمیا اثر گذشت و مضمون آن بعرض والا رسید آنچه در
باب ترحم التماس نموده بود حکم میشود که زر بسیار است ما درینوقت اینجا
بسیدن زرہا و مستند راست باید که خاطر بہمه ابواب جمع داشته جمعیت
شائسته باخود گرفته روانه حضور پرنور شود که بعد از دریافت سعادت
ملازمت کیمیا خاصیت بہر قدر که خواہد خواست با مرحمت خواہیم فرستاد
زود خود را با جمعیت شائسته بحضور برساند از روئے عنایت خلعت
فاخره باو مرحمت فرموده ایم بوصول آن مفتخر و مباہی خواہد شد
تحریراً فی ۲۰ ذی قعده سنه ۱۰۶۹ھ

نندرک اور مروزئی بُلاقوں (جن کی قیادت ملک نازو ساغری کر رہا تھا) کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنے۔ لہٰذا جلاوطن ہو کر بُلاق نے علاقۂ یوسفزئی میں پناہ حاصل کی۔ جس سے تری خٹک ناراض ہو گئے کہ یوسفزئی نے کیوں بُلاق کو پناہ دی۔ نتیجہ یہ کہ بھائی کے ہاتھوں بھائی قتل ہونے لگا۔ یوسف زئی اور تری خٹکوں میں مسلسل میدانِ کارزار گرم رہا۔ اور اس رزم گاہ میں خون کا ہر قطرہ خواہ وہ یوسف زئی کے جسم سے گرتا تھا یا خٹک کے جسم سے، مغل مقاصد کی آبیاری کرتا رہا۔ اس کشمکش کے دوران میں عنانِ سلطنت شاہجہان کے ہاتھ لگی تو وہ طبعاً اس کشت و خون کو پسند نہ کر سکا چنانچہ کابل جاتے ہوئے اس نے خوشحال خان خٹک سے دریافت کیا کہ وہ کیوں ہر وقت یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما رہتا ہے۔ جواباً اُسے بتایا گیا کہ یوسف زئی چونکہ دربارِ مغلیہ کے باغی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی سرکوبی لازمی ہے۔ (بحوالہ اللہ بخش یوسفی)

شاہجہان کے بعد اورنگزیب اور داراشکوہ میں حصولِ تخت کے لئے رسہ کشی ہوئی تو بہاکو خان نے داراشکوہ کی اور خوشحال نے اورنگزیب کی حمایت کی اور جب پتہ چلا کر داراشکوہ اٹک پہنچ رہا تھا تو بہاکو خان جسے اس وقت علاقہ چھچھ اور قلعہ اٹک پر اقتدار حاصل تھا، نے اٹک کے مقام پر تمام کشتیوں کے پل پر قبضہ کر لیا۔ خوشحال خان (اپنے خٹک معہ اپنے چچا فیروز خان کے) اور شاہی لشکر مقابلہ پر آیا شدید جنگ ہوئی۔ بہاکو خان زخمی ہوا اور اس کا بھائی بسید خان مارا گیا۔ اورنگزیب کو کامیابی ہوئی اور سریر آرائے سلطنت ہوا۔

اس دوران بہاکو خان علاقہ چھچھ میں مقیم رہا اور کچھ عرصے تک چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی تاہم فریقین تیاریوں میں مصروف رہے۔

کچھ عرصہ بعد اورنگزیب نے لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ اٹک پار سے بھی لشکر کشی ہوئی، کابل سے بھی امداد پہنچی۔ مرکز سے بھی فوجی امداد کا ملنے کا پوری طرح بندوبست کیا گیا۔ ادھر یوسف زئی بھی کیل کانٹے سے لیس مقابلہ کیلئے تیار کھڑے تھے۔ شاہی لشکر نے اُن کی تعداد کے پیشِ نظر اقدام کرنے کی ہمت نہ کی اور دریائے ہرو جولارنس پور علاقہ چھچھ کے قریب ہے، پر مزید کمک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس انتظار میں پورے دو ماہ گزر گئے۔ آخر کار ہندوستان سے شاہی لشکر کو امداد پہنچی تو جنگ کا آغاز ہوا۔ اور موضع بارون، حضرو اور علاقہ چھچھ کے مقامات پر سخت فیصلہ کن جنگ لڑی گئی۔ جنگ نے طول پکڑا۔ کافی مغل لشکری مارے گئے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

گزٹیر راولپنڈی ضلع ۱۸۶۵ء میں کرنل کریکرافٹ کمشنر و مہتمم بندوبست یوں رقمطراز ہے کہ:۔

"حضرو چھچھ کے میدانی علاقہ کے زیادہ آبادی والے حصہ میں ایک بڑا شہر ہے۔ یہ پٹھانوں نے آباد کیا اور قبیلہ یوسف زئی کا صدر مقام رہا ہے۔ یہاں ایک بہت ہولناک جنگ ہوئی تھی۔ ہندوستان سے ایک بڑا لشکر اُن پہ حملہ آور ہوا۔ مگر بری طرح شکست کھا کر تقریباً دو ہزار لاشیں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔"

بہاکو خان نے بھی مصلحتاً اپنے لشکر کو دریائے سندھ کے پار مقام تور ڈھیر، جلسئی، لاہور اور ہنڈ وغیرہ لا کر ڈیرے جمائے کچھ عرصہ طرفین کا پھر تیاریوں میں مصروف گزرا اور آخر کار مغل لشکر نے دریا پار کر کے شمشیر خان کی قیادت میں بڑی شدت سے حملہ کیا، بہاکو خان نے موضع ہنڈ سے ہٹ کر پنج پیر، زیدہ، گنڈہ، شاہ منصور اور مرغز

کے ملحقہ آبادیوں پر مورچہ بندیاں مضبوط کیں اس دوران شدید جنگ لڑی جاتی رہی۔ فصل تباہ اور آبادی برباد ہوتی رہیں۔ لیکن طرفین کے ارادوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ مزید تازہ دم لشکر لیکر سوات اور باجوڑ سے اکوزئی، ترکانی اور اتمان خیل آئے اور تیراہ سے کچھ آفریدی اور مہمند بھی اس جنگ میں کود پڑے اول تو شاہی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ لیکن جلد ہی اس نے سنبھل کر حملہ کیا تو یوسف زئی شاہ منصور کے قریب مورچوں کو خالی چھوڑنے پر مجبور ہوئے جن پر شاہی لشکر نے قبضہ کر لیا مگر جنگ جاری رہی۔

اِدھر جنگ ہو رہی تھی اُدھر شاہی دربار سے سیاسی چالیں جاری تھیں۔ جنگ کے ساتھ ساتھ یوسف زئی قبائل میں صلح کے نام سے نفاق پیدا کرنے اور انعام و اکرام کا لالچ بھی کام کر رہا تھا۔ اس دوران محمد آمین گورنر کابل تازہ دم لشکر لیکر نمودار ہوا۔ اس نے اپنی چال بازیوں سے یوسف زئیوں کی طاقت کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ انعام و اکرام، امن اور صلح کے لالچ میں یوسف زئی کے ایک ذیلی قبیلہ کو جنگ سے جدا کھڑا کر دینے میں کامیاب رہا۔ معلوم رہے کہ اس سے قبل اس نے لشکر کے ایک حصے کو یوسف زئیوں کو خوفزدہ کرنے کی خاطر شہباز گڑھ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اور دوسرے حصے کو باجوڑ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ شہباز گڑھ کو برباد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ مغل لشکری وہاں کے تمام مویشیوں کو بھی اپنے ساتھ ہانک کر لے گئے۔

باجوڑ کی طرف اقدام کرنے والے لشکر کی قیادت محمد آمین خود کر رہا تھا۔ اس نے سوات میں داخل ہو کر کئی مقامات کو برباد کر ڈالا مگر یوسف زئیوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے گھبرا کر واپس ہنڈ کے کیمپ میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر مغل سرداروں نے یوسفزئیوں

سے ساتھ صلح کرنے کا آپس میں مشورہ کیا۔ اس لئے کہ اس جنگ کو ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے اور انہیں سوائے بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اورنگزیب نے طاقت و تدبیر سے کام لیتے ہوئے اس جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کے دور کی وہ بربادی بھی اُن کے پیشِ نظر تھی جو زین خان اور بیربل کو پیش آچکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یوسف زئیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیا مغل لشکر نقصانِ عظیم اٹھا کر دریائے سندھ اور دریائے کابل عبور کرکے واپس چلے گئے اور اس طرح مغل حکمرانوں کا یہ مقصد کہ جنگ طول پکڑنے سے انہیں شکست کا خطرہ لاحق تھا ٹل گیا۔

شاہی لشکر کو (حقیقتاً) بہت ہی کم کامیابی حاصل ہوئی، اور آخر کار اورنگزیب نے مجبور ہو کر پٹھانوں کی وہ شرائط تسلیم کریں کہ جن سے ان کی آزادی برقرار رہی اور اپنا لشکر واپس ہندوستان لے گیا۔ (گزیٹر آف پشاور ۹۸-۱۸۹۷، بحوالہ اللہ بخش یوسفی)

محمد امین کو دربارِ شاہی میں حاضر ہونے کا پیغام ملا اور کچھ عرصہ بعد کابل واپس جاتے ہوئے ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی نے غریب خانہ کے قریب تمام شاہی لشکر کو بری طرح تہہ تیغ کر ڈالا۔ اور محمد امین بمشکل جان بچاکر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

اورنگ زیب یکے بعد دیگرے کابل کے گورنروں کو تبدیل کرتا رہا۔ اور شجاعت خان کی قیادت میں لشکر روانہ کیا تو اس کو بھی افغان قبائل نے تتر بتر کردیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر اورنگزیب خود دھلی سے چل کر حسن ابدال میں آکر مقیم ہوا۔ اور لشکر کو اپنی نگرانی میں لے کر مختلف اطراف میں اقدامات کرنے کے احکام جاری کرتا رہا۔ جون ۱۶۷۵ء میں مکرم خان لشکرِ کثیر لئے باجوڑ کے علاقے تک جا پہنچا

یوسف زئیوں سے جھڑپ ہوگئی جس میں کافی میں تعداد میں شاہی لشکر کے افراد مارے گئے۔ مکرم خان کا بھائی شمشیر اور اس کے بہنوئی میر عزیز اللہ بھی اس جنگ میں کام آئے۔ البتہ مکرم خان جان بچاکر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔

اورنگزیب کی سیاسی جوڑ توڑ کام کر گئی۔ اور سردارانِ قبائل کو شاہی حمایت پر رضامند کرلیا گیا۔ انعام و اکرام کی بارش ہوئی۔ کتنوں کو جاگیریں ملیں اور کتنوں کو مغل لشکر میں عزت و احترام کے عہدے ملے بہاکو خان جو اس وقت وفات پاچکا تھا۔ اس کے لڑکے زین خان کو مغل دربار میں اظہارِ وفاداری کرتے دیکھا گیا۔

بہاکو خان کے والد کا نام ماموں خان بن عثمان تھا۔ وہ صرف یوسف زئی ہی نہیں بلکہ تمام خیلے (خشی) قبائل کا قائد تھا۔ اس کے اقتدار میں تقریباً وہ سارا علاقہ جو خان گجو کے دوران زیرِ اثر تھا، یعنی باجوڑ سوات سے لیکر دوآبہ اشنغر اور چھچھ ہزارہ تک کا علاقہ شامل تھا۔ اراکینِ مملکت میں ظریف، حمید، بچے، کاچو اور حبیب اس کے مشیران اور کمانڈار تھے۔

سید محمود شاہ ولد مقام شاہ علاقہ گدون موضع گندف نے اپنی قلمی تصنیف مفاتح الانساب جس کی نقل پشتو اکیڈیمی پشاور میں موجود ہے، لکھتا ہے کہ:-

"یوسف زئی کے ملک میں ایک راجہ پیدا ہوا جس کا نام باکو تھا۔ اور باجوڑ سے دریائے سندھ تک اس کے فوجی قلعے تھے جن میں باقاعدہ فوج اور چوکیدار رہا کرتے تھے اور اپنے تمام مقبوضہ ممالک سے باقاعدہ مالیہ اور حقوق حکمرانی وصول کرتا تھا۔"

بہاکو خان بیمار ہو کر بقضائے الٰہی اپنے گھر واقع بی بی ڈھیری نزد کوگا چمد میں فوت ہوئے ۔ اور بمقام چمد موضع سنکوی کے مغرب میں مدفون ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے ۔ آمین۔

بہاکو خان ایک کامیاب سربراہِ مملکت یوسف زئی رہا تھا۔ سب لوگ ان کے عہد میں امن وامان سے رہے اور خوشحال تھے۔ یہ اُن کا آخری سربراہ تھا ۔ اور اس کی وفات کے بعد کسی سربراہ مملکت کے انتخاب کے بارے میں یوسف زئی متفق نہ ہو سکے ۔ گویا یہاں سے زوال شروع ہوا۔

ع نۂ شاهی نهٔ فقیری دچا مدام وی
نهٔ کچکول ڈکد اجے نهٔ شاهی جام وی
دآسمان دګرځشونو انقلاب دے
کله ورځ شی کله شپه کله ماښام وی

بہاکو خان کے بہترین رفقاء ۔ اخون سالاک و اخون سباک

اخون سالاک طوغر کے تھے اور طوغر اصل میں ترین افغان ہیں ۔ ان کے والد ماجد علاقہ خٹک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے ۔ اخوند صاحب بہاکو خان کے عہد میں علاقہ یوسف زئی جاکر غازیوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور سلسلۂ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا ۔ شب وروز یہی شغل رہتا تھا جس کا کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اخون سالاک کے چار بیٹے میاں بابا ، شیخ بابا ، پاچا بابا اور سیرئی بابا کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ سیرئی بابا کی اولاد سیرئی نزد مارتونگ اور کچھ کابل گرام میں آباد ہیں ۔ میاں بابا کی اولاد کابل گرام کچھ کلالئی علاقہ پورن میں آباد ہیں ۔ شیخ بابا کی اولاد دریائے سندھ پار مشرقی

جانب دوڑمیرہ میں آباد ہیں ۔ پاچا بابا کی اولاد سیرئی علاقہ پورن میں آباد ہیں ۔ اخون سالاک کی کچھ اولاد میر احمد خیل کے ساتھ مرغز میں آباد ہیں ۔ جو اخون خیل سے مشہور ہیں ۔ اور اُن کے کچھ گھرانے مواضعات چینئی علاقہ گدون اور مہابن کے اوپر اور کچھ موضع جلالہ تپہ بائی زئی اور موضع درہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں اور ان کا ہم نسل خاندان طوغر موضع جنگدرہ خدو خیل کے ساتھ رہتے ہیں ۔ اخوند سالاک کی قبر کابل گرام میں ہے ۔ جیسا کہ وہ ایک مشہور غازی و مجاہد تھے ۔ اس طرح وہ صاحب تصانیف بھی تھے۔

میر احمد شاہ اپنی تصنیف تحفۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ :۔

" اخون سالاک کی تصانیف میں فتاویٰ غریبہ ، بحرالانساب، غزوہ اور مناقب زیادہ مشہور تھے "

پھر آگے لکھتا ہے کہ :۔

" اخون سباک برادر اخون سالاک نیز مرید اخون پنجو بودہ که مزارش در ملک یوسف زئی تپہ سدھوم قریہ بجھڑ وچ بہ فاصلہ چار میل واز موضع رستم بہ طرف شمال است "

اخون سباک کی اولاد موضع بجھڑ وچ میں اور چملہ کے مواضعات جنگئی ، کوریا ، کداں اور کلالئی پورن میں آباد ہیں اور بجھڑ وچ سے ان کے چند گھرانے گوجر گڑھی میں آباد ہو چکے ہیں جن میں میاں فضل اللہ کافی شہرت کے مالک تھے۔

اخون سباک کا ذاتی اسلحہ تلوار اور ڈھال وغیرہ اور چارپائی جو وہ استعمال کرتے تھے ۔ اس وقت بھی کوریا میں ان کے لواحقین کے پاس موجود ہیں اور لوگ انہیں بطورِ تبرک کے دیکھتے ہیں ۔ اخون سباک اور اخون سالاک دونوں بزرگانِ دین تھے اور تبلیغ و جہاد

اور آزادی کے شیدائی ، لہٰذا ان مقاصد کے حصول کیلئے ان کو علاقہ یوسف زئی پسند آیا اور اخون پنجو اور کاکا صاحب کے مشورے سے انہوں نے اس آزاد علاقہ جو مغلوں کے اثر سے پاک تھا ، میں جینے مرنے کا مصمم ارادہ کیا ۔ اور دونوں یکے بعد دیگرے اس علاقہ میں آگئے ۔ وہ بہاکو خان یوسف زئی کے دوست اور مغلوں اور ان کے حمایتیوں کے سخت مخالف تھے ۔ الغرض کاکا صاحب نے اپنا ایک خاص مرید فقیر چنبل بیگ (کہ دراصل خان خٹک خوارہ بود) چند آدمیوں سمیت اخون سالاک کے ہمراہ کر کے رخصت کیا ، اخون سالاک پہلے موضع شوا پہنچے اُس وقت خضر زئی تپہ رزڑ کا خان عمر خان خضر زئی تھا اور اخون وپیشوا بہاکو خان تھا ، انہوں نے رزڑ کے لوگوں کو بمقام شوا تپہ رزڑ (صوابی) جمع کیا اور بہاکو خان کے پاس پنجتار روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ شامل ہوگئے ان ایام میں بہاکو خان کوڈوما کافر سے جہاد کے تیاری میں مصروف تھا ۔ اخون سالاک اور ان کے ساتھیوں کا جانا بھی اسی مقصد کے لئے تھا ۔ تحفۃ الاولیاء میں ہے "اخون سالاک از گذر جہانگیرہ از دریائے لنڈے عبور کردہ بہ یوسف زئی آمدہ اول بہ رزڑ وابا خیل بمقام شوا (نزد) شیخ جانا ۔ کہ دراں ایام رئیس آنجا عمر خان[1] نام مردے صالح بود و بڈو خان ، خان رزڑ بود ، فراہم آوردہ بہ پنجتار آمدہ بہاکو خان نام کہ دراں وقت خان پنجتار بود بہ ہمراہ ایشاں شد" اور بہاکو خان کے ساتھ جہاد کے کام کو تیز کیا اور کافروں سے جنگیں لڑی گئیں ان کا علاقہ ان سے خالی کر کے وہاں یوسف زئی قبائل خدو خیل امان زئی ، عیسیٰ زئی ، چغرزئی ، مخوزئی ، بابوزئی ، جگکی خیل ، عزی خیل ، آباد کئے گئے جو اب تک وہیں آباد ہیں ۔

---

[1] عمر خان بن احمد بن شمو خضر زئی مندڑ یوسف زئی راقم الحروف روشن خان کی والدہ صاحبہ کا جزّ امجد ہے ۔ اور ان کی اولاد عمر زئی کے نام سے اب تک تحصیل صوابی میں بمقام شیوا تپہ رزڑ کندے احمد خیل میں آباد ہیں ۔ اخون بابا کا تعارف آگے صفحہ پر خضر بن مندڑ کے بیان میں درج ہے۔

باب (۹)

بہاکو خان کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ انفرادی قیادت کا مرض پیدا ہوا ۔ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا تعمیر کرنے کی فکر کی ۔ وہ لوگ جنہوں نے تاتاریوں کو ڈوما کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا ، اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ سے نبرد آزما رہے تھے اب اس انفرادیت کی وجہ سے متحد نہ رہ سکے تو دشمن کے ہاتھوں روندوائے گئے ۔ اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان ہوگیا ۔

کہا جاتا ہے کہ علاقہ یوسف زئی میں جب کہ ہمیشہ ایک منتخب سربراہِ مملکت حکومت کرتا رہا ۔ بہاکو خان کے بعد خوانین کی تعداد ۳۰ تک پہنچ کر سبھوں نے اپنی اپنی ریاستیں بنائیں ۔

بہاکو خان کے بھائی سید خان کے خوشحال خان خٹک کے چچا فیروز خان کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد خوشحال خان اورنگزیب کا منظورِ نظر بن گیا تھا ۔ جس کی وجہ سے اسے یوسف زئیوں سے بدلہ لینے کا زریں موقع ہاتھ آگیا ۔ چنانچہ ۱۶۰۲ء میں خوشحال خان اور یوسف زئیوں میں شدید جنگ ہوئی ۔ یوسف زئی کامیاب رہے ، اور انہوں نے اپنے علاقے سے مغل سپاہی اور تری خٹکوں کو نکال باہر کیا ، دوسرے سال خوشحال خان نے پھر حسب سابق یوسف زئیوں

پر اچانک حملہ کر دیا مگر ناکام ہو کر بھاگ نکلا۔ اور یہ چھیڑ بھی مسلسل جاری رہیں۔

اس دوران خوشحال خان کا دربارِ شاہی میں اثر و رسوخ دیکھتے ہوئے کئی الاکینِ دربار اور اس کے اپنے متعلقین آتشِ رقابت سے بیقرار ہوئے جن میں اس کے دو چچوں بہادر خان اور فیروز خان کے نام قابلِ ذکر ہیں سازشیں ہونے لگیں اور اورنگزیب کے دل میں شکوک پیدا کئے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خوشحال خان کو ۱۶۶۴ء میں گرفتار کر کے ہندوستان بھیجا گیا اور ایک عرصہ تک وہاں قید و بند میں رہا۔ قید کے دوران اُسے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ حکومت اس کے بال بچوں کو بھی گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے بادلِ ناخواستہ یوسفزیوں سے امداد طلب کی۔ یوسف زئی جرگہ نے تمام گزشتہ واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے خاندان بلکہ تقریباً یکصد دیگر متعلق خاندانوں کو بھی موضع اکوڑہ سے لاکر اپنے علاقہ میں پناہ دی اور انہیں سیکری کے مقام میں محفوظ کر لیا۔ جو ضلع مردان میں کاٹلنگ اور جمال گڑھی کے درمیان واقع ہے۔ موجودہ وقت میں یہ مقام شیکری بابا کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ لوگ خوشحال خان کے قید سے وطن واپسی تک یہیں مقیم رہے۔

مغلوں کیخلاف جب یوسف زیوں کی ہنگامہ آرائی نے شدت اختیار کی، تو ۱۶۶۸ء میں مہابت خان کو گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ مہابت خان کے کہنے پر خوشحال خان کو بھی رہائی اور وطن جانے کی اجازت ملی۔ جس پر اس کے تعلقات حکومت کے ساتھ پھر خوشگوار ہو گئے۔ اورنگزیب نے لنگر کوٹ (گڑھی امازئی) میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ یوسف زئیوں کی دست درازیوں کو روکا جا سکے۔

خوشحال خان نے مخالفت کی تاہم قلعہ ۱۶۶۹ء میں تعمیر ہو گیا۔ خوشحال خان نے قلعہ کی تعمیر کی مخالفت کرتے ہوئے مہابت خان کو لکھا:۔

چند کھنگل مے نمائی بے بقا دیوار را
گر تو لنگر کوٹ خواہی قلعہ کن دمغار را

اور یوسف زئیوں کے مہمات کے حق میں اس نے یہ مشورہ بھی دیا۔

مہم دیوسف زو دے درنہ وایمہ بنکارہ
دخرہ خسی کول لوس کندہ کا کریوان یارہ

اس قلعہ کے تعمیر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یوسف زئیوں نے اس کے خاندان اور بچوں کو پناہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ اُن کا زیرِ بارِ احسان تھا۔ دوئم وجہ یہ تھی کہ وہ یوسف زئیوں کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ ان کی فطرت، عزم اور بہادری سے پوری طرح آشنا تھا اور اُسے ڈر تھا کہ اس قلعہ کی تعمیر سے لامحالہ یوسف زئیوں سے حالات بگڑیں گے۔ اور وہ کبھی بھی یہ برداشت نہ کرتے ہوئے یلغار کرنے پر کمربستہ ہوں گے جب مغل حکومت نے اس کے مشورہ سے اتفاق نہ کرتے ہوئے قلعہ تعمیر کر لیا۔ تو وہ بیماری کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلا گیا۔

خوشحال خان کے اشعار کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی اور جیون خان طاؤس خیل امان زئی جس نے اخوند سالاک اور بہاکو خان کی معیت میں قوم ڈوما سے نبرد آزما ہوا تھا۔ اس کے لڑکے مصری خان جس نے کمالِ ہمت سے اپنے قبیلہ کی قیادت کی تھی اور خٹکوں سے کشمکش کے دوران بھی وہ قبیلہ امازئی کی پوری طرح حفاظت کرتا رہا اور خوشحال خان کے خاندان والوں کو

بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینے میں بھی شامل تھا۔ اُسے مغلوں کے صوبیدار اللہ داد نے جو لنگر کوٹ قلعہ میں مقیم تھا، مغلوں کیلئے ایک مستقل خطرہ ظاہر کیا۔ اور سازش کرتے ہوئے تربوز میں زہر دیکر مروا ڈالا۔

مصری خان کے لڑکے صاحب خان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے دیر، سوات اور بونیر پہنچ کر وہاں کے خوانین اور علماء سے امداد طلب کی۔ اور لشکر لاکے قلعہ لنگر کوٹ کو مسمار کر دیا صرف مسجد چھوڑی جو اب بھی خستہ حالت میں اُس کے آثار موجود ہے۔ یہ لشکر آگے بڑھا اور اورنگزیب کے دوسرے لشکری اور حامی گروہوں کو غلہ ڈھیر کے مقام پر شکست دے کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ لنگر کوٹ کے اس معرکہ میں مغل لشکری اور نائبانِ حکومت سب مارے گئے اور اس طرح مغل اقتدار سے علاقہ یوسف زئی خالی ہو گیا۔

اورنگزیب کی وفات کے بعد مغل حکومت کمزور پڑ گئی۔ اس کے جانشین حصول اقتدار کیلئے آپس میں دست بہ گریبان ہونے لگے جہاں کسی گورنر کو موقع ملا اُس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ اور جہاں جسے طاقت ملی اُس نے اپنی جدا حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اِدھر مرہٹے بھی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ دریں اثنا محمد شاہ مغل کے عہدِ حکومت میں ناصر خان نامی ایک شخص ۱۷۹۱ء میں پشاور کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اُسے اپنی حکومت کی کمزوری کا پوری طرح علم تھا۔ اس لئے اس نے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے افغانوں سے ایسا سلوک کیا کہ جلد ہی وہ اُن میں ہر دلعزیز دکھائی دینے لگا۔

نادر شاہ ایرانی

موجودہ افغانستان میں اُن دنوں نادر شاہ کی حکومت تھی۔ ناصر خان کو نادر شاہ کے عزائم کا پتہ چل گیا تھا اور اس سلسلہ میں اُس نے مرکز کو مطلع بھی کیا۔ مگر مرکزی حکومت بوجہ بے بسی کے متوجہ نہ ہو سکی۔ تو نادر شاہ ۱۷۳۸ء میں پشاور آ پہنچا۔ ناصر خان نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اطاعت قبول کر لی اور اپنے تدبر سے نادر شاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس دوران جب کہ نادر شاہ دہلی پر چڑھائی کا تیاری کر رہا تھا۔ یوسف زئیوں کے ایک جرگہ نے اس سے پشاور میں ملاقات کی اور اُسے ایک قلمی نسخہ توراۃ عبرانی زبان کا پیش کیا۔ جس سے وہ اور اس کے یہودی افسران بہت خوش ہوئے۔ اس کی مزید وضاحت سابق سرخپوش لیڈر قاضی عطاء اللہ خان نے بھی اپنی تصنیف "د پښتنو تاریخ" میں کی ہے۔ علاقہ یوسف زئی پر نادر شاہ نے کچھ تعرض نہ کیا اور اس کی فوجیں نہایت خاموشی سے اٹک پار کر گئیں۔

نادر شاہ جب دہلی فتح کر کے واپس لوٹا تو اس نے سلطنت مغلیہ محمد شاہ کو سونپ دی۔ اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو دہلی سے جدا کرتے ہوئے موجودہ افغانستان سے ملا دیا۔ اس طرح ۱۷۳۹ء میں دریائے سندھ پار کے مغربی سرحدی علاقہ سے ہمیشہ کیلئے مغل سیادت کا خاتمہ ہوا۔

یہاں پر ایک واقعے کا ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ جب نادر شاہ

دہلی سے واپسی پر اٹک قلعہ میں مقیم ہوا۔ تو ایک روایت کے مطابق موضع کنڈل علاقہ اتمان یوسف زئی کا ۔ ایک شخص ایک رات کسی طریقہ سے گھس کر نادرشاہ کی بیگم کا ہار اُٹھا لایا۔ صبح جب اس کا علم نادرشاہ کو ہوا تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہوگیا۔ اور سمجھا کر یہ کاروائی ملحقہ علاقہ خٹک کے کسی شخص کی ہو سکتی ہے تو اس نے لشکر کو ملحقہ علاقوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ نوشہرہ تک کا علاقہ انہوں نے پامال کر دیا۔ اور واپس قلعہ میں لوٹ آئے۔ دریں اثنا کسی نے اصلی چور کے متعلق شاہ کو مطلع کیا تو شاہ نے اس طرف کو پامال کرنے کا حکم دیدیا۔ اور فوج جہانگیرہ کے راستے چل پڑی۔ جو کوئی سامنے آیا تہہ تیغ کیا اور ایک طوفان کی شکل میں کنڈل جا پہنچے۔ بتایا جاتا ہے کہ کنڈل کو ایسے تہہ و بالا کیا کہ وہاں نہ کوئی گھر رہا اور نہ کوئی مکین۔ یوسف زئیوں کو اس طوفانی حملے کا علم ہوا تو وہ بھی جگہ جگہ مقابلہ کیلئے اکٹھے ہونے لگے مگر نادرشاہ جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے واپس اٹک جا پہنچا۔ البتہ اس کا ایک جرنیل موضع بام خیل کے پاس یوسف زئیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر نادرشاہ عازم کابل ہوا۔ ناصر خان کو اس کی وفاداری کے صلے میں پشاور اور کابل دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ناصر خان کی پالیسی صلح کل تھی۔ اس وجہ سے افغان اُس سے خوش تھے۔ پہاڑوں میں بسنے والے آفریدی، مہمند اور وزیر وغیرہ آزاد رہے۔ البتہ میدانی علاقوں میں بسنے والوں سے واجبات حکومت اور مالیہ وغیرہ وصول کرنے کیلئے خود اُن کے سرداروں کو ہی مقرر کیا۔ اور وہ انعام واکرام کے لالچ میں یہ

فرائض بخوبی ادا کرتے رہے۔ واضح رہے کہ یوسف زئی پہاڑی اور میدانی علاقوں میں تمامیتاً آزاد رہے۔ یہ طریقہ کار نادرشاہ کی وفات ۱۷۴۷ء تک جاری رہا۔

دَورِ ابدالی

نادرشاہ کی وفات پر احمد شاہ ابدالی جسے نادرشاہ کی فوج میں اعلیٰ اعزاز حاصل تھا، بادشاہ منتخب ہوا۔ اس نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور ساتھ ہی اُس خزانہ پر جو نادرشاہ کے لئے کابل اور سندھ سے بھیجا گیا تھا۔ پھر کابل اور پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر کئی حملے کئے۔ جس میں میاں عمر چمکنی جو ایک افغان مذہبی راہنما تھے، کی وساطت سے یوسف زئی پیش پیش تھے۔ اور ہندوستان میں مقیم یوسف زئی برسرِ اقتدار افراد نے ہی احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے مرہٹوں کا پانی پت کے میدان میں خاتمہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کے ساٹھ سالہ دورِ حکومت جسے درانی دورِ حکومت بھی کہا جاتا ہے، میں یوسف زئی حسبِ سابق اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ درانی حکومت کا ان پر سایہ تک نہ پڑ سکا۔

ابدالی حکومت کا زوال اور بارکزئی کا آغاز

احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کی وفات ہوتے ہی افغانستان میں بادشاہ گردی کا دور دورہ تھا۔ تیمور شاہ کے بیٹوں میں حصولِ اقتدار کیلئے کشمکش ہو رہی تھی۔ ان حالات میں زمان شاہ

کے بعد شاہ محمود نے عنانِ سلطنت سنبھالی تو فتح خان بارکزئی برادر دوست محمد خان شاہِ کابل جیسا مدبر اُسے مل گیا۔ جس نے حالات پر قابو پالیا۔ شاہ محمود برائے نام حکمران تھا حقیقی طاقت فتح خان وزیر کے ہاتھ میں تھی۔ شاہی خاندان کے دوسرے افراد اُسے برداشت نہ کر سکے۔ تو ۱۸۱۸ء میں شاہ محمود کے بیٹے کامران نے اُسے قتل کر دیا۔ فتح خان کا بھائی محمد عظیم خان اس وقت کشمیر میں حاکم کی حیثیت سے مقیم تھا۔ اطلاع ملنے پر کابل پہنچا اور اپنے تدبر اور رسوخ سے حالات پر قابو پالیا۔ جس وقت ۱۸۱۳ء میں سکھوں نے اٹک قلعہ پر قبضہ کیا تھا۔ اس وقت افغانستان کے شاہی خاندان میں اختلافات زوروں پر تھے۔ خونریزی کا بازار گرم تھا۔ سکھوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۱۸۱۸ء میں اچانک اقدام کرتے ہوئے خیبر کے مشرق میں ترم کے پہاڑوں تک کے علاقہ کو روند ڈالا۔ لیکن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور واپس لوٹ گئے۔ محمد عظیم خان ملکی معاملات میں پھنس چکا تھا اور ساتھ ہی اُسے سکھوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے پریشان کیا۔ خصوصاً ان حالات میں کہ خود شاہی خاندان کے سکھوں کے ساتھ اتحاد کا خطرہ دامنگیر تھا۔ بہ این ہمہ اس نے سکھوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے ارادہ سے ۱۸۲۳ء میں اقدام کرتے ہوئے پشاور تک جا پہنچا۔

سکھوں کا دور اور سردارانِ پشاور

سکھوں کی طاقت ابھی عروج پر تھی اور وہ پہلے سے اس علاقہ پر اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ پوری طرح کیل

کانٹے سے لیس ہو کر سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے دریائے کابل کے دونوں کناروں شمالاً جنوباً سے یلغار کرتے ہوئے نوشہرہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس لشکر کی قیادت رنجیت سنگھ خود کر رہا تھا۔ عظیم خان کی دعوت پر دوسرے قبائل تو شریکِ جنگ نہ ہو سکے۔ البتہ خٹک اور یوسف زئی میدان میں کود پڑے۔ یوسف زئیوں نے دریائے کابل کے شمال کی طرف میدان میں قدم جما لیے اُدھر جنوب میں خٹک اور محمد عظیم خان اپنا لشکر لیے میدانِ جنگ میں پہنچے، سکھ لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ افغان دو حصوں میں بٹ گئے، ایک حصہ یوسف زئی قبائل کا اور دوسرا محمد عظیم کے زیرِ کمان۔ دونوں کے درمیان دریائے کابل حائل تھا جس کی وجہ سے دونوں نے اپنی اپنی طرف کی ذمہ داری قبول کی اور اقرار ہوا کہ ہر ایک فریق اپنے اپنے محاذ پر جنگ شروع کر کے آگے بڑھے لہذا یوسف زئی نے جنگ شروع کی اور اس شدت سے معروفِ جنگ ہوئے کہ نوشہرہ سے سکھوں کو مارتے مارتے پیر سباک تک ان کو پسپا کر دیا، سکھوں کی شکست یقینی ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے تھے۔ اس بارے میں ایک ہندو مصنف گلشن لال چوپڑہ جو وہاں موجود تھا، کو لکھنا پڑا کہ:۔

> "یوسف زئی افغانوں نے کمالِ بہادری سے جنگ لڑتے ہوئے سکھوں کے چھکے چھڑا دیے حتیٰ کہ اُن کے پاؤں اکھڑنے لگے۔" (بحوالہ یوسفی)

رنجیت سنگھ نے یہ حالت دیکھی تو خود لشکر کا علم اٹھائے ہوئے دریا پار کر کے جنوب سے شمالی محاذ پر پہنچا جس سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور دریا کے آر پار کے سب سکھ لشکر یہاں جمع ہو کر پوری

شدت سے حملہ آور ہوئے تو اپنی کثرت اور فوجی نظام کی وجہ سے کامیاب
رہے۔ اس جنگ میں یوسف زئیوں کی بہادری کا مؤرخین نے خاص
طور پر ذکر کیا اور بتایا کہ شام کے قریب آخری حملہ میں سینکڑوں یوسف
زئی مجاہدین اس جرأت اور دلیری سے لڑے جس کی مثال بمشکل ملے گی
اور وہ ایک ایک کرکے سب مارے گئے تھے۔ یہ جنگ نوشہرہ کے قریب
شروع ہوکر موضع پیر سباک تک لڑی گئی تھی اور اس کی یاد میں سکھوں
نے ایک گوردوارہ تعمیر کیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ اس جنگ
میں یوسف زئی قبائل کی ہر ذیلی شاخ کے افراد شامل ہوئے تھے۔
اور ایک روایت کے مطابق میدانی اور بالائی علاقوں کے یوسف زئی
منڈڑ گھرانوں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جو اپنے شہداء کے لئے نوحہ
خوان نہ رہا ہو اور یہ بھی روایت ہے کہ اکثر شہداء کے گھوڑے میدان
جنگ سے خالی زین کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹے تھے۔

سابق سرخ پوش لیڈر قاضی عطاء اللہ اپنی تصنیف "د پښتنو
تاریخ" جلد اول میں اس جنگ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے
ہیں کہ:۔

"عظیم خان کے یوسف زئیوں سے امداد طلب کرنے پر قبیلہ یوسف زئی
کے بے شمار جوان معہ اپنے اکابرین کے نوشہرہ کے مقام پر دریائے
کابل کے شمالی کنارے پر جمع ہوئے۔ عظیم خان کے ساتھ دوسرے
قبائل دریائے کابل کے جنوبی کنارے پر اکٹھے ہوگئے۔ سکھ لشکر پہلے
ہی سے اُن کے مقابلہ کیلئے دریا کے دونوں طرف مورچے ڈالے ہوئے
تھے۔ اگرچہ تمام یوسف زئی اس مشترکہ خطرے کے پیش نظر بہت
اخلاص سے ساتھ جمع ہوئے تھے مگر چونکہ یوسف زئی قبائل کا کوئی
خاص سالار نہیں تھا اور نہ اُن کو باقاعدہ جنگ کی تربیت دی گئی تھی

ذان کے ساتھ توپ خانہ تھا۔ اُن کے مقابلہ میں سکھوں کی فوج منظم
اور یورپین افسروں کے زیر کمان تھی۔ اور رنجیت سنگھ خود اپنی فوج
کو لڑانے کی خاطر اُن کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ۱۴ مارچ ۱۸۲۳ء کو دونوں
فوجوں کا مقابلہ نوشہرہ کے متذکرہ مقامات پر شروع ہوا۔ جنگ دریا
کے دونوں کناروں پر ہوتی رہی۔ مگر جب سکھوں کو یقین ہوگیا کہ
عظیم خان کی جانب مقابلہ نہ ہونے کے برابر ہے اور دوسری طرف سے
یوسف زئی بڑی شدت سے لڑ رہے تھے تو انہوں نے عظیم خان کی
جانب سے سکھ لشکر کو بھی جو جنرل الیارڈ (ALIARD) کے زیر کمان
تھی، یوسف زئی پر حملہ آور ہونے کے لئے دریا پار روانہ کیا۔ چاہئے
تو یہ تھا کہ عظیم خان اس امدادی سکھ لشکر کو دریا پار کرنے کیلئے نہ
چھوڑتا۔ اس نے ایسا نہ کیا بلکہ یوسف زئی کو کسی بھی قسم کی امداد
نہ دی اور عظیم خان کے لشکر کی کمزوری اور بزدلی نیز یوسف زئی کی
ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کے بنا پر مزید سکھ لشکر بغیر کسی رکاوٹ کے
شمال کو دریا پار کر گئے۔ یوسف زئی جوان اس بہادری اور شجاعت
سے لڑے کہ انہوں نے سکھوں کے چار حملوں کو یکے بعد دیگرے
پسپا کر دیا۔ اور قریب تھا کہ رنجیت سنگھ کی پوری فوج کو مکمل شکست
دیتے مگر رنجیت سنگھ پانچویں حملہ میں خود آگے بڑھا اور تمام فوج
کو جنرل ونچورا (VENTURA) کے زیر کمان یوسف زئی پر
حملہ کرنے کا اقدام کیا۔ عظیم خان اور اس کے بھائی دریا کے دوسرے
کنارے پر تماشہ دیکھتے رہے۔ اور کسی قسم کی امداد یوسف زئی کو
نہ دی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ عظیم خان کے بھائیوں کو رنجیت سنگھ نے
رشوت دی تھی۔ اور وہ سکھوں کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتے
تھے۔ عظیم خان کا تمام خزانہ اور گھر کی خواتین میچنی کے مقام پر تھے۔

اور عظیم خان کو یوسف زئی کا نہیں بلکہ اپنے خزانہ اور خواتین کی زیادہ فکر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی سردار یار محمد خان اور سردار سلطان محمد خان سکھوں کی طرفداری میں تھے اور اگر وہ اپنی فوج دریا کے پار ایسی حالت میں لے جاتا تو اُسے شکست کھانا پڑتی اور اس کا تمام خزانہ اور خواتین دشمن کے ہاتھ میں چلے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف زئی سخت مقابلہ کے بعد شکست کھا گئے۔ لیکن اس شکست کے بعد جلد ہی یہ جانباز اور بہادر یوسف زئی مجاہدین دوسرے روز اکٹھے ہوگئے اور پیرزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن دوپہر کو انہیں معلوم ہوا کہ عظیم خان دوسری جانب سے بھاگ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس ہوگئے۔ اس کے بعد وہ اپنے پہاڑی اور میدانی علاقوں سے ہمیشہ کے لئے سکھوں کے ساتھ جنگیں لڑتے رہے۔ نوشہرہ کی اس جنگ کے متعلق اُس وقت موبذی نامی ایک شاعر نے ایک چاربیتہ کہی ہے جسے ہم یہاں پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں :-

چاربیتہ

قاصد دَ بادشاه راغے یوسف زئی اولړزیدهٔ
په نیت دَ غزا لاړشه په نوښار اوڅڼیدهٔ
قاصد دَ بادشاه راغے رالیږلے عظیم خان
دَ اولسه جرګه کړل مُلایان او ملکان
دا رد کولئ په مادی درکوم به خرڅ تاوان

الفاظ ئے خوږ شکرو په چا اوراولګیدهٔ
الفاظ ئے خوږ شکرو وُ پرِ راضی یُوسف نا شُوهٔ
راتلل به ځائے ترځایه نه ئے خوب نه ئے دمه شُو
خیل کور په هر ځا اُورشو هیڅ دا سے علامه شُوهٔ
توکل دُعاء ئے اوکړه سیلاب و نه بهیدهٔ !
توکل دُعائے اوکړه آلوزی وو په ذړګونه
راتلل ئے مشران د سینے په غاړه لګه غرونه
دَ زغرو ئے ځلکے وے، دوشالے ئے په سرونه
دَ کُسن په صفت ئے بادشاهان نه مُریدهٔ
دَ کُسن په صفت به ئے لګیا یم ځو ځو کاله
ګلونه دَ ګلاب وُو خزان تو ئے کړه زما لاله
ساتل به مینه و خوئیند وه الله وروستل قضا له
اجل ئے په ډیرو وُو دلته هسے لویدهٔ
اَجل ئے په ډیرو وُو اشیزو اوکړله تُورهٔ
رحمت په سالار نوشه مُدّعا ئے کړه حضورهٔ
نران دی کُه ائے زئی سرو نه نه اړئی له ترېُورهٔ
خاوندهٔ خدین خیل د پیښے کله تښتیدهٔ
د پیښے نه چار وزی نورزی دی اژدران
مُدام ئے صف جنګی وی داو ښکلو په میدان
دَ الله نوم چه به ئے واغست تر په مات شولو سکهان
دَ نخښو دَ ګمند ئے رنجیت اویریدهٔ
دَ نخښو په ګمند کښی شهید شو کړے پیرخان
دَقام په ځکښی مړهٔ شول فیض طلب او لطف خان

شیرواد، ماب اله روزړه پر میرات شو سرو رخان
دولت زئی د لوئے ملا سره لعلونه تو ئیدهٔ

اسمٰعیل زئی د لوئے ملا په مخکښ مړه شول امانت
معصم او عدل شاه د الله کاندی په جنت
ذاو بنکلو جنګ ئے او کړو په میدان کښ نیه ساعت

په مرګ ئے په آسمان کښ ملائیک اوترپیدهٔ

په مزکه ژاړی چونه ملوئیک دی په آسمان
یو چرګ په ناره پر یوت اخونخیل شو بندیوان
د مرکه پورے پلار د حضرت دین کوی ایمان

میرات ئے پا لنګونه په میدان خاوڑے کیدهٔ

میرات ئے پا لنګونه په میدان شو لو یوازے
ژاړی مینده خوینده کلے ئے کړے آغازے
د غاورو نه شوے لغندے هغه بنځے پکوړی دراز

په صفت ئے مویزے تکه فولاد اوبشیدهٔ

صفت دیوسف زو کوم چه قتل ئے کړل خان
په مخکښ ئے تمام شول پیر ملا او صاحبزادگان
په دوزخ کښ به کفار وی په جنت کښ د اغازیان

هر بیت د مویزی تکه مرجان بیعه کیدهٔ

بہ شکریہ قاضی عطاء اللہ غفرہ اللہ

الغرض اس جنگ میں سیکڑوں سکھ لشکری مارے گئے اور سکھوں کا مشہور جرنیل پھولا سنگھ بھی مارا گیا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور تک یلغار جاری رکھی۔ تاخت و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا

پشاور کی عمارتوں کو توڑا پھوڑا گیا۔ سکھوں کے لشکر کو اپنی بستیوں کے قریب دیکھ کر آفریدیوں کو فکر دامنگیر ہوئی۔ تو انہوں نے ایک رات دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس سے سکھ لشکر کو سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ آفریدی ان کا مال و اسباب لوٹ کر لیگئے۔ رنجیت سنگھ ان حالات سے سخت دل برداشتہ ہوا تو افغانستان کے بارکزئی چار سرداروں کو جو اس وقت پشاور میں تھے، اس شرط پر اقتدار قائم رکھنے کی اجازت دیدی کہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ ان چار بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ سید محمد خان، یار محمد خان، سلطان محمد خان اور پیر محمد خان پسران پائندہ خان جو سرداران پشاور سے مشہور ہیں۔

اس جنگ کے بعد عظیم خان بیمار ہوا اور اس نے اپنے فوج کا سپہ سالار دوست محمد خان مقرر کیا۔

اسی دوران (۱۸۲۶ء) سید احمد شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لیے نمودار ہوئے۔ انہوں نے سکھوں سے جنگ لڑی، ان کے پیروکار مسلسل نبرد آزما رہے۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائیگا۔ پھر سید احمد شہید کی وفات پر جب ان کی جماعت منتشر ہوگئی، اور سکھوں کو اپنے مقابل صرف بارکزئی سردار نظر آنے لگے۔ جو کئی بار اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار کر چکے تھے تو سکھوں نے انہیں بھی ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک سکھ کافی طاقتور ہو چکے تھے۔ اور رنجیت سنگھ موقع کی تلاش میں تھا اسی دوران عظیم خان نے بھی وفات پائی۔ ان حالات میں سردار دوست محمد خان نے کابل میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ پشاور کے بارکزئی سردار اُسے برداشت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے اُسے تخت سے اُتارنے کیلئے سکھوں سے ساز باز شروع کی۔ جو حقیقتاً خود ان کی تباہی

کا باعث بنی۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی ہدایت کی اور اس نے اپنے لشکر سمیت پشاور کے قریب موضع چمکنی میں کیمپ نصب کر دیا۔ وہی سردار جو رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی طاقت کو کچلنے کی دعوت دے رہے تھے۔ نلوہ کے لشکر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اور جو جال دوست محمد خان کیلئے بچھایا جا رہا تھا۔ اس میں خود پھنس جانے کا خطرہ دامنگیر ہوا۔ ہری سنگھ نلوہ نے جب انہیں بلا بھیجا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنے اہل وعیال کو لئے شبقدر کی طرف چل دیئے۔ تاکہ بوقت ضرورت مہمندوں کی پہاڑیوں میں پناہ لے سکیں۔ نلوہ نے جب یہ حالت دیکھی تو باطمینان خاطر ۱۸۳۴ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دوست محمد خان نے ۱۸۳۵ء میں سکھوں کو نکالنے کی کوشش کی اور لشکر لئے درہ خیبر آپہنچا لیکن وہ خود ان بارکزئی سرداروں سے مشکوک ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس طرح پشاور پر سکھوں کا مستقلاً قبضہ رہا۔

سکھوں کی طرف سے ہری سنگھ نلوہ فوجی گورنر کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے بالاحصار کی برباد شدہ بنیادوں پر قلعہ بالاحصار تعمیر کیا۔ یوسف زئیوں کی روک تھام اور پشاور اٹک کے درمیانی سڑک کی حفاظت کیلئے جہانگیرہ میں دوسرا قلعہ تعمیر کر دیا۔ وہ اپنی بربریت کے ثبوت میں یوسف زئیوں کے میدانی علاقوں پر اچانک خود حملے کرتا رہا۔ اُن کی آبادیوں کو ویران کرتا فصل تباہ کرتا اور جب یوسف زئی جوابی اقدام کرتے تو واپس بھاگ جاتا۔ میدانی علاقے کا شاید ہی کوئی گاؤں اس کے ظلم وستم اور ڈاکہ زنی سے بچا ہو۔ اس کے باوجود افغان طوقِ غلامی زیبِ گلو کرنے پر آمادہ نہ کئے

جاسکے۔

مہمندوں کے بہت قابلِ ذکر افراد مقبوضہ علاقے سے نکل کر بالائی علاقہ میں جا مقیم ہوئے اور وہیں سے انہوں نے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ موقع ملنے پر دوست محمد خان نے اپریل ۱۸۳۷ء میں سکھوں پر شدید حملہ کیا۔ جنگ ہوئی، ہری سنگھ نلوہ مارا گیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر پشاور پر قبضہ نہ کر سکا، اور واپس لوٹ گیا۔

رنجیت سنگھ نے جسے اس وقت تک سرحد پر حکومت کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔ پھر بارکزئی برادران کی طرف رُخ کیا۔ سردار سید محمد خان کو ہشتنگر اور سردار پیر محمد خان کو دوآبہ کا علاقہ سپرد ہوا۔ سردار سلطان محمد خان کو کوہاٹ کے محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے۔ پشاور کے گرد ونواح کا علاقہ تیجا سنگھ کی گورنری میں دیدیا گیا اور اس کو قبائلیوں کی یورشوں سے بچاؤ کے مکمل اختیارات دیئے گئے۔ تیجا سنگھ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا تو اس کی جگہ ایک اطالوی جرنیل اوٹیبائل (P.B. AVITABILE) کو بھیجا گیا جو پشاور میں اس وقت تک ابو طبیلہ کے نام سے مشہور ہے یہ گورنر ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا۔ یوسف زئیوں کے میدانی علاقوں سے کسی وقت بھی محصولات وصول نہ کیے جاسکے۔ اسی گورنر کے عہد میں سکھوں نے درہ کوہاٹ میں اقدام کرتے ہوئے نقصانِ عظیم اٹھایا تو ایک مصنف رنجیت سنگھ کے کابل فتح کرنے کے ارادے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"رنجیت سنگھ کیلئے کابل فتح کرنے کا خیال ایسا ہی ہے جیسے وہ چین کو فتح کرنے چلے" (بحوالہ یوسفی)

اور بقول ابوطبیلہ گورنر :۔

"خیبر کی طرف رُخ کرنے کے خیال سے ہی سکھوں کو دردِ قولنج شروع ہوجاتا تھا" (بحوالہ یوسفی)

سکھوں کا یہ جرنیل ابوطبیلہ بہت ظالم تھا۔ اس نے زورِ بازو سے محصولات وصول کرنے شروع کیے۔ یوسف زئی تو پہلے ہی سے اس کے جبر و تشدد کے عادی تھے۔ اب خلیل اور مہمند بھی جو کہ تعاون پر آمادہ تھے، مقبوضہ علاقہ سے بھاگنا شروع ہوئے۔ ادھر ہندوؤں کو پہلی بار افغانوں پر ظلم ڈھانے کا موقع ملا۔ کئی علاقوں میں ہندو سرمایہ داروں کو محصولات وصول کرنے کے اختیارات دیئے گئے تھے انہوں نے من مانی کاروائیاں کیں۔ اور اپنی عیاری سے اصل رقومات سے زائد مال و زر جمع کرنا شروع کیا۔ دیگر ابوطبیلہ کے عہد میں مقامی باشندوں کی باہمی دشمنیوں کو ہوا دی جانے لگی۔ اور طرفین پر بھاری جرمانے عائد کیے گئے۔ اندرونِ ملک کسی وقت امن قائم نہ ہو سکا اور سرحدات پر قبائلی حملوں کی بھی بہتات تھی۔ نتیجہ یہ کہ پشاور شہر کے ارد گرد جگہ جگہ پھانسی لگانے کا سامان نظر آنے لگا۔

ابوطبیلہ کے بعد دوسری بار تیجا سنگھ نے پشاور کی گورنری کا چارج لیا اور ۱۸۴۴ء تک مقیم رہا۔ اس کے بعد شیر سنگھ نے چارج سنبھالا۔ لیکن اس سال سکھوں کے ساتھ انگریزوں کی پہلی جنگ نے حالات کو بدل دیا۔ شیر سنگھ کی جگہ گلاب سنگھ بحیثیت گورنر پشاور پہنچی اور ایک انگریز افسر میجر جارج لارنس لاہور میں مقیم انگریز ریزیڈنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ اس کے فرائض میں سکھ لشکر کی نگرانی بھی شامل تھی۔ سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد اُن میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۴۹-۱۸۴۸ء میں سکھ لشکر

نے لارنس کی قیادت سے بغاوت کر دی۔ جس پر میجر لارنس بھاگ کر کوہاٹ پہنچا، جہاں سلطان محمد خان نے پہلے تو اظہارِ دوستی کیا اور بعد میں اُسے ایک قیدی کی حیثیت سے سکھوں کے حوالے کر دیا پھر جب سکھوں نے دوسری جنگ میں انگریزوں سے شکست کھائی تو پشاور کا علاقہ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کے قبضے سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ اور مذکورہ میجر لارنس پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ یہی انگریز بعد میں لارنس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نے ترکی کے خلاف عربوں کو لڑایا تھا۔

یوسف زئیوں نے رنجیت سنگھ کو جس قدر پریشان کیا۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگائیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ دربار کے خزانہ میں اتنی رقم بھی باقی نہ رہی تھی۔ کہ ملازمین کو تنخواہیں دی جائیں اور اگر یوسف زئیوں میں اتحاد و تنظیم قائم رہتا تو لازمی تھا کہ رنجیت سنگھ کی سلطنت دیوالیہ ہو کر میدان خالی چھوڑ جاتی۔ بوٹے شاہ اپنے قلمی مسودہ میں لکھتا ہے کہ :۔

"دیوان بھوانی داس کو حکم دیا گیا کہ تم فوج کے مکان پر پہنچ کر سرکار کی طرف سے انہیں بتاؤ کہ اس سال جنگ یوسف زئی وغیرہ میں خزانہ سرکار سے بہت زیادہ خرچ ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ہمراہ فوج و پلٹن کے لئے دو ماہ کی تنخواہ کا مطالبہ نہ کریں" (بحوالہ یوسفی)

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ یوسف زئی ہی تھے۔ جنہوں نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سکھوں کو علاقہ یوسف زئی میں قدم جمانے کا موقع نہ دیا اور جس کے متعلق مصنف میجر جنرل سرونسنٹ آئر یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ :۔

"سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت کے دوران اپنے مخالف یوسف زئیوں کو بہادر اور نڈر پایا اور انہیں خوفزدہ یا اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے سکھوں کو ہمیشہ پشاور کے اردگرد کثیر تعداد میں لشکر جمع رکھنا پڑا۔"

منشی عطاء محمد شکارپوری اپنی تصنیف "تازہ نوائے معارک" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آفرین ہزار آفرین طائفہ صادقہ یوسف زئی را کہ چوں یوسف از چاہِ ظلمتِ نفاق اخوان زمان برآمدہ - ہریک کبیر وصغیر خود با را مانند زال در خریداران یوسف جہاد ایمانی منسلک نمودہ و دسمہ بے ننگی و بے عاری بر چہرۂ زلیخائی حمیت خود نگذاشتند۔ و بہ بوئی پیراہن یوسف شہادت چشم یعقوب دنیا و آخرت خود را روشن نمودند۔"

سکھوں کی مخالفت میں مقرب خان بن فتح خان خدوخیل صدوانی منڈنے نمایاں حصّہ لیا تھا۔ چنانچہ سکھ اُسے شیر کا بچہ کے نام سے پکارتے تھے اور ایک روایت ہے کہ ایک موقع پر جب میرہ یار حسین میں سکھ لشکر پہنچا تو کسی نے آواز دی کہ شیر کا بچہ آگیا تو سکھ نہایت ابتری اور بے قاعدگی سے بھاگ نکلے۔

واضح رہے کہ مقرّب خان اپنے کئی گھوڑا سوار ساتھیوں کے ہمراہ سکھوں کے اچانک حملوں کو ناکام بنانے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ سکھوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتا تھا اور وہ اچانک جھپٹ کر ان میں ابتری پھیلا کر بھگایا کرتے تھے۔

مجاہدینؒ

سید احمد شہید ۲۹ر نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق، مجاہدانہ کردار، خدمتِ اسلام اور جذبۂ فداکاریٔ وطن کیلئے خراج تحسین حاصل کرتے ہوئے ۶ر مئی ۱۸۳۱ء کو جامِ شہادت نوش کر گئے۔

سید احمد شہید کو بچپن ہی میں مروّجہ تعلیم سے رغبت نہیں تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی جہاد اور صرف جہاد کی دھن میں مگن رہا۔ اُٹھتے بیٹھتے یہی وردِ زبان تھا۔ اور اسی جذبہ سے نواب امیر خان یوسف زئی والے ٹونک کے لشکر میں شمولیت کی تاکہ فنونِ جنگ سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اُسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مقیم ہو کر وہ غیر مسلموں کے خلاف جہاد کا نظام قائم کر سکے۔ ہندوستان میں ہر طرف سلطنتِ اسلامیہ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کوئی ایسی جگہ یا علاقہ موجود نہ تھا جہاں سے بہ اطمینان وہ جیوشِ مجاہدین کو میدانِ جنگ کی طرف روانہ کر سکتا لامحالہ اس کی نظر صوبہ سرحد کی پہاڑیوں پر اٹھتی تھی جہاں کے باشندے ابتدائی دور تاریخ سے ہی میدانِ جنگ میں بہادری اور جوانمردی کا سکّہ بٹھا چکے تھے۔ اور جنہیں وقت کے جابر سے جابر حکمران بھی اطاعت قبول کرنے پر رضامند نہ کر سکتے تھے۔ سید صاحب کو بھی یہی علاقہ پسند آیا۔ کیونکہ یہاں سے جہاد کا انتظام وہ بطریقِ احسن کر سکتے تھے۔ سامنے اگر دشمن کی طاقت یا سلطنت تھی تو پشت پر دور دراز علاقوں تک مسلمان ہی مسلمان آباد تھے۔ اور اُن سے امداد و اعانت کی توقع بھی کی جاسکتی

تھی۔

ان حالات میں سیدؒ صاحب نے رختِ سفر باندھا اور عزمِ جہاد لئے راہِ ہجرت اختیار کی۔ اہل و عیال کو نواب امیر خان کے پاس ٹونک میں چھوڑ دیا اور خود براستہ سندھ، شکارپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۸۲۶ء کو پشاور پہنچا اور مختصر قیام کے بعد چارسدہ کی طرف چل دیا۔ دورانِ سفر میں راستہ ہی سے حکومت کابل کو اپنے ارادوں کی اطلاع دے دی تھی اور واضح کردیا کہ ان کا ارادہ یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ قیام کرنے کا تھا لیکن چارسدہ پہنچنے پر جہاں قبیلہ محمدزئی آباد ہے، حالات سے مجبور ہوکر عملاً جہاد کا اعلان کردیا۔

چارسدہ پہنچے ہی تھے کہ سکھ اقدام کی اطلاع ملی۔ سکھ لشکر بدھ سنگھ کی قیادت میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کی طرف گامزن ہوچکا تھا۔ اب اس بے سروسامانی کے عالم میں کہ اس علاقے میں نووارد تھے، مقابلہ میں سکھوں کا منظم لشکر اور وہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھا۔ عوام سے راہ و رسم ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ افغانوں کے رسم و رواج دوستی دشمنی کسی چیز سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر بھی سید صاحب خاموش نہ رہ سکے۔ اور خدا کا نام لے کر اعلانِ جہاد کردیا۔ اس وقت تقریباً پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری ان کے شریکِ سفر تھے۔ آٹھ سو مقامی باشندے بھی ہمنوا ہوگئے تو ان پندرہ سو مجاہدین کو ساتھ لیکر آپ مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ جذبۂ ایمان اور ولولۂ جہاد کے ان پندرہ سو مجاہدین کو کونسی طاقت سکھوں کے مقابلے میں ہمت

دلا سکتی تھی۔ قدرت نے یاوری کی اور خدا کا نام لیکر وہ میدانِ کارزار کی طرف چل پڑے اور ۱۹؍ دسمبر ۱۸۲۶ء کی صبح کو نوشہرہ جا پہنچے، شبخون مارنے کا فیصلہ ہوا تو نو سو مجاہدین کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ اس دوران خواص خان خٹک اپنی جماعت ساتھ لئے سکھوں سے جا ملا۔ تو اس کے چچا امیر خان خٹک نے سید صاحب کی قیادت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا اور پھر مذکورہ منتخب شدہ مجاہدین نے ۲۰-۲۱؍ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شبخون مارا۔ ابتدا میں تو سکھ سراسیمہ ہوکر بھاگے لیکن مجاہدین نے غلطی کی اور اپنے مخصوص فرائض چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہوگئے۔ مال و اسباب پر قبضہ کرنے کی فکر ہونے لگی۔ نتیجہ یہ کہ سکھ سنبھل گئے، اور مجاہدین کو لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

مذکورہ شبخون میں سید صاحب کی ہمت و استقلال کو دیکھ کر خاص و عام اس طرف متوجہ ہوئے۔ سکھوں کے مظالم سے پوری آبادی نالاں تھی۔ انہیں جب ایک مجاہد قائد مل گیا۔ تو پوری طرح اس کی امداد و اعانت پر تیار ہوگئے چنانچہ اس جنگ کے فوراً بعد ہنڈ کے رئیس خادی خان اور زیدہ کے رئیس اشرف خان معہ اپنے ساتھیوں کے مجاہدین میں شامل ہوگئے اور پھر خادی خان نے سید صاحب کو اپنے ساتھ ہنڈ میں مقیم ہونے پر رضامند کرلیا۔ قبیلہ خدوخیل کے رئیس فتح خان ساکن پنجتار نے بھی ساتھ دینے کا اعلان کیا تو بارکزئی خاندان کے حکمران سید محمد خان اور سلطان محمد خان نے بھی بیعت کرلی۔

مذکورہ شبخون کے بعد سکھ تیاریوں میں مصروف ہوگئے تھے اور سید صاحب بھی میدانِ کارزار دیکھنے کے متمنی تھے۔ لشکر

جمع کیا جانے لگا۔ یوسف زئی بکثرت جذبۂ جہاد سے سرشار میدانِ جنگ میں کود جانے کیلئے بے قرار نظر آنے۔ لشکر کی فراہمی میں سرداران یوسف زئی فتح خان پنجتار، اشرف خان زیدہ اور خادی خان ہنڈ وغیرہ کے علاوہ امیر محمد خان تر کانڑی با جوڑی اور دوسرے دوسا بھی ہمہ تن مصروف تھے۔ نوشہرہ میں لشکر کا اجتماع ہونا تھا۔ رسم ملک کے مطابق ہر جماعت اپنا نشان اٹھاتے چلی آ رہی تھی یار محمد خان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی معہ اپنے لشکر کے ان مجاہدین سے آملے۔ سکھ لشکر جس کی تعداد پینتیس (۳۵) ہزار بتائی جاتی ہے اس وقت شیدو کے مقام پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تو مجاہدین نے اکوڑہ کے قریب اپنا کیمپ نصب کر دیا۔ مجاہدین نے شدت سے حملہ کیا تو سکھوں کے پاؤں اکھڑنے لگے پھر سنبھلے لیکن شکست کھائی پھر بھاگے فتح یقینی نظر آئی۔ سید صاحب خود میدانِ جنگ میں علیل پڑے تھے اور ان کے دستِ راست مولوی محمد اسماعیل جو اولین بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔ تیمارداری میں مصروف رہے۔ اس دوران کہ جنگ ابھی جاری تھی، سردار یار محمد خان بارکزئی اپنے بھائیوں سمیت جنہوں نے میدانِ جنگ میں معہ لشکر موجود ہوتے ہوئے بھی عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا، میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے اُسے دیکھا دیکھی کئی دوسرے افراد بھی بھاگ گئے اور اس افراتفری میں جنگ کا رُخ بدل گیا نتیجہ یہ کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

اس جنگ میں افغان مردانہ وار مصروفِ جنگ رہے۔ لیکن سردار یار محمد اور اس کے بھائیوں کی غداری مسلمانوں کی تباہی کا

باعث بنی۔ کہا جاتا ہے کہ سکھوں نے پہلے ہی سے یار محمد خان کو دھمکانا شروع کر دیا تھا۔ اور اسی دھمکی سے گھبرا کر اُس نے غداری کا ثبوت دیا۔ اور اس کی یہ غداری اسلامی لشکر کی شکست کا باعث بن کر رہ گئی جس پر سکھوں نے اپنی پوری مملکت میں جشنِ خوشی منایا۔ یہ جنگ ۱۸۲۷ء میں لڑی گئی تھی۔

مذکورہ جنگ کے بعد سید احمد نے بونیر اور سوات کی راہ لی۔ اور اپنے لئے مستقل مرکز کی تلاش شروع کی۔ ان علاقوں میں ایک ایک آبادی کا دورہ کیا ہر جگہ ان کا عزت و احترام سے استقبال ہوا۔ جگہ جگہ سے امداد و اعانت ملتی رہی۔ اور ان کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:۔

"فقیر نے یوسف زئی کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ، بونیر اور سوات کا دورہ کیا۔ اور انہیں بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد اور ازالۂ فساد کی ترغیب دی۔ افغانوں کے متعدد گروہوں مثلاً آفریدیوں مہمندوں اور خلیلوں کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادتِ عظمیٰ کے اصول اور اس عبادتِ کبریٰ کی بجا آوری پر متوجہ کیا۔ الحمدللہ مؤمنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا" (سید احمد شہید از مہر)

فتح خان رئیس کی دعوت پر پنجتار کو مرکز کی حیثیت دے کر سید صاحب نے اس کے ارد گرد علاقہ کا دورہ کیا۔ ہر جگہ نتائج خاطر خواہ نکلے۔ پھر بعض وجوہات کی بنا پر انہوں نے خار کو مرکز بنا لیا اور دسمبر ۱۸۲۷ء کو وہاں پہنچے تو ایک عرصہ قیام کے بعد جنوری ۱۸۲۹ء تک وہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ گرد و نواح میں تبلیغ کا کام

جاری رہا۔ جنگ شیدو کے بعد مولوی محمد اسماعیل شہید کی قیادت میں کچھ مجاہدین ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے۔ ادائے فرائض کے بعد وہ بھی دوبارہ پنجتار میں سید صاحب سے آملے اور بعد میں اُن کے ساتھ ہی رہے۔

مختصر یہ کہ وقت نے پوری طرح سید احمد شہید کا ساتھ دیا۔ جہاں بھی گئے کامیابی نے قدم چومے۔ علاقے کے رئیس اور عوام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں باشندگانِ سرحد نے میدانِ جہاد میں اپنی جانیں قربان کر کے پیش کر دیں۔ مگر جب یہ سب طاقت یکجا ہونے لگی۔ کہ جس سے سکھوں کا قلع قمع کیا جا سکتا تھا۔ حالات نے پلٹا کھایا تو وہ خود مسلمانوں کو آپس میں کھلنے کیلئے استعمال ہونے لگی۔ ان لوگوں کو جنہوں نے سید صاحب کے خلاف اقدام کیا۔ تھا یا کرنا چاہتے تھے۔ اب ان کا روکنا ضروری ہوگیا لہٰذا یہ اطلاع ملنے پر کہ درانیوں کا لشکر (جو اس وقت پشاور اور اشتنغر وغیرہ کے علاقہ پر حکمران تھے) سید صاحب پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ سید صاحب کو اس کی مدافعت کیلئے اقدام کرنا ناگزیر ہوگیا۔ چنانچہ مجاہدین موضع اتمانزئی اشتنغر کی طرف روانہ ہوئے اور مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان شمشیر بکف نظر آنے لگا۔ مجاہدین چونکہ باقاعدہ منظم نہ تھے۔ اس وجہ سے شکست کھائی اور اس خونِ مسلم سے موضع اتمانزئی تحصیل چارسدہ کے سرزمین کی آبیاری ہوئی۔

اس جنگ کے بعد اپنے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے سید صاحب نے تگ و دو کو اور تیز کر دیا۔ اور خار سے چل کر پنجتار میں جا مقیم ہوئے۔ اب تجویز ہوئی کہ علاقہ بھر کے علماء، رؤسا اور

دیگر قابلِ ذکر افراد کو مجتمع کیا جائے۔ چنانچہ ۶، فروری ۱۸۲۹ء کو ایک اجتماعِ عظیم ہوا۔ جس میں علماءِ اسلام نے شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کے فوری قیام و اجراء کا فیصلہ سُنا دیا۔ اس اجتماع میں شمولیت کرنے والے یوسف زئی رؤساء میں اشرف خان زیدہ، خادی خان ہنڈ اور فتح خان پنجتار کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جن کے ساتھ اپنی اپنی بھاری جمعیتیں تھیں اور جو حقیقتاً اپنے اپنے علاقہ میں حکمران کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے فتح خان رئیس پنجتار نے سید صاحب کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا کہ "صدہا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رُونما ہو جائیں گے"

لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور جہاں ہمارے علماءِ کرام نزاکتِ وقت گرد و پیش اور کسی فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کئے بغیر اپنے اقتدار کے قیام و زعم علم میں فیصلہ کر دینے کے عادی ہو چکے ہوں وہاں کسی کی کیا چل سکتی تھی۔ اظہارِ اختلاف کا جواب کافر بنا دینے کے سوا اور کیا چل سکتا تھا۔ اس جگہ بھی علماءُ اپنے فیصلے پر بضد رہے۔ حکمِ خدا اور رسولؐ کے نام سے ان کے فیصلے نافذ کر دینے کا فیصلہ ہوا تو اشرف خان زیدہ، خادی خان ہنڈ اور فتح خان پنجتار کے ساتھ کئی دوسرے رؤساء نے بامرِ مجبوری سرِ تسلیم خم کر دیا۔

خادی خان، خانِ ہنڈ

جس خطرے کی طرف فتح خان رئیس پنجتار اشارہ کر چکا تھا۔ وہ کسی طرح غیر اہم نہ تھا۔ اس پر اگر غور و فکر کر لی جاتی تو شاید بعد میں

مجاہدین کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان خوانین میں کشمکش شروع ہو گئی۔ انہیں اپنے اپنے اقتدار کی فکر پیدا ہو گئی۔ فتح خان پنجتار اور اشرف خان زیدہ تو سید صاحب کے ہمرکاب رہے۔ لیکن خادی خان کو اپنے اقتدار میں کمی برداشت نہ ہوئی اور یہ بھی گوارہ نہ کر سکا کہ سید صاحب کی امداد و اعانت کے باوجود وہ اُن کی نظروں میں ایسی وقعت نہ رکھے جو پنجتار کے فتح خان کو حاصل تھی نتیجہ یہ ہوا کہ خادی خان اور اشرف خان کے درمیان چپقلش پیدا ہو گئی۔ اتفاقاً اشرف خان زیدہ گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا۔ اور اس کے بعد خادی خان سید کا ہمنوا نہ رہا۔ اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کیلئے تگ و دو شروع کر دی۔ سکھوں نے سبب یہ حالت دیکھی تو جنرل دنتورہ کی کمان میں اقدام کر دیا۔ سید صاحب نے اس مقابلے کے لئے تین سو مجاہدین پر ایک جماعت روانہ کر دی سکھوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو شبخون کے ڈر سے گھبرا کر لوٹ گئے۔

جو اندرونی مخالفت زور پکڑ رہی تھی، وہ کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکی۔ سید صاحب چاہتے تھے کہ علماء کرام کے فتووں سے سب کے دلوں پر قابو پالیں۔ لیکن جو عادتیں راسخ ہو چکی تھیں انہیں جلد بدلا نہ جا سکتا تھا۔ حالات کی تشویش ناکی پریشانی کا باعث بنی ان حالات کے پیش نظر اگر قابل ذکر خوانین کو یکجا کر لیا جاتا تو صلاحیت کی کوئی صورت نکل آتی۔ خوانین اپنے وقار کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کو احتراماً تسلیم کر لیتے لیکن اس کی بجائے پھر علماء کرام کا اجتماع کر دیا گیا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ خادی خان کو راہِ راست پر لایا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو علماء سے ایسے شخص کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔

سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل نے بڑی درد انگیز تقریریں کیں۔ لیکن بالآخر معاملہ علماء کو سونپ دیا گیا۔ جنہوں نے بلا تکلف فتوے دیدیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے۔ خادی خان اس نشیب و فراز سے واقف تھا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی سرزنش کے لئے کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب سید صاحب نے اُسے اپنے پاس بلا کر سمجھانا چاہا تو وہ دل کی بات کہے بغیر نہ رہ سکا کہ :۔

"حضرت! ہم پختون لوگ کاروبار ریاست کا رکھتے ہیں۔
اور یہ مشورہ ملاؤوں نے مل کر کیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے اسقاط
اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں، کاروبار ریاست میں
ان کا کیا شعور؟"

افسوس کہ اس وقت سید صاحب بھی اپنے جوشِ جذبۂ جہاد میں خادی خان کے ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے اور انہیں اس پر طیش آ گیا کہ علماء کرام کی شان میں ایسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے اور بجائے اس کے کہ خادی خان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی۔ جواب اسی قسم کی تلخی سے دیا کہ خادی خان چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

سید صاحب نے پھر اردگرد کے علاقوں میں امداد و اعانت کے لئے پیغام بھیجے۔ مجاہدین جمع ہونا شروع ہوئے۔ اسی دوران سکھوں نے دنتورہ کی قیادت میں دوبارہ پنجتار کی طرف اقدام کیا اور موضع سلیم خان سے نکل کر طوطالی میں جا پہنچے۔ مجاہدین مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ پہاڑوں میں مجاہدین کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد بہت دکھائی دے رہی تھی۔ دنتورہ نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی اور واپس لوٹ گیا۔ اور آمد و رفت دونوں اوقات میں سکھوں کی روایت کو زندہ رکھنے کیلئے اس راستہ کی آبادیوں کو نذر

آتش کرتا گیا۔

اب مجاہدین اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگے۔ انہوں نے سوچا
کہ یا تو بارکزئی کے خلاف اقدام کیا جائے جو سکھوں کے تابع فرمان
اور مجاہدین کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ یا پھر خادی خان کو
راستہ سے ہٹایا جائے۔ اس لئے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خوانین
یا قبائل شریعت اسلامیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھے
بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے خادی خان سے نپٹ لیا جائے اور اس
کے بعد بارکزئیوں کی باری آئے۔ سید صاحب موضع ہنڈ پر نہایت
راز داری سے حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ساز و سامان تیار کیا
تاکہ شبخون مار کر قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور صبح
ایسے وقت قلعہ کے سامنے پہنچا کہ مقیمین قلعہ بے خوف و خطر
دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھے، مجاہدین بندوقیں داغتے ہوئے اندر
داخل ہو گئے۔ خادی خان جس نے سید صاحب کی اس علاقہ میں
آمد پر انصار کے فرائض سرانجام دیئے تھے، مارا گیا۔ اس کی لاش ورثاء
کے حوالہ کر دی گئی۔ لیکن اس کے اہل و عیال کو ایک عرصہ تک اپنے
ورثاء کے پاس جانے کی اجازت نہ ملی۔ ہنڈ پر اس حملہ کی تاریخ
۸ اگست ۱۸۲۹ء بیان کیجاتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد خادی خان کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی
ٹھانی اور خادی خان کے اہل و عیال کو رہائی دلانے کی کوشش
شروع ہوئیں۔ مقرب خان رئیس زیدہ جو سید صاحب کے فدائین میں
سے تھا، اپنے بہنوئی اور قریبی رشتہ دار خادی خان کے اہل
و عیال کی مدد نہ کر سکا تو گاؤں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا جس پر
اُسے مفرور قرار دے دیا گیا اور اس کا بھائی فتح خان رئیس زیدہ منتخب

یا نامزد ہوا۔ خادی خان کے بھائی محمد امیر خان نے دوسرے خوانین
سے امداد طلب کی اور بالآخر پشاور میں یار محمد خان بارکزئی کے پاس
پہنچا اور اُسے اپنی امداد پر رضامند کر لیا۔ یار محمد خان کے ایک معتمد
نے ہنڈ پر یورش کی اور وقتاً فوقتاً چھاپے مارتا رہا تا آنکہ یار محمد خان
خود بھی لشکر لئے موضع ایبان تحصیل صوابی میں پہنچ گیا۔ ایبان
سے نکل کر بدرئی نالہ پر یار محمد خان نے اپنی توپیں نصب کریں۔
مقابلہ شروع ہوا۔ یار محمد خان کو شکست ہوئی اور زخمی ہو کر
بھاگا تو راستہ ہی میں جان بحق ہو گیا اور مال و اسباب مجاہدین
کے ہاتھ لگا۔ یہ جنگ ۴/۵ ستمبر ۱۸۲۹ء کو ہوئی تھی۔

سید صاحب اس کے بعد ہزارہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک
جماعت کو قلعۂ ہنڈ میں چھوڑ کر باقی لشکر مجاہدین کو ساتھ لئے روانہ
ہوئے۔ یار محمد خان مرحوم کے بھائی سلطان محمد خان نے ہنڈ
پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا۔ مقیمین قلعہ گرفتار کر لیے گئے
جو بعد میں قید خانہ سے بھاگ نکلے۔ سید صاحب ان حالات کو
سن کر پنجتار میں مقیم ہوئے اور جب تسلی ہوئی کہ پشاور کی طرف سے
کوئی حملہ نہیں ہو رہا، تو پھر ہزارہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں سکھوں
نے انہیں پیغام دیکر اپنی طرف سے علاقہ یوسف زئی میں محصولات
وصول کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے مسترد کر دی۔

سید صاحب نے پھر یہاں سے ایک جماعت کو یوسف زئی
کے میدانی علاقہ کی طرف بھیج دیا تاکہ احکام شریعت کا نفاذ کرے
عشر پہلے علماء کو ملتا تھا۔ جس پر اُن کی زندگی کا دارومدار تھا۔
مجاہدین نے اُسے امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول کرنا
شروع کر دیا، علماء نے پہلے تو مخالفت کی مگر طاقت سے دب کر

ہمنوا ہو گئے تاہم دلوں میں مخالفت پکنے لگی ۔ اسی دوران خان کلابٹ مقابلہ پر اُتر آیا ۔ جنگ ہوئی تو خان نے شکست کھائی اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے قلعہ ہنڈ پر دوبارہ قبضہ کرلیا ۔ اور ارد گرد کے علاقے مثلاً مرغز، ٹھنڈ کوئی، سدڑی اور پنج پیر پر بھی انہیں اقتدار حاصل ہوگیا ۔ بایں ہمہ ادائیگی عُشر کا مسئلہ متنازعہ رہا ۔ جہاں طاقت دکھائی دیتی اقرار کرلیا جاتا ۔ اور جہاں طاقت دکھائی نہ دی لوگوں نے ادائیگی سے انکار کردیا ۔ اب کسی مزید بحث و دلیل کی گنجائش نہ تھی ۔ بلکہ فیصلہ دے دیا گیا کہ عُشر امیر کا حق ہے اس سے اختلاف کفر کے مترادف ہے ۔ چنانچہ ایک موقع پر مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ "جو اہلِ رسوم خدا اور رسولؐ کے خلاف باپ دادا کی روایت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں"۔ کسی نے کہہ دیا کہ "مُغنیۃ المُصلی میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا ، اور قائدِ موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظِ دیگر اُسے دوبارہ مسلمان نہ بنایا گیا ۔ مسائل کو علماء کی سرگردگی میں طاقت کے زور سے منوایا جاتا رہا ۔ نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سُلگتی رہی ۔ اگرچہ اس جماعت کے سامنے یکے بعد دیگرے مختلف گاؤں اظہار وفاداری بھی کرتے رہے ۔

الغرض بارکزئیوں نے بھی جنگی تیاریاں شروع کردیں تھیں جب سید صاحب کو علم ہو تو وہ ہزارہ سے پنجتار اور غلوا واسمٰعیلہ سے جاتے ہوئے گڑھی امان زئی پہنچ گئے ۔ اُدھر بارکزئی لشکر کو پشاور سے چارسدہ ہوتے ہوئے اتمان زئی میں جا مقیم ہوا ۔ دونوں طرف سے

جنگ کی تیاری ہونے لگی ۔ بارکزئیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ ملک کے جائز حکمران تھے تو سید صاحب کو نفاذِ احکامِ شریعت اور امارت کا دعویٰ تھا ۔ بالآخر طورو اور میار کے درمیان دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی بارکزئی (سرداران پشاور) نے پھر شکست کھائی

جنگِ میار یا ماہیار

میار جسے بعض مؤرخوں نے مہیار بھی لکھا ہے ۔ مردان اور طورو کے درمیان ایک گاؤں ہے ۔ اس جنگ میں ملکی خوانین کی بھی خاصی بڑی جماعت سید صاحب کی رفاقت و نصرت کیلئے موجود تھی ۔ جن خوانین کے نام روایتوں میں مل سکے اُن کی تفصیل یہ ہے قاضی سید امیر صاحب عرف مُلا صاحب کوٹھہ ، فتح خان پنجتار ، منصور خان گھڑیالہ ، آنند خان وشکار خان خضر زئی شیوہ ، اسماعیل خان کلابٹ ، سرور خان رئیس امانزئی ، رحیم خان بابا علی خیل نواں کلی ماموئی رزڑ ، ابراہیم خان اسماعیلہ اکوخیل رزڑ ، فتح خان زیدہ ، دلیل خان طورو محمد خان ہوتی اور نسیم خان لونڈ خوڑ وغیرہ ۔

مجاہدین نے فیصلہ کیا کہ بارکزئیوں کے اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا جائے چنانچہ وہ لشکر لے کے پشاور کی طرف چل پڑے ۔ چارسدہ سے تنگی اور شبقدر ہوتے ہوئے میچنی کے راستہ ریگی (پشاور) پہنچے تو پتہ چلا کہ اُن کی آمد کی خبر سن کر سلطان محمد خان بارکزئی پشاور خالی کر گیا تھا ۔ اس جگہ کوئی جنگ نہ ہوئی ۔ اور سلطان محمد بارکزئی کی طرف سے ارباب فیض اللہ خان ساکن ہزارخوانی پشاور نے وکالت کرتے ہوئے صلح کیلئے سلسلۂ جنبانی کی اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا ۔ سید صاحب معہ اپنے رفقاء کے بطور مہمان کابلی دروازہ

فوت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ جس وقت اخوند صاحب سوات تحریکِ مجاہدین کی ان کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹھہ کے مشہور مذہبی رہنما ملا سید امیر صاحب المعروف "کوٹھہ ملا صاحب" اس تحریک کی حمایت میں تھے۔ اور پشاور کے مشہور عالم دین مولوی غلام جیلانی، ملا عبدالمجید، قاضی منصور اور علاقہ خلیل کے پیر غیاث ساکن پلوسئی بھی ان کی ہمنوائی کر رہے تھے۔

انگریز کا دَور اور ملکِ افغان

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اُسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
"اقبال"

افغانستان پر انگریزوں کی یلغاریں

اُنیسویں صدی مسیحی کے آغاز تک کابل کی ابدالی سلطنت کے استحکام میں افغان سرداروں کی باہمی رقابتوں اور جنگوں کے باعث ضعف کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہ سلطنت پچھلی صدی کے وسط سے افغانستان، افغانی ترکستان، کشمیر، پنجاب، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل تھی جس کا انتظام شاہ افغانستان

کے مامور کیئے ہوئے حاکم کرتے تھے۔ یہ حاکم عام طور پر شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے جو بسا اوقات خود مختار اور مطلق العنان بادشاہوں کی طرح حکومتی اقتدار قائم کرنے کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ان کے نیچے ہر جگہ مقامی سردار اور اُمراء اپنی اپنی جاگیروں کا انتظام کرتے تھے وسطِ ایشیا کی یہ بہادر، غیور اور جنگجو قوم افغان اپنے زمانے کی علمی اور فنی ترقیوں سے بے خبر تھی۔ ان جھگڑوں کے باعث جو تختِ کابل کے دعوے داروں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے پنجاب کی سرزمین پر اُن کی انتظامی گرفت نرم پڑ گئی اور پنجاب کی ایک نوخیز بہادر اور جنگجو قوم سکھ کے قبائلی سرداروں نے طاقت پکڑنی شروع کر دی جنہیں احمد شاہ ابدالی کی یلغاروں نے کچھ عرصے کیلئے امن پسند رہنے کا سبق سکھایا تھا۔ یہ سکھ برائے نام کابل کے بادشاہ کی اطاعت بجا لاتے تھے۔ اس سے جاگیریں حاصل کر کے پنجاب کے اقطاع پر اپنا اقتدار قائم کر رہے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں انہوں نے سکھ گردی کے ایک دور اندیش اور باتدبیر لیڈر رنجیت سنگھ کو مہاراجا بنا کر پنجاب کی سرزمین میں ایک آزاد مملکت قائم کر لی۔ جنوبی پنجاب میں دریائے ستلج تک کی سکھ جاگیر داریاں انگریزوں کے زیرِ اثر آچکی تھی۔ سندھ، بلوچستان، پنجاب اور کشمیر کو چھوڑ کر باقی سارے ہندوستان پر انگریزی اقتدار عملاً مسلط ہو چکا تھا۔ اگرچہ انگریزوں نے دہلی کے مغل شہنشاہ سے تعرض نہ کیا تھا جس کی سلطنت دہلی اور اس کے نواحی دیہات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مغل شہنشاہ کی حیثیت ان راجوں اور نوابوں سے بھی کم تر تھی جو انگریزی اقتدار کا جوا قبول کر کے وسیع ریاستوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔

افغانوں کے قبائلی سرداروں کے جس جرگے نے ۱۷۴۷ء میں بمقام قندہار جمع ہوکر احمد شاہ ابدالی کو افغانستان کا بادشاہ منتخب کیا تھا۔ اسی جرگے نے یہ فیصلہ بھی کردیا تھا کہ درانی قوم کے دوسرے طاقتور قبیلے بارکزئی کے سردار افغانی حکومت میں وزیر بنا کریں گے انیسویں صدی مسیحی کے آغاز تک ابدالی کے وارثوں کے درمیان تخت کے لئے جو جھگڑے وقتاً فوقتاً کھڑے ہوتے رہے اور جیسی جیسی سازشوں کا بازار گرم رہا۔ اس کے باعث بارکزئی خاندان احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کا معتوب بن گیا جس نے اس قبیلے کے بہت سے سرداروں کو قتل کرادیا۔ کچھ سردار ترکستان اور ہندوستان کی طرف بھاگ گئے لیکن اس واقعے کے باعث افغانستان کا ملک خانہ جنگی اور بدامنی کی آماجگاہ بن گیا۔ ۱۸۲۶ء میں بارکزئی قبیلے کے سرداروں نے زور پکڑ کر زمان شاہ کے بھائی شاہ شجاع کو افغانستان سے نکال دیا اور اس کی جگہ اپنی قوم کے ایک سردار دوست محمد خان کو امیر بنالیا۔ اور شاہ شجاع کابل سے بھاگ کر لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس آیا۔ وہاں سے اُسے ہندوستان کے نئے حکمرانوں یعنی انگریزوں نے اپنے پاس بُلالیا۔ مقصد یہ تھا کہ ضرورت پڑے تو انگریزی اقتدار کو وسطِ ایشیا کے ملکوں میں بڑھانے کیلئے اس مہرے کو استعمال کیا جاسکے

اسی زمانے میں زارانِ روس کی حکومت اپنے اقتدار کو وسطِ ایشیا کے ملکوں میں توسیع دینے کی پالیسی پر بڑی سرگرمی سے عمل پیرا تھی۔ ترکستان میں روس کی فارورڈ (آگے بڑھنے کی) پالیسی بہت کامیاب ہو رہی تھی۔ انگریز توسیع اقتدار کی اس دوڑ میں روس پر بازی لیجانے کے خواہش مند تھے۔ ہندوستان کی وسیع مملکت میں ان کی فارورڈ پالیسی بہت اچھے آثار پیدا کرچکی تھی۔ اس پالیسی کے

پیش نظر ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے امیر دوست محمد خان کے دربار میں ایک سفارت بھیجی، اس سفارت کو اپنے استعماری مقاصد کی داغ بیل ڈالنے میں ناکامی ہوئی۔ شطرنج کا مہرہ انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے ۱۸۳۹ء میں انہوں نے سندھ اور بلوچستان کی راہ سے افغانستان پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مقصد یہ ظاہر کیا گیا کہ انگریز تختِ کابل کے جائز وارث شاہ شجاع کو اس کا حق دلانے کے آرزومند ہیں۔

افغان اس مہم کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ انگریز اس قسم کا کوئی اقدام کریں گے۔ سندھ کے مقامی امیروں نے جو تختِ کابل کے زیرِ اثر تھے۔ انگریزی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ کوئٹہ، قندھار، قلات اور غزنی کی افغانی سپاہ بھی جو محض داخلی امن کے قیام کے لئے ان مقامات میں رہتی تھی، خوب لڑی۔ عام افغان یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ انگریزی فوجیں کابل پہنچ گئیں۔ امیر دوست محمد خان ترکستان کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ انگریزوں نے شاہ شجاع کو افغانستان کا بادشاہ بنادیا اور اُن کی فوجوں نے امن قائم رکھنے اور شاہ شجاع کی حفاظت کرنے کے بہانے سے نہ صرف کابل کے نزدیک بالاحصار میں چھاؤنی ڈالی بلکہ اپنی فوجوں کو قندہار، غزنی، جلال آباد چاریکار، کوہِ دامن، بلخ اور ہرات تک پھیلا دیا اور شاہ شجاع کے پردے میں افغانوں پر حکومت کرنے کا تجربہ کرنے لگے۔ عام افغان یہ سمجھتے تھے کہ انگریز شاہ شجاع کو بادشاہ بنا کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن انہوں نے ملک کے اندر چاروں طرف اپنے پاؤں جمانے شروع کردیئے۔ افغانوں کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ ان کی قومی حس بیدار

ہوئی۔ اور ۱۸۴۱ء میں انہوں نے بالاحصار کی انگریزی چھاؤنی کے علی الرغم کابل میں قیام کر کے شاہ شجاع کو قتل کر دیا۔ امیر دوست محمد خان اس اثنا میں اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر چکا تھا۔ جسے وہ کلکتے لے گئے تھے۔ امیر کے بڑے بیٹے محمد اکبر خان نے کابل پر قبضہ کر کے انگریزی سفیر اور انگریزی فوج کے کمانڈر کو بالاحصار سے بلایا اور ان سے کہہ دیا کہ جلد سے جلد ملک خالی کر دو اور میرے باپ دوست محمد خان کو واپس دے دو۔ انگریز سفیر اور کمانڈر نے محمد اکبر خان سے ملک کے تخلیے کے متعلق شرطیں طے کیں۔ جو یہ تھیں کہ چند انگریز افسر بطور یرغمال کابل میں رکھے جائیں گے، انگریزی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں گی۔ افغان ان سے ہتھیار لے لیں گے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔ کابل کی انگریزی فوج جگدلک تک پہنچنے سے پہلے جلال آباد کا انگریز کمانڈر جنرل سیل اپنی فوجوں کو لے کر وہاں سے رخصت ہو جائیگا۔ کابل چھاؤنی کے انگریز کمانڈر نے ان شرائط کی اطلاع جنرل سیل کو بھیج دی لیکن جنرل سیل نے بطور خود یا ہندوستان کے اعلیٰ حکام کی ہدایت پر جلال آباد میں ٹھہرنے اور کابل سے آنے والی فوجوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اکبر خان کو یہ اطلاع پہنچی کہ جلال آباد کا انگریز کمانڈر طے شدہ شرائط سے منحرف ہو گیا ہے اور اس کا اندیشہ ہے کہ دونوں فوجیں مل کر کابل پر چڑھائی کریں گی۔ تو اُس نے جگدلک کے درے میں کابل سے آنیوالی انگریزی فوجوں کو گھیر لیا۔ افغانوں نے اس جم غفیر کا قتل عام کر لیا۔ جس کی تعداد سولہ سترہ ہزار سے زائد تھا۔ صرف برائیڈن نامی ایک انگریز ڈاکٹر کو زندہ چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ جلال آباد پہنچ کر جنرل سیل کو آگاہ کر دے کہ افغان وعدہ شکنوں کو اس طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ اس واقعے نے ہندوستان

کے انگریز حکام کو بہت برافروختہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں انگریزی فوجوں نے درۂ خیبر اور درۂ بولان کی راہ سے افغانستان پر چڑھائی کی۔ یہ انتقامی مہم تھی اس لیے انگریزوں نے بلا دھڑک بستیوں کو جلایا اور کابل پہنچ کر کابل کو نذر آتش کر دیا۔ افغانوں نے اس یلغار کو روکنے کی کوئی خاص کوشش نہ کی۔ وہ اپنی قومی عادت کے مطابق ضرب کاری لگانے کے لئے مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ انگریزی فوجیں کابل کو نذر آتش کرنے کے بعد جس راہ سے گئی تھیں اسی راہ سے واپس آگئیں کیونکہ اس وقت تک انگریز اچھی طرح جان چکے تھے کہ افغانوں کے ملک میں فوجی طاقت کے بل بوتے پر حاکم بن کر ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کابل میں انگریزی فوجوں کے قیام کے دوران میں افغانوں اور انگریزوں کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا، اُس کی موٹی موٹی شرطیں یہ ہیں کہ انگریز امیر دوست محمد خان کو چھوڑ دیں گے، اور افغان ان انگریزوں کو رہا کر دیں گے جو یرغمال کے طور پر انہوں نے روک رکھے تھے۔ ان میں ایک انگریز خاتون لیڈی سیل بھی تھی۔ جس کی خدمات کی تعریف میں ایک انگریز مؤرخ آج تک رطب اللسان ہے یہ لیڈی سیل ہی کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ متذکرہ صدر صلح نامہ طے ہوا اور انگریزی فوجیں کابل کو نذر آتش کر کے سلامتی کے ساتھ واپس ہندوستان پہنچ گئیں۔

ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے افغانستان پر دوسری مہم ۱۸۷۶ء میں بھیجی جب کہ وہاں امیر دوست محمد خان کا بیٹا امیر شیر علی خان فرمانروا تھا۔ اس مہم کی وجہ یہ تھی کہ امیر شیر علی خان ترکستانات کے روسی حکمرانوں کے ساتھ سیاسی روابط قائم کرنے کی طرف مائل تھا اور یہ بات انگریزوں کو گوارہ نہ تھی جو اس وقت تک برما سے لے کر

درۂ خیبر تک اور کشمیر سے لیکر راس کماری تک سارے ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے۔ حملے کا فوری بہانہ یہ تھا کہ افغانوں نے کابل میں انگریزی سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ امیر شیر علی خان اسی سال فوت ہو گیا اور اس کے بیٹوں امیر محمد یعقوب خان اور سردار محمد ایوب خان سپہ سالار افواج کو انگریزوں سے نپٹنا پڑا۔ سردار محمد ایوب خان نے قندھار کے قریب میوند کے مقام پر انگریزی فوج کو شکست دی جو کوئٹہ اور چمن کی راہ سے آگے بڑھی تھی لیکن درۂ خیبر کی راہ سے حملہ کرنے والی انگریزی فوجیں گندمک کے مقام تک بڑھ گئیں جہاں امیر محمد یعقوب خان نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ سردار محمد ایوب خان ایران چلا گیا اور چند سال کے بعد اس نے بھی انگریزوں کی مہمان نوازی قبول کر لی اور دونوں بھائی ہندوستان میں رہنے لگے۔ ادھر افغانستان میں امیر شیر علی خان کے بڑے بھائی افضل خان کا بیٹا عبدالرحمٰن خان جو سولہ سال سے بخارا میں مقیم تھا۔ شمال کی طرف سے افغانستان کے افق پر نمودار ہوا اور تخت کابل کو خالی پاکر ۱۸۸۰ء میں وہاں کا امیر بن گیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے ہندوستان کی انگریزی حکومت سے دوستانہ روابط قائم کئے۔ اس امیر کے ساتھ انگریزوں نے افغانستان کی حدبندی کا معاملہ طے کیا۔ خط ڈیورنڈ ہندوستان اور افغانستان کی نئی حد مقرر ہوا۔ جس کے مطابق شمال مغربی سرحدی صوبے کے آزاد قبائل کی سرزمین اور بلوچستان کا ملک انگریزی مملکت کا جزو شمار ہونے لگا۔ انیسویں صدی مسیحی کے آخر تک امیر عبدالرحمٰن خان افغانوں پر سخت ہاتھ سے حکومت کرتا رہا تھا اور برطانیہ کے سرکاری کاغذات میں اُسے ہز ہائی نس یعنی نواب زیر حمایت لکھا جاتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن انگریزوں سے وظیفہ لیتا تھا اور اس شرط کا پابند تھا کہ وہ برطانوی حکومت کی اجازت کے بغیر

کسی دوسری سلطنت سے سیاسی روابط قائم کرے گا۔ گویا ۱۸۸۰ء سے انگریزوں کی ہندوستانی قلمرو کا نفوذ شمال مغرب میں دریائے جیحوں کے جنوبی کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں امیر عبدالرحمٰن خان کے جانشین امیر حبیب اللہ خان نے اگرچہ ہز میجسٹی کا شاہی لقب اختیار کر لیا لیکن افغانستان کی خارجہ پالیسی بدستور بکی رہی۔

مکمل آزادی کی تحریکیں

افغانستان

عالم گیر جنگ کے خاتمے پر دنیا بھر کی محکوم اور زیر حمایت قوموں میں مکمل آزادی (استقلالِ تام) کا رتبہ حاصل کرنے کے لئے تحریکیں پیدا ہوئیں۔ اس سلسلے میں ہم افغان کی جدوجہد کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خان کو کسی نے پستول کی گولی کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا۔ امیر حبیب اللہ خان کو جنگ کے دوران میں جرمنوں اور ترکوں نے ہندوستان پر چڑھائی کرنے کیلئے آمادہ کرنے کی بہت کوششیں کی تھیں۔ لیکن امیر حبیب اللہ خان برطانیہ کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں تخت نشین ہوتے وقت برطانوی حکومت سے اپنے کو ہز میجسٹی کہلانے کا حق تو منوا لیا تھا لیکن انہیں برطانیہ کے سوا دنیا کے دوسرے ملکوں سے معاہدے طے کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ افغان اپنے ملکوں کی اس حیثیت پر قانع نہ تھے۔ امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد افغانستان کے تخت پر اس کا ایک بیٹا امان اللہ خان بیٹھا جس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ملک کو کامل طور پر

آزاد کرانے کیلئے ہندوستان کی برطانوی حکومت کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔ تین مہینے کی جنگ کے بعد راولپنڈی کے مقام پر صلح کی عارضی شرطیں طے ہوئیں۔ برطانوی حکومت نے افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کر لی۔ اور افغانستان کو دنیا بھر کی قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرنے کا حق مل گیا۔ امان اللہ خان نے ترکی، روس، ایران، فرانس، جرمنی، اٹلی اور بعض دوسرے ملکوں سے سیاسی اور تجارتی معاہدے طے کر کے افغانوں کو آزاد قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا۔ ۱۹۲۷ء میں امان اللہ خان نے یورپ کے ملکوں کی سیاحت شروع کی۔ مصر، اٹلی، فرانس، جرمنی، برطانیہ روس، ترکی اور ایران کے حالات کا معائنہ کیا۔ ہر جگہ ان کی خوب خاطر و مدارات ہوئی۔ امان اللہ خان اس سفر سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے واپس آکر ترکی کے مصطفےٰ کمال کی طرح اپنے ملک کی کیفیت کو راتوں رات تبدیل کرنے کی ٹھان لی اور جوش مفرط کے ساتھ اصلاحات نافذ کرنے لگے۔ امان اللہ خان کی غیر حاضری میں افغانستان کے اندر ان کے شاہی اقتدار کے خلاف کئی طرح کی سازشیں گھر کر گئی تھیں۔ نوجوان طبقہ آئینی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ایک پارٹی جمہوریت خواہوں کی تھی۔ بعض سردار اس قومی اضطراب کو اس خیال سے ترقی دینے لگے تھے کہ شاید اس گڑبڑ میں ان کو شخصی اقتدار حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ امان اللہ خان کے اصلاحی پروگرام سے مُلّاؤں کا قدامت پسند طبقہ بہت برافروختہ ہوا جو بعض اصلاحات کو دینِ اسلام کے مسلمات سے خلاف سمجھتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں یہ مختلف نوعیت کے مواد پھٹ پڑے۔ افغانوں نے امان اللہ خان کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا

ہر پارٹی یہ سمجھتی تھی کہ اختلال اور بدامنی ان کی امنگوں کو بروئے کار لانے پر منتج ہوگی۔ لیکن مُلّاؤں اور پیروں نے اپنے اثر سے ایک جاہل لیکن بہادر باغی سپاہی حبیب اللہ خان عرف بچہ سقہ کو کابل میں بادشاہ بنا دیا۔ بچہ سقہ کوہ دامن کا رہنے والا تھا۔ اس لئے سمت شمال کے لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ امان اللہ خان نے قندہار کو مرکز بنا کر کابل پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سرداروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور وہ اپنے ملک سے بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے اٹلی چلے گئے اندریں اثنا سردار محمد نادر خان جو ۱۹۱۹ء میں افغانی افواج کے سپہ سالار اور وزیر جنگ تھے اور بعد میں افغانستان کے سفیر بن کر پیرس چلے گئے تھے۔ برطانوی حکومت سے سازباز کر کے ہندوستان کی راہ سے افغانستان کی سرزمین میں پہنچ چکے تھے۔ سردار محمد نادر خان اور ان کے بھائیوں نے افغانستان کے صوبہ سمت جنوبی سے بچہ سقہ کے خلاف مہم جاری کی اور کابل فتح کر لیا۔ کابل کے لوگوں نے انہیں اپنا بادشاہ بنا لیا۔ لیکن سمت شمالی کے لوگوں نے انہیں بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ محمد نادر شاہ نے کوہ دامنیوں کی بغاوت کو مضبوط ہاتھوں سے فرو کیا اور افغانوں کے بعض ایسے سرداروں کو جو اپنے کو ان کا حریف سمجھتے تھے قتل کر دیا۔ نوجوان طبقے کا خیال تھا کہ محمد نادر شاہ بچہ سقہ کو شکست دینے کے بعد جمہوریت نہیں تو آئینی قومی حکومت ضرور قائم کریں گے لیکن یہ بات ملک کے مختل حالات میں اس وقت ممکن نہ تھی۔ اس لئے اس طبقے کے افراد بھی بددل ہو گئے۔ محمد نادر شاہ اور ان کے بھائیوں نے ہر قسم کی شورشوں کو طاقت سے دبا دیا۔

اور ملک کا نظام درست کیا۔ ۱۹۳۲ء میں محمد نادر شاہ نے ایک قسم کی مجلس شورائے ملی بھی قائم کردی اور تخت شاہی کے اعلان اور اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ ان کے متعلق برطانیہ کے زیر حمایت بادشاہ بننے اور افغانستان کی مکمل آزادی کو صدمہ پہنچانے کے متعلق جو شبہات کیے جاتے تھے وہ صحیح نہ تھے، لیکن ان کی ذات کے خلاف بعض لوگوں کے دلوں میں شدید بغض بھر چکا تھا جس کا نتیجہ ۱۹۳۳ء میں ان کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا۔ قاتل ایک نوجوان طالب علم تھا۔ محمد نادر شاہ قتل ہوگئے لیکن حکومتی انقلاب برپا کرنے کی سازش کامیاب نہ ہوسکی۔ افغانوں نے ان کی جگہ اُن کے بیٹے محمد ظاہر شاہ المتوکل علی اللہ کو بادشاہ بنا لیا۔ ۱۹۳۴ء میں افغانستان جمعیت الاقوام کا رکن بن گیا۔ اور محمد ظاہر شاہ کی حکومت نے اپنے ہمسایہ ملکوں اور دنیا کی دوسری بڑی طاقتوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے طے کیے، افغان قوم اس بادشاہ کے عہد میں معتدل رفتار کے ساتھ اصلاح و ترقی کے پروگرام کو عمل کا جامہ پہنانے لگی۔

محمد ظاہر شاہ نے تقریباً اکتالیس برس بادشاہت کی اور جولائی ۱۹۷۳ء میں اُسے معزول کیا گیا۔ اور اس کا چچازاد بھائی سردار محمد داؤد خان افغانستان کا حکمران بنا۔

داؤد خان کو ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء میں فوجی بغاوت کے بعد انقلابی کونسل نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اور نور محمد ترہ کئی جو نسلاً ایک افغان قبیلہ سلیمان خیل سے تھا، کو صدر بنایا گیا۔ داؤد خان کے قتل کے ساتھ ہی سرداران پشاور کا سلسلہ ختم ہوا۔

یوسف زئی اور انگریز

انگریز نے سکھوں کی حکومت کو ختم کرتے ہوئے ۱۸۴۹ء میں پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ جس پر سکھ حکومت کرتے تھے قبضہ کرلیا۔ اس کے علاوہ تھوڑے دنوں کے بعد یوسف زئی کا بہت سا میدانی علاقہ بھی انگریز کے قبضہ میں آگیا۔ اور میجر جارج لارنس جس کا ذکر سکھوں کے عہد میں کیا جاچکا ہے۔ پہلا ڈپٹی کمشنر پشاور مقرر ہوا۔ انگریز لشکر کی کمان سر کولن کیمبل کر رہا تھا، جو بعد میں لارڈ لائڈ کے نام سے مشہور ہوا۔ پشاور میں انگریز کی آمد کے بعد علاقہ یوسف زئی میں ایک عرصہ تک خاموشی رہی۔

انگریز کی آمد کے پہلے سال ہی اخوند صاحب سوات نے علاقہ سوات کے قبائل کو منظم کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ اور انہوں نے پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کی بیعت کا اعلان کیا جس کو خوانین سوات نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا سید اکبر شاہ کے عہد میں بجائے اس کے کہ ملت مجتمع ہوتی اختلافات مٹاتے اور مزید ملکی انتظامات کرتے، بدقسمتی سے جب ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی) کی اطلاع پشاور پہنچی تو سید اکبر شاہ رحلت فرما چکے تھے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے سید مبارک شاہ اور اخوند صاحب کے فرزند عبدالحنان نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور جلد ہی مذکورہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ سید مبارک شاہ سوات سے نکل کر پہلے پنجتاد بعدہ ستھانہ میں مقیم ہوگئے۔

انگریز نے یوسف زئیوں کے میدانی علاقے میں جنگ وجدل کی بجائے تدبیر عیاری اور مال و دولت سے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی سوائے یوسف زئی کے دو قبیلوں یعنی خدوخیل جس کی قیادت مقرب خان بن فتح خان پنجتار کر رہا تھا اور محمود زئی (ماموزئی) کی قیادت رحیم خان بن نیر بابا علی خیل ماموزئی رزڑ ساکن نواں کلی، انگریز نے ماموزئی یا محمود زئی پر حملہ کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک ہی جست میں دونوں کی مخالفت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن اقدام کے بعد پتہ چلا کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یوسف زئی کے دونوں قبیلے پوری ہمت اور جوانمردی سے مع اپنے رفقاء کے مقابلہ پر اُتر آئے اور مات خوڑ، تڑمنی، بنگزارہ مضافات اسوٹا اور شیخ جانہ و نارنجی میں اس شدت سے مقابلے کرتے رہیں کہ انگریز کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کا بہت سامانِ جنگ اور گھوڑے غازیوں کے ہاتھ آئے۔ انگریز نے پھر بڑی شدت سے شیخ جانہ پر حملہ کیا۔ مقرب خان خود کسی ناگزیر حالات کے پیشِ نظر اس مقابلے میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ البتہ اس کے دو بھائی مدد خان اور غفور خان لشکر لئے آئے تھے۔ ان یوسف زئیوں کو کمک بھی نہ پہنچ سکا، توپ کے گولے سے مدد خان شہید ہوا اور اس کی لاش کو اس کا بھائی غفور خان مع چھینے ہوئے انگریزی گھوڑوں کے پنجتار لے گیا۔ رحیم خان کا دست راست نواب خان بن منصور ساکن نواں کلی راقم الحروف کا پرداد ا بھی توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس شہید کے ٹکڑوں کو کمبل میں لپیٹ کر آبائی گاؤں نواں کلی (تحصیل صوابی) پہنچا کر سپردِ خاک کیا گیا۔ ماموزئی کے کئی سرکردہ جو جنگ میں گرفتار ہوئے انگریز نے ان کو سرِ دست درختوں سے لٹکا کر

پھانسی دی جن میں صرف دو آدمیوں کے نام مل سکے ہیں۔ شادل ولد پوردل اور ظریف خان ولد آمو خان ساکنان اسوٹا ماموزئی اکاخیل۔

ماموزئی اور خدوخیلوں نے حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے مصلحتاً پہاڑوں کی طرف ہٹ کر مقابلہ کیا اور انگریز نے پنجتار پر موضع سلیم خان کی جانب سے طوطالی کی طرف چڑھائی کی۔ مقرب خان بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا جبکہ رحیم خان کو توگرام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور نواں کلی بمقام غنڈی جہاں انگریز کا کیمپ تھا لایا گیا۔ اسمٰعیل خان بن لشکر خان اکوخیل منڈڑ اور میاں عنوان الدین قیاس خیل میانا موضع اسمٰعیلہ ڈھیری رزڑ نے اس کے رہائی کی سفارش کی اور اس پر دباؤ بھی ڈالا کہ وہ انگریز کی اطاعت قبول کرلے لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔ رہائی کے بعد جاگیر کی پیشکش کی گئی جسے اس نے ٹھکرا دیا، اور بعدہٗ خاموش زندگی بسر کرتے ہوئے نواں کلی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

الغرض کامیابی کے بعد پھر انگریز نے نواں کلی اور شیخ جانہ کے درمیان بمقام الوبانڈہ اپنا کیمپ نصب کیا۔ وہاں پر پھانسی کا بندوبست کیا اور مزید کئی سرکردہ آدمیوں کو وہاں لے جا کر پھانسی دی۔ پھر اس کے بعد ۲، جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز نے پنجتار پر حملہ کیا شدید جنگ ہوئی، اس جنگ میں قبائل کی امداد و اعانت میں ہندوستانی مجاہدین بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ جن کی قیادت مولوی نعمت اللہ کر رہے تھے۔ اور خدوخیل کی قیادت مقرب خان کا چچازاد بھائی میرباز خان ساکن چنگلئی کر رہا تھا جو مارا گیا۔ مجاہدین کے ایک قائد اور ایک خدوخیل ملک کو پھانسی دی گئی۔ اور دو گاؤں کو نذرِ آتش کرنے کے بعد انگریز واپس چلا گیا۔

۲۱ جولائی ۱۸۵۸ء کو انگریز نے دوبارہ نارنجی پر حملہ کیا اور بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں کی آبادی کو ہاتھیوں کے ذریعے مسمار کر دیا۔ برجوں کو بارود سے اڑا دیا۔ اور پچاس مجاہدین ایک جگہ شہید ہوئے اور وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔ نارنجی کا ایک ملک میر عظم کو زندہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ جنگیں ۲ اگست ۱۸۵۷ء تک جاری تھیں۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انگریز نے اس دوران اپنا رعب و دقار قائم رکھنے کیلئے پشاور میں تاجروں سے حکومت کے نام پر قرضہ بھی مانگا اور چار لاکھ روپیہ وصول کرنے میں کامیاب رہا۔

اکتوبر ۱۸۵۷ء میں اسسٹنٹ کمشنر مردان مسٹر ہورن شیخ جانہ کا دورہ کر رہا تھا۔ کہ مجاہدین کے قائد مبارز خان بن میر باز خان شہید خدو خیل ساکن چنگلئی نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمشنر خود تو ایک نالہ میں چھپ گیا اور اس کے چند ساتھی مارے گئے۔ جس سے انگریز کو لشکر کشی کا بہانہ مل گیا۔ اور ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو نوشہرہ کے قریب لشکر کا اجتماع ہوا۔ اسی دوران ایڈورڈ نامی ایک انگریز افسر کو موضع سلیم خان روانہ کیا گیا۔ تاکہ وہ وہاں کے باشندگان کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کرے اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا ۲۶ اپریل ۱۸۵۸ء کو جب نوشہرہ سے لشکر موضع سلیم خان پہنچ کر پنجتار کی طرف اقدام کرنے لگا تو خوانین طوطالی نے انہیں خوش آمدید کہا اور مقرب خان کو گرفتار کرنے کیلئے انگریز سے مل گئے۔ مقرب خان پنجتار سے نکل کر چنگلئی پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انگریز نے پنجتار کو نذر آتش کیا اور اس کے تعاقب میں چنگلئی کی راہ لی۔ چنگلئی پہنچ کر مبارز خان کے مضبوط قلعے کو خالی پا کر نذر آتش کیا۔ اور آبادیوں کو پیوند زمین کرتے ہوئے

واپس موضع سلیم خان کی طرف لوٹ آیا۔ وہاں سے منگل تھانہ جہاں مجاہدین آباد تھے، کو برباد کرنے کی ٹھانی اور ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو اقدام کیا طوطالی کے دوسو باشندے بندوقیں لئے ساتھ تھے ۳۰ اپریل کی صبح کو وہاں کی آبادی کو بارود سے اڑا کر انگریز افسر وہاں سے واپس لوٹے۔

اس سال انگریز نے اپنے بل بوتے اور طاقت پر بعض سرحدی قبائل سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت نہ دیں گے تو مجاہدین نے ستھانا کو خالی کر کے ملکا میں آبادی قائم کی۔ اور ۱۸۶۱ء میں مجاہدین پھر اس علاقہ میں جن سے وہ نکالے جا چکے تھے قابض ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں انگریز کے دو آدمی کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوئے تو اسے پھر حرکت کرنے کا موقع ملا اور اس واردات کو سید مبارک شاہ کی سازش قرار دیا۔ چنانچہ انگریز نے ہندوستانی مجاہدین کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ اخوند صاحب سوات اور مجاہدین میں چونکہ اعتقادی اختلافات ہیں۔ اس لئے وہ مجاہدین کی پشت پناہی نہ کریں گے جس سے مجاہدین کو سوات اور بونیر کے علاقوں سے امداد نہ مل سکے گی۔ اور مٹھی بھر مجاہدین کو ٹھکانے لگانا آسان ہوگا اور دوسرے قبائل پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ مجاہدین بھی بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے یوسف زئیوں کو بھی انگریز کی چال بازیوں سے آگاہ کرنے کے لئے خطوط لکھ کر بیدار کرنے کی سعی کی ان میں ایک خط بقول مصنف "ستھانا" انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ جس کی عبارت یوں بیان کیجاتی ہے:۔

" یہ بدکردار کافر اس خطۂ گلزار خاص کر علاقہ جات چملہ

بونیر سوات وغیرہ کو لوٹ کر تباہ و برباد کرنے کے بعد اپنی مملکت سے اس کا الحاق کر لیں گے۔ اس طرح ہمارا دین و دنیاوی تمام مال و متاع پامال کر دیا جائیگا۔ ان حالات میں حرمتِ اسلام، تحفظ تعلیم اسلام دینی اور دنیائی معاملات کے پیشِ نظر آپ اس موقع کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں۔ یہ کافر حد درجہ کے دھوکہ باز اور فریبی ہیں۔ اور جن طور طریقوں سے بھی ہوسکا وہ ان پہاڑیوں میں پہنچ کر افغانوں کے سامنے اعلان کریں گے کہ اُن کا ان قبائل سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ صرف ہندوستانیوں (مجاہدین) سے نبٹنا چاہتے ہیں۔ اور تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ دیں گے۔ حتیٰ کہ تمہارے سر کے ایک بال کو بھی نہ چھوا جائیگا۔ بلکہ وہ ہندوستانیوں (مجاہدین) کو ملیا میٹ کرنے کے بعد فوراً واپس لوٹ جائیں گے اور اس ملک میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ وہ افغانوں کو مال و دولت کا لالچ بھی دیں گے۔ اب یہ کام آپکا ہے کہ اُن کے مکروفریب میں نہ آئیں ورنہ جونہی انہیں موقع ملا۔ وہ آپ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ مصائب گرائیں گے اور عزت وآبرو سے محروم کرتے ہوئے آپ کی تمام دولت اور مال ومتاع پر قبضہ کرنے کے بعد آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔ اس وقت سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اس معاملہ کی اہمیت آپ پر واضح کر رہے ہیں"۔

دونوں طرف سے حرکت شروع ہوئی۔ اور ۳ر ستمبر ۱۸۶۳ء کو

مجاہدین نے اپنے قائدین محمد عبداللہ اور ملک عیسیٰ خان گدون کی سرکردگی میں موضع ٹوپی تحصیل صوابی میں مقیم انگریزی فوج (گائیڈز) پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج کیلئے راہِ فرار کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو ایک انگریز مصنّف میسن کو لکھنا پڑا کہ "یہ فرار ہمہ گیر اور شرمناک تھا"۔ وہاں سے ہٹ کر مجاہدین نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے مورچے سنبھال لئے۔ اس دوران انگریز لشکر کا اجتماع ہوتا رہا اور پوری رازداری سے کام لیا جانے لگا۔ کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ اقدام کس طرف ہوگا۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جنرل چیمبرلین نے صوابی پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸ر اکتوبر کو شیر درہ اور درّہ کی طرف کوچ شروع ہوا۔ ۱۹ر اکتوبر کو کمشنر پشاور نے ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ اطلاع دی کہ انگریز صرف ہندوستانی مجاہدین کو سزا دینا چاہتا ہے۔ افغانوں سے تعرض نہیں۔ مگر اس کا الٹا اثر ہوا اور یوسفزئی نے اپنے وطنِ عزیز کی سرزمین پر انگریز لشکر کی یلغار کو برداشت نہ کیا۔

۱۹ر اکتوبر ۱۸۶۳ء کو لشکر براستہ نواں کلی روانہ ہوا تو ۲۰ر اکتوبر کو امبیلہ جا پہنچا اور درہ کے آخری سرے پر کیمپ نصب کر دیا۔ ۲۱ر اکتوبر کا دن منصوبہ بندی میں گزرا۔ ۲۲ر اکتوبر کو گھوڑ سوار فوج کے دستے چلہ کی طرف اقدام کرنے لگے۔ اور جب شام کے قریب یہ سوار واپس لوٹے تو یوسف زئیوں نے پہاڑیوں سے اُتر کر انہیں نہ صرف پریشان کیا بلکہ تعاقب میں انگریزی کیمپ تک جا پہنچے نصف رات گزرنے پر یوسف زئی واپس لوٹ گئے۔

دوسرے یوسف زئی قبائل بھی میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ حتیٰ کہ اخوند صاحب کی سرکردگی میں مجاہدین نے ہلّہ بول دیا۔ بونیر اور

سوات کے علاوہ دیراور باجوڑ سے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا گیا۔ ہندوستانی مجاہدین اور یوسف زئی پہلو بہ پہلو استخلاص وطن کے لئے سینہ سپر دکھائی دے رہے تھے۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کو پھر شدید جنگ ہوئی انگریز چوکیاں مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر میں تھا اور ایک مضبوط چوکی کیمپ سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر ایگل فسٹ کے نام سے پہاڑ پر قائم کی اور ساتھ ہی تازہ دم لشکر کے انتظار میں لگا رہا۔ ۲۹، ۳۰ اکتوبر کی درمیانی شب کو مجاہدین نے مذکورہ چوکی پر بڑی شدت سے حملہ کیا۔ انگریز کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے ۲۹ اشخاص مارے گئے، ۹۲ زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے ۳۰ اکتوبر کی صبح کو چوکی پر قبضہ کرلیا۔ ۱۲ نومبر کو باجوڑ کے لشکر نے ایک دوسری چوکی کریگ پر حملہ کر دیا۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی اور ۱۳ نومبر کو مجاہدین نے چوکی پر قبضہ کرلیا۔ لیکن انگریز نے توپخانہ سے اس شدت سے حملہ کیا کہ مجاہدین اس چوکی کو خالی چھوڑ گئے انگریز نے تمام چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے لشکر بلا کر تمام طاقت کریگ پر جمع کردی۔ یوسف زئیوں نے پے در پے حملے کئے اور انگریز لشکر کے کمانڈر چیمبرلین کو زخمی کرتے ہوئے کریگ پر قبضہ کرلیا۔ یوسف زئی جس ہمت اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے اس کا ذکر لارڈ رابرٹس نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

"ہم پر مسلسل تین ہفتوں تک روزانہ حملے ہوتے رہے اور دشمن نہایت بہادرانہ طریقہ پر جنگ کرتا رہا۔ ان میں سے کئی ہمارے توپ خانہ کے حلقے میں پہنچ کر مارے گئے۔ دو دفعہ انہوں نے کریگ کی چوکی پر قبضہ کیا جو ہمارے تحفظ کی کنجی تھی۔ اور جسے ہر ایک قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا

ضروری تھا۔ دوسرے حملے میں جنرل چیمبرلین نے خود لشکر کی قیادت کی لیکن سخت زخمی ہوکر لشکر کی قیادت چھوڑ دینے پر مجبور ہوا"۔

اس سلسلے میں لارڈ مذکور مزید لکھتا ہے کہ :۔

"یوسف زئی قبائل اکثر اوقات انگریز لشکر کے کمانڈروں کو آواز دیتے تھے کہ "ہمیں تمہاری فرودست نہیں وہ لال پگڑی والے کہاں ہیں۔ اور وہ گورہ لوگ کہاں ہیں وہی ہمارے بہترین شکار ہیں"۔ قبائلیوں نے جلد ہی سکھ اور انگریزوں کو پہچان لیا جو اگرچہ جنگ آزما تھے لیکن ان پہاڑیوں میں بے بس نظر آنے لگے اور اپنا سر تک نہ چھپا سکے"۔

انگریز جان چکا تھا کہ فتح آسان نہیں تھی۔ جنگ نے بھی طول پکڑا، چنانچہ اس نے فریب کاری اور چال بازی سے کام لینا چاہا پولیٹیکل افسر اس کام میں مشغول ہوگئے۔ اختلافات کو ہوا دی جانے لگی۔ رفتہ رفتہ یوسف زئی قبائل میدان جنگ سے واپس لوٹنے کی فکر میں لگ گئے۔ جس سے لامحالہ ان کی طاقت کمزور ہونا شروع ہوئی۔ انگریز بونیر کے چند خوانین کو اس پر رضامند کرانے کی کوشش میں تھا، کہ وہ انگریز لشکر کے ساتھ ہوکر اڈشود ملکا کو نذر آتش کردیں، اخوند صاحب مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ گوکہ ان کے ساتھیوں میں کمی واقع ہو چکی تھی۔ انگریز نے انہیں ہتھیار پھینک دینے یا لوٹ جانے کا مشورہ دیا جو انہوں نے ٹھکرا دیا اور جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر کاربند رہے۔ چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی۔ اخوند صاحب جان چکے تھے کہ انگریز ملکا کو نذر آتش کرنے پر رضامند ہے تو انہوں نے

یہ شرط پیش کردی کہ انگریز ملکا کے باہر کے ایک کوٹھے کو آگ لگا کر واپس لوٹ جائے تو وہ بھی میدانِ جنگ سے اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلے جائیں گے ورنہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے۔ انگریز نے یہ شرط مان لی جس پر چھ انگریز افسر گائیڈز فوج کے کچھ سپاہی لے کر خوانین بونیر کی قیادت میں موضع ملکا پہنچے تو گاؤں کے باہر ایک جھونپڑے کو نذرِ آتش کر کے واپس لوٹ آئے۔

ﮦ دا امبیلے کید پسار به شول
چه ئے خوراک وو دګوداوو لړمونونه

انگریز کی اتنی شدید جنگ لڑنے کے بعد صرف ملکا کے ایک معمولی جھونپڑے کو نذرِ آتش کر کے لوٹ آنے پر رضامندی اس کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جس میں خود ایک انگریز مصنّف ڈبلیو ہنٹر کی تحریر کے مطابق چودہ انگریز افسر اور ایک ہزار سپاہی کام آچکے تھے۔ اور ایک دوسرے مصنّف "پگٹ" نے لکھا ہے کہ:-

"افغانوں کے خلاف ۱۸۴۹ء سے ۱۸۹۰ء تک کے دوران بیالیس مرتبہ فوج کشی کی گئی جس میں اس کے ۲۱۷۳ آدمی کام آئے اور پھر اس میں ۹۰۸ صرف معرکۂ امبیلہ میں مارے گئے تھے۔ اور اس طرح اس اہم ترین معرکہ کا خاتمہ ہوا"

معرکۂ امبیلہ کے بعد ہندوستانی مجاہدین میں کچھ انتشار پیدا ہوا۔ ایک حصّہ بونیر میں ہی رہا اور دوسرا علاقہ چغرزئی کو کوچ کر گیا۔ انگریز نے بھی پولٹیکل افسر کی وساطت سے دخل اندازی کی۔ اخوند صاحب سوات اور ان کے مخالفین میں جنگ ہوئی۔ مخالف جماعت کا سرغنہ مارا گیا تو اخوند صاحب کیلئے میدان صاف تھا۔ مجاہدین کو

کو نکال باہر کر کے ہزارہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔

اس معرکے کے بعد یوسف زئیوں کا انگریز کے ساتھ آٹھ نو سال تک کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا البتہ مختلف قبائل سے انفرادی حیثیت میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ بونیر کے قبیلہ عائشہ زئی نے ضلع مردان کے موضع پیر سائے کو نذرِ آتش کیا تو ان کی ناکہ بندی ہوئی اور جب انہوں نے جلے ہوئے گاؤں کو تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تو ناکہ بندی اٹھالی گئی۔ عجب خان موضع چارگلی جو کلا میرو (پیر حسن) کی اولاد میں سے تھا، کی انگریز سے بگاڑ کی صورت میں بونیر میں مقیم رہا۔ اس کی سرکردگی میں بونیر کے قبائل نے چند مرتبہ سدھوم پر حملے کئے تو اُسے گرفتار کیا گیا۔ اور عدالت نے اُسے سزائے موت دی۔

اس کے بعد بونیر کے قبائل کو مقبوضہ علاقوں میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا گیا۔ جس کے دوران جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ۱۸۸۶ء میں صلح ہوگئی۔ قبیلہ عائشہ زئی نے لوٹ کا مال واپس کر دیا اور قبائل نورزئی و دولت زئی نے آئندہ حملہ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا لیکن اگست ۱۸۹۷ء میں یوسف زئیوں نے ملاکنڈ پر حملہ کر دیا تو بونیر والوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور لنڈاکے (سوات) کے مقام پر انگریز سے مقابلہ ہوا۔ انگریز نے بونیر والوں کی وعدہ خلافی پر جنرل سر بنڈن بلڈ کی سرکردگی میں ۷ جون ۱۸۹۸ء میں بھاری لشکر کے ساتھ بونیر کے سالار زئیوں کے علاقہ پر اقدام شروع کیا۔ درہ تنگا پر قبضہ کر لیا۔ دوسرا لشکر پر سائے کے راستہ سے درۂ امبیلہ سے گزر کر چملہ کے علاقہ دکھائی دینے لگا۔ اس دفعہ یوسف زئی کی طاقت کم تھی۔ چنانچہ وادئ بونیر کو روند ڈالا گیا۔ اور بارہ دن اس حکمت عملی پر عمل ہوتا رہا۔ بالآخر سردارانِ یوسف زئی قبائل سالار زئی

عائشہ زئی ،گدی زئی ، دولت زئی ، نوری زئی اور نسوزئی نے جرمانہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی ، تو ۱۹ جولائی ۱۸۹۸ء کو انگریز لشکر واپس لوٹ آیا۔

پھر ۱۹۱۳ء میں درہ امبیلہ میں دو انگریز افسروں پر کسی نے گولی چلا دی تو انگریز نے لشکر کشی کی اور فروری ۱۹۱۴ء کی ایک رات کو درہ ملندری کو عبور کرتے ہوئے بونیر کے موضع نوے کلے اور زنگی خان کو جا برباد کیا اور سات ہزار روپیہ جرمانہ لگا کر لشکر واپس لوٹا۔

اول جنگ یورپ کے دوران علاقہ اشنغر کے مشہور عالم دین حاجی صاحب ترنگزئی جون ۱۹۱۵ء میں مقبوضہ علاقہ سے نکل کر باجوڑ جا پہنچے۔ جاتے ہی انہوں نے انگریز کیخلاف محاذ قائم کیا اور جلد ہی ان کا لشکر پیر سائے ، ملندری اور درہ امبیلہ میں دکھائی دینے لگا۔ انگریز لشکر ۱۶ اگست ۱۹۱۵ء کو رستم جا پہنچا۔ باشندگان بونیر بہادری سے لڑے لیکن کوئی اہم فیصلہ ہونے بغیر حاجی صاحب ترنگزئی واپس لوٹ گئے۔ مہمندوں کا محاذ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ آخرکار یوسف زئی قبائل انگریز کی شرائط ماننے پر مجبور ہو گئے جرمانہ ادا کرنے کا اقرار ہوا۔ تو لشکر واپس لوٹ گیا اور ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی تحریکات کی وجہ سے سرحدی علاقہ میں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔

حالات یونہی چلتے رہے۔ ادھر ریاست سوات کے حدود کو وسعت دی جا رہی تھی اور ۱۹۲۳ء میں بعض خوانین بونیر کی مرضی سے عبدالودود بادشاہ سوات نے اس پورے علاقے کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے محکمۂ سروے نے اس

علاقہ کی دیکھ بھال کی ۔ ۱۹۲۷ء میں انگریز اور بونیر کی سرحد پر نظر ثانی ہوئی اور اس کے بعد اس علاقہ میں سڑکیں تعمیر ہوئیں علاج و معالجہ کی سہولتیں میسر آئیں۔ تعلیم کا نظام رائج ہوا اور بونیر و چملہ کا علاقہ خطرات سے محفوظ ہو گیا۔

عمرا خان جندولی

وادئ جندول اندازاً آٹھ میل طویل اور چار میل عریض ہوگی۔ جو دریائے پنجکوڑا سے میدان تک کے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۸۷۹ء میں عباس خان خان جندول کی وفات پر عمرا خان نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ یہ وہ عمرا خان ہے جس کا دادا فیض طلب خان معرکۂ امبیلہ ۱۸۶۳ء میں جس کا ذکر اوپر ہو چکا ۔ باجوڑ سے لشکر لیکر شامل جنگ ہوا تھا۔ ادھر اخوند صاحب سوات کی وفات ۱۸۷۷ء پر ان کے بڑے لڑکے میاں عبدالحنان نے سوات کی عنان اقتدار ہاتھ میں لینے کی کوشش کی ، عمرا خان نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں گل کو اپنا ہمنوا بنا لیا ۔ اور ۱۸۸۲ء میں اردگرد کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ خان دیر کی نصف ریاست بھی اس کے قبضہ میں آ گئی۔ اس نے نہایت منظم طریقہ سے حکومت کا آغاز کیا ۔ اور انگریز سے اسلحہ طلب کرتا رہا۔ اور جب اس نے بمبئی کے ایک سکاچ کمپنی سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو مسٹر ڈین کمشنر پشاور نے مداخلت کرتے ہوئے رکوا دیا۔

انگریز مؤرخین نے اپنی تحریروں میں عمرا خان کو افغان نپولین کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس نے تحفظ ریاست کیلئے دیگر انتظامات کے ساتھ ساتھ بہترین قلعے بھی تعمیر کرائے۔ بد قسمتی سے میاں گل

اس دوران عمراخان اپنا لشکر لئے چترال کی طرف چل پڑا۔ مہتر چترال یہ سمجھ کر کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آرہا ہے۔ اپنا لشکر لئے مقابلہ کیلئے آیا لیکن عمراخان کے منظم لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ عمراخان نے دروش پر قبضہ کرتے ہوئے وہیں قیام کیا۔ اور چترال پر خود قبضہ کرنے کے بجائے امیرالملک کے چچا شیرافضل کو مہتر بنا کر اس سے وعدہ لیا کہ وقتِ ضرورت دونوں مل کر مخالفت کا مقابلہ کریں گے۔

انگریز ہمیشہ سے عمراخان کے جدید طرز کی حکومت کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ اُسے پوری طرح علم ہوچکا تھا کہ اس کا لشکر عام یوسف زئی قبائل کی طرح غیر منظم نہ تھا۔ چنانچہ اُسے فکر ہوئی کہ کہیں عمراخان چترال سے پشاور کی سرحد تک تمام قبائلی علاقہ پر اپنا تسلط نہ جمالے۔ اس نے مہتر شیرافضل کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ الفاظ غیر موزوں درخواست میں استعمال کئے گئے تھے۔ ساتھ ہی عمراخان کو بھی تنبیہہ کردی کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ شیرافضل نے انگریز کی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ایک ہی جست میں چودہ نمبر سکھ رجمنٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور انگریز افسروں کو قیدی بنا لیا۔ قلعہ کے سپاہی محاصرہ میں لے لیے گئے۔ اور جب اُن دو انگریز افسروں کو عمراخان کے بھائی عبدالمجیدخان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دھوکہ سے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ عبدالمجیدخان نے گرفتار کرنے والوں کی مذمت کی۔ شیرافضل بھی عزت واحترام سے پیش آیا۔ اور بالآخر اُن کو عمراخان کے پاس دروش بھیج دیا گیا۔ اور دوسرے روز جب عمراخان واپس لوٹ

کے ساتھ تعلقات خراب ہوگئے اور اس نے خان دیر سے صلح کرلی جو عمراخان کیلئے مشکلات کا پیش خیمہ تھی۔ تاہم اس نے ہمت نہ ہاری۔ اور ترقی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ حکومت افغانستان کو بھی خطرہ لاحق ہوا تو کابل کی طرف سے ایک مذہبی پیشوا مکراتی مُلا اس علاقہ میں آنمودار ہوا۔ اس نے عمراخان کے خلاف آگ کو ہوا دی۔ اور دیر، نواگئی، سوات، اتمان خیل اور ترکلانی قبائل، سالارزئی اور چھوٹا مہمند اجتماعی حیثیت میں مقابلہ پر اتر آئے۔ عمراخان نے جنگ بھی کی اور ساتھ ساتھ ان تمام میں باہمی کشمکش بھی پیدا کردی۔ مخالفین منتشر ہوگئے مکران مُلا بھی اس علاقہ سے نکل گیا اور بالآخر ۱۸۹۰ء میں عمراخان اپنے اقتدار کے عروج تک پہنچ گیا۔ اس نے سوات پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ پورے دیر کے علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ حتیٰ کہ خانِ دیر محمد شریف خان کو سوات میں جاکر پناہ لینی پڑی۔

اس دوران چترال کے حکمران خاندان کی آپس میں کشمکش ہوئی اور مہتر چترال امان الملک کا نوجوان لڑکا امیرالملک بھاگ کر علاقہ جندول میں پناہ گزیں ہوا۔ اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۱۸۹۴ء میں واپس وطن لوٹ گیا۔ اس وقت اس کا بھائی نظام الملک مہتر چترال تھا، اس نے جاکر اُسے قتل کردیا۔ اور جون ۱۸۹۵ء میں اپنی مہتری (بادشاہت) کا اعلان کردیا۔ انگریز پہلے ہی سے اپنے دستے وہاں اپنے تحفظ کے لئے قائم کرچکا تھا۔ شہزادہ نے انگریز سے اپنی حکمرانی تسلیم کرانے کی خواہش ظاہر کی تو انگریز افسر نے مرکز سے ہدایت طلب کرلی۔

رہا تھا۔ تو اُن افسروں نے بخوشی اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی اور وہ عمرا خان کے قلعہ برولا پہنچ گئے۔ راستہ میں اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ اور پھر عمرا خان کے پاس وہ دو ہفتے رہے۔ اس دوران بھی ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ جس کا اعتراف ان افسروں نے خود کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمرا خان کی نیت انگریز کے حق میں خراب نہ تھی تاہم انگریز جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی منظم جنگی طاقت سے ہمیشہ خائف رہا اس لئے اس نے عمرا خان پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔

۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کو انگریز لشکر کا اجتماع پشاور میں شروع ہوا۔ بعد میں نوشہرہ منتقل ہوا اور یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو جب اُس لشکر نے اقدام کیا تو اس میں ایک اندازے کے مطابق تین بریگیڈ جن میں نصف انگریز اور نصف دیسی فوج، گھوڑ سواروں کے دو رسالے، چار پہاڑی توپ خانے اس کے ساتھ پائینئر اور سیپر مائنرز مع تین رجمنٹیں رَسل و رَسائل کی دیکھ بھال کے لئے جن کی کمان لفٹیننٹ جنرل سر رابرٹ لو کے ذمہ تھی، شامل تھے اور ساتھ پانچ دیگر بریگیڈیئر جنرل تھے۔ یہ عظیم الشان لشکر اُن افغانوں کے خلاف روانہ ہو رہا تھا۔ جن کے پاس صرف خنجر، پتھر اور پرانی قسم کی بندوقیں کے سوا کچھ نہ تھا۔

نوشہرہ سے لشکر نے کوچ کیا۔ تو اُسے سرحدی پہاڑیوں کو عبور کرنے کیلئے درہ مورہ، درہ شاہ کوٹ اور درہ مالاکنڈ کے تین راستے دکھائی دیتے تھے اور اُن تینوں پر یوسف زئی مورچے باندھے سینہ سپر نظر آئے۔ ایک حصہ لشکر کو بائی زئی کی جانب روانہ کیا گیا، جس میں گھوڑ سوار تھے اور ہدایت تھی کہ وہ گرد و غبار اس

طریقہ پر اُڑائیں جس سے افغانوں کو تمام لشکر کا گمان ہو، دوسرے حصہ لشکر کو درہ شاہ کوٹ کی جانب بھیجا گیا۔ تیسرے حصے کو پوری طاقت کے ساتھ مالاکنڈ پر یلغار کا حکم ملا۔ ۳ اپریل کو حیوانوں اور انسانوں کے اجسام آگ اور خون سے کھیلتے نظر آنے لگے۔ مسلسل پانچ گھنٹے جنگ جاری رہی جس کے محاذ کی لمبائی اندازاً ڈیڑھ میل کے قریب تھی۔

یوسف زئی قبائل جس انداز سے معروفِ جنگ ہوتے اس کا ذکر اس میں شامل ایک انگریز (ریلیف آف چترال) یوں لکھتا ہے کہ:۔

"دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جو اس نے مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپخانہ کے صحیح نشانہ اور شاندار بمباری کے مقابل دکھائی دی اور مزید برآں کہ اس کے اختتام پر سنگینوں کے حملہ میں بھی پوری مضبوطی سے سینہ سپر رہے۔ اُن کے ایک سردار نے جو سرخ و سفید رنگ کا علم اُٹھائے ہوئے تھا اپنے ساتھیوں کو "سکارلٹس بورڈرز" (انگریزی فوج) پر اس وقت حملہ کرنے کو للکارا جبکہ وہ فوج پہاڑی کے نصف تک پہنچ چکی تھی۔ حملہ ہوا ایک ایک کر کے حملہ آور گرتے رہے تا آنکہ ان کا ایک سردار باقی رہ گیا۔ وہ بلا خوف و خطر گرتے پڑتے آگے بڑھتا رہا۔ اِدھر زخمی ہوا اُدھر بلا توقف پھر اُٹھا، چلا، بالآخر قریب پہنچ کر گولی لگنے سے ختم ہوا۔ اس سے زیادہ ہمت و جرأت کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

یہی مصنّف ایک اور افغان کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"دشمن کا ایک ڈھولک بجانیوالا جب اپنی جرأت دکھانے پر مطمئن نہ ہوا تو ایک جھونپڑے پر چڑھ کر اُوپر سے اپنے ساتھیوں کو للکارنا شروع کیا۔ اور وہیں سے انہیں شاباش دیتا رہا۔ وہ یکے بعد دیگرے گولیوں سے زخمی ہوتا رہا۔ لیکن گرتا زخم کو باندھتا پھر کھڑے ہوکر ڈھولک پر ضرب لگاتا۔ بالآخر ایک گولی اس کا سینہ چاک کرتے نکل گئی تو وہ سر کے بل کوئی ایک سو گز کے فاصلہ پر چٹان کے کنارے گر کر ختم ہوگیا لیکن اس حالت میں کہ ابھی تک ڈھولک اس کے گلے میں اور ہاتھ ضرب لگانے کو اُٹھے ہوئے تھے۔"

(کیپٹن ینگ ہزبنڈ)

رات ہوچکی تھی جنگ بند کردی گئی۔ وہ یوسف زئی جو درہ مورہ اور شاہ کوٹ میں پڑے ہوئے تھے۔ حالات سے باخبر ہوکر اس طرف چلے آئے اور مصلحتاً پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دن چڑھے ایک بریگیڈ نے سوات کی راہ لی۔ شام کو یوسف زئیوں نے پھر حملہ کیا۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد واپس لوٹ گئے۔ تھانہ میں اجتماع کیا۔ ۵، اپریل کو پھر جنگ ہوئی۔ سخت مقابلہ کے بعد یوسف زئی دریائے سوات عبور کر گئے تو عمرا خان کا ایک بھائی امدادی لشکر لئے پہنچ چکا تھا۔ انگریز کا بھی کچھ لشکر کسی نہ کسی طریقے سے دریا کے پار پہنچ گیا۔ چکدرہ میں عمراخان کا تعمیر کردہ قلعہ انگریز کے ہاتھوں تباہ ہوا، اور انگریز لشکر نے جندول کی طرف اقدام شروع کیا۔

۱۰، اپریل کو دوپہر کے وقت دو لشکر دریا کے دونوں کناروں سے

آتے دکھائی دئے۔ شدید جنگ ہوئی انگریز لشکر کا کمانڈر بری طرح زخمی ہوکر گرا تو لشکر نے واپس کیمپ جانے کا رُخ کیا۔ یوسف زئی تعاقب میں تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر انگریز لشکر پر پھینکتے رہے۔ بالآخر رات ہوئی تو افغان واپس لوٹ گئے۔

اس جنگ وجدل میں انگریز لشکر عمراخان کے مرکز بروا سے کوئی اٹھارہ میل تک پہنچ چکا تھا۔ دریائے پنجکوڑہ پر انگریزوں نے پُل باندھا۔ خان دیر کو ہدایت ہوئی کہ وہ تھوڑا سا لشکر لے کر چترال کی طرف چل دے اور راستہ میں یہ مشہور کرتا جائے کہ عمراخان کو شکست ہوچکی ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا لوگوں میں بددلی پھیلی اور عمراخان کو مزید کمک نہ پہنچ سکی۔ انگریز نے خط کے ذریعے عمراخان کو دعوت دی کہ وہ اکیلے باہر نکل کر لشکر کے کمانڈر سے گفتگو کرے عمراخان نے جواباً لکھا کہ:۔

"مجھے آپ سے مل کر بااطمینان گفتگو کر لینے میں بڑی مسرت ہوتی اور اس طرح تمام معاملات بطریقِ احسن طے کر لئے جاتے لیکن بدقسمتی سے میں اس وقت تین ہزار غازیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ جو میرے باہر نکلنے کی بات کو سننے کے بھی روادار نہیں۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آپ بھی قاتلوں کو ساتھ لیے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں بااطمینان گفتگو نہیں ہوسکتی میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اپنے قاتل ساتھیوں کو دور کر دیں اور میں اپنے ساتھیوں کو دور بھیج دوں گا۔ اس کے بعد میں اور آپ کھلے میدان میں مشاورت کرلیں گے۔"

عمراخان کا جواب قابلِ قدر تھا مگر انگریز کی نیت خراب تھی۔

جنگ شروع ہوئی۔ افغانوں نے شدت سے حملہ کرتے ہوئے انگریز لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا لیکن اسی دوران مزید لشکر معہ توپ خانہ کے آ پہنچا۔ جنگ بند ہوگئی، عمرا خان کچھ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ راتوں رات وطنِ عزیز کو خیرباد کہتے ہوئے افغانستان چلا گیا۔ صبح ہوئی تو انگریز لشکر نے اقدام کیا۔ مقابلہ پر کوئی نظر نہ آیا۔ اور وہ نہایت فاتحانہ انداز میں منڈا قلعہ میں جس کے دروازے کھلے تھے داخل ہوگیا۔ یہ ۱۷ر اپریل ۱۸۹۵ء کا روزِ بد تھا۔ اب انگریز کو مزید اقدام کی ضرورت نہ تھی۔ وہ عمرا خان کی طاقت کو توڑنا چاہتا تھا توڑ چکا۔

مذکورہ جنگ کے دوران محمد شریف خان سابق خانِ دیر انگریز کی مدد کرتا رہا۔ اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ انگریز کا پیغام لے کر چترال کی طرف گامزن ہوا تھا۔ چنانچہ انگریز نے دوبارہ اُسے خانِ دیر تسلیم کر لیا۔ اس دوران دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی بعد میں چترال کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ تو وہ مالاکنڈ ایجنسی کے نام سے موسوم ہوئی۔

حاجی عمرا خان جندولی سے نبرد آزما ہونے کے بعد انگریز نے چترال پر اقتدار قائم رکھنے کی غرض سے پشاور سے چترال تک سڑک تعمیر کی اور اُسے محفوظ رکھنے کیلئے درگئی، مالاکنڈ، خار اور چکدرہ میں حفاظتی چوکیاں قائم کیں۔ تقریباً دو سال امن و چین سے گزرے تاہم یوسف زئی افغان مطمئن نہ رہ سکے اور موقع و محل کی تلاش میں رہے۔ انہی حالات میں ۱۸۹۷ء صوبہ سرحد کے تمام قبائلیوں میں بیک جنبش انگریز کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ وزیرستان سے ایک چنگاری نے اُڑتے ہوئے پورے صوبہ سرحد یعنی آفریدی، مہمند اور علاقہ مالاکنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بالائی سوات میں بھی شورش

برپا ہو چکی تھی۔ نواب دیر نے انگریز کو پالم ملا صاحب اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا۔ جس سے عوام کے جذبات بھڑک اُٹھے۔

۱۸ر جولائی ۱۸۹۷ء کو لنڈاکے کے قریب ملا مستان[1] یا سرتور فقیر جس کا اصلی نام سعد اللہ خان ولد حمید اللہ اور موضع ریگا بونیر کا رہنے والا تھا۔ اور یوسف زئی ملی زئی کے ذیلی شاخ نوری زئی کے آبازئی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کے بھائی کا نام زرداد پہلوان تھا، نمودار ہوا۔ جس نے عوام کو جہاد کی دعوت دی۔ انگریز کو علم ہوا تو اُس نے مردان سے گائڈز نامی فوج طلب کرلی۔ اور فیصلہ کیا کہ راتوں رات امان درہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ۲۶ر جولائی کو ملا مستان نے لنڈاکے سے تھانہ کا رُخ کیا۔ اس وقت اُس کے ساتھ صرف چند خورد سال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اُٹھائے چل رہے تھے۔ لیکن راستہ میں تین چار سو یوسف زئی نوجوان ساتھ ہو گئے تو مواضعات الہ ڈھنڈ، بٹ خیلہ اور پیر کورونہ سے ہوتے ہوئے قلعہ مالاکنڈ پہ رات ۹ بجے حملہ آور ہوئے۔ انگریز لشکر نے سراسیمگی کی حالت میں سکھوں کو آگے جھونکا جو اکثر قتل ہو گئے۔ افغانوں نے کوارٹر گارڈ پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ اور بارود لوٹ لیا۔

---

[1] پہ لنڈاکی ورتہ دیرہ سرتور فقیر دے
ہینک فرنگے د ځان پہ ویر دے

سال وفات ۱۳۳۶ھ بمقام فتح پور سوات اپنے پیچھے چار بیٹیاں اور ایک بیٹا مسمی عمرا خان چار سالہ چھوڑ گئے تھے۔ عمرا خان زندہ ہے اور فتح پور میں صاحبِ جائداد اور رہائش پذیر ہے۔ اس نے باپ کا قبر پختہ کیا ہے۔

اور صبح تک یہ ہنگامہ آرائی جاری رہی۔ اس حملہ میں انیس غازی شہید ہوئے اور انگریز سے ایک کرنیل، ایک میجر، ایک لفٹیننٹ اور پانچ سو اکیس سپاہی مارے گئے۔ اور ایک ہزار تینتیس سپاہی زخمی ہوئے۔ اسی رات سعد اللہ کی ہدایت پر افغانوں نے قلعہ چکدرہ پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا انگریز نے مالاکنڈ فیلڈ فورس کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد مالاکنڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ مستحکم رکھنا تھا۔

۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو انگریز لشکر کا نوشہرہ چھاؤنی میں اجتماع ہوا۔ جنرل بنڈن بلڈ نے اس کی قیادت سنبھالی۔ اس رات افغانوں نے قلعۂ چکدرہ پر پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر قبضہ کر لیا۔ دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مارے گئے۔ اس کی روداد یوں بیان کی جاتی ہے کہ چکدرہ میں اس جھڑپ کے دوران انگریز تازہ دم فوج لے کر آیا تھا۔ اور ان کی تعداد بھی پہلے کی نسبت زیادہ تھی۔ افغان پیچھے ہٹنے لگے، دو انگریز افسر تعاقب میں تھے کہ اچانک جمروز خان نامی ایک بہادر افغان جو مینگورہ (سوات) کا رہنے والا تھا۔ اور ملک تجمل نور کا بیٹا تھا اور یوسف زئی کی ذیلی شاخ بابوزئی سے تعلق رکھتا تھا، کی للکار سنائی دی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ اور اپنا پستول ہاتھ میں لئے ان کو ٹھہرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں رسالہ کے وہ دو انگریز افسر گھوڑ سوار مارے گئے اور کئی سپاہی بھی لقمۂ اجل بنے۔ اس کا یہ جذبہ چوکی پر قبضہ کرنے میں ممد ثابت ہوا۔ اس حملہ میں کئی غازی شہید ہوئے اور انگریز کا ایک صوبیدار ایک میجر، ایک لفٹیننٹ اور ۱۱۱ سپاہی مارے گئے اور ۱۲۰ سپاہی زخمی ہوئے۔

یہ سب کچھ سید اکبر بامی خیل بابوزئی جو جمروز خان کا ساتھی تھا، کی ہمت سے ہوا۔

۲ اگست کو انگریزی لشکر نے اقدام کرتے ہوئے امان درہ پر قبضہ کرنے کے بعد چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لے لیا۔ اور اس قدر بربریت کا مظاہرہ ہوا کہ جو افغان سامنے آیا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سکھوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ انتقام لینے کے لئے بٹ خیلہ پر یورش کریں وہاں بھی قتلِ عام ہوا۔ ان جنگوں میں باشندگانِ سوات باجوڑ اور اتمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد میں مقبوضہ علاقہ کے افغان بھی شامل ہوئے۔ اپنے افغان بھائیوں کی امداد و اعانت کے لئے تپہ بائی زئی (ضلع مردان) اور تنگی (ضلع پشاور) سے بھی جتھے آئے انگریز نے جوشِ انتقام میں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو گو کہ وہ خالی ہو چکی تھیں اور ان کے مکین پہاڑوں میں چلے گئے تھے مسمار کر دیا۔ اور اسی طرح پائین سوات کے علاقہ کو بھی پامال کرتے ہوئے بڑھنے لگے۔ اور بالائی سوات پر نظر اٹھی۔ وہاں کے باشندگان نے شرائط صلح طلب کیں لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ اس علاقہ کو بھی پامال کیا جائے۔ اسی مدعا کے پیش نظر ۱۶ اگست کو جنرل بلڈ کی کمان میں انگریزی لشکر نے تھانہ کی طرف کوچ کیا اور امداد کیلئے مزید لشکر کو مردان میں مقیم کر دیا گیا۔ اسی دن انگریز لشکر نے لنڈاکے پر حملہ کر دیا جس میں توپ خانہ بھی زیر استعمال تھا۔ افغان مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف سے افراد مرتے اور کٹتے رہے۔ ۱۸ اگست کو انگریز نے جدید انتظامات کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ قدم قدم پر غازی مدافعت کرتے رہے تاہم ۱۹ اگست کو یہ لشکر منگورہ پہنچ گیا۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی اور ۲۴ اگست

کوبریکوٹ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے کیمپ کی راہ لی۔

بعد ازاں انگریز کی پیش قدمی جندول کی طرف ہونے لگی۔ تو ۹ ستمبر ۱۸۹۷ء کو گوسم کے مقام پر کیمپ نصب کر دیا۔ ۱۰ ستمبر کو اس لشکر نے مختلف جماعتوں کی شکل میں وادی میں گھومنا شروع کیا۔ خوانین سے انفرادی طور پر بات چیت ہوئی۔ اور بعد ازاں مہمندوں کی گوشمالی کا خیال پیدا ہوا جن پر نواگئی کے راستہ اقدام کیا جا سکتا تھا چنانچہ لشکر کا ایک حصہ ۱۲ ستمبر کو شموزئی پہنچا تو دوسرے حصہ نے علاقہ جار کی راہ لی۔ اوّل الذکر لشکر دریائے رُتلئے کو عبور کرتے ہوئے علاقہ خار میں داخل ہو گیا۔ اور مقابلہ کرنے کے بجائے خانِ خار نے اُن کا استقبال کیا نیز انگریز کمانڈر کو یقین دلایا کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ جس پر انگریز کمانڈر نے لشکر کی آمد سے فصلوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس کا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

اب ایک حصہ لشکر کو رُتلئے یا وادئ میموند کی طرف روانہ کیا گیا اور اس نے رُعب ڈالنے کی خاطر وادی میں داخل ہوتے ہی پہلے گاؤں کو نذرِ آتش کر دیا جس پر افغان جو پہلے ہی سے اپنے گھروں کو خالی کر چکے تھے اور تیار بیٹھے تھے، جلدی ان پر حملہ کر دیا انگریز کیلئے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ سنبھل نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا افغان کافی دور تک تعاقب کرتے رہے۔ انگریز لشکر نے نواگئی جا کر دم لیا۔ وہاں اطلاع ملی کہ مہمندوں کے مشہور بزرگ ہڈہ مُلا صاحب لشکر لئے انگریز کا انتظار کر رہا ہے تو اس نے اس وقت مہمندوں کے حملہ کو التوا میں ڈال کر پہلے اس علاقہ کی وفاداری کا اطمینان کر لینا چاہا۔ جار سے لشکر کی روانگی پر درہ رمبت کے قریب افغانوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا، نصف رات تک جنگ

رہی۔ تین انگریز ایک دیسی افسر کئی سپاہی اور ۹۸ گھوڑے اور خچر کام آئے۔ دن نکلنے پر انگریز نے تعاقب شروع کیا مگر افغان اس وقت تک دور جا چکے تھے۔ راستہ میں ایک آدھ جھڑپ ہوئی اور جب سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پتھروں کی آڑ لے کر فائرنگ شروع کی تو افغان اپنی گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ اب انگریز نے درہ رمبت کو عبور کرنے کا ارادہ ترک کر کے وادئ میموند کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا اور خانِ خار کے محفوظ ترین قلعہ عنایت میں انگریز لشکر کا اجتماع ہوا تو ۱۶ ستمبر کو وادئ میموند کی راہ لی۔

رسالہ توپ خانہ اور پیادہ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک حصہ صبح ۹ بجے کے قریب دمدولہ پہنچا۔ افغان مقابلہ پر اتر آئے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ انگریز واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا افغان تعاقب کرتے رہے۔ دوسرے حصہ لشکر نے بدلئے کی طرف اقدام کیا۔ یہاں پر بھی افغان ڈٹے رہے اور انگریز نے اپنی خیریت واپس لوٹنے میں ہی دیکھی۔ ادھر تیسرا حصہ جو شاہی تنگی کیطرف کوچ کر رہا تھا۔ مصیبت میں پھنس گیا۔ اور جب افغانوں نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بھی واپسی کا حکم ملا۔ افغان پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور ایسی بھگدڑ مچی کہ سپاہی ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ جب نصف کے قریب لشکری مارے جا چکے۔ تو افغان اس وقت کافی نزدیک آ چکے چنانچہ دست بدست جنگ شروع ہوئی۔ اور بمشکل باقی ماندہ لشکریوں نے بھاگ کر ایک نالہ میں پناہ لی اور ۱۲ بجے تک یہ جنگ جاری رہی اور اس کے بعد جب افغان واپس لوٹے تو ایک ڈاکٹر انگریز ہیوز کو بھی اٹھا لے گئے جس کے انجام کا کچھ پتہ نہ چلا۔

انگریز کے وقار پر یہ کاری ضرب تھی اس نے فوری طور پر لشکر کو

جمع کیا اور اقدام کا حکم دیدیا۔ افغان اس وقت دور جا چکے تھے۔ جو تھوڑے سے بہت رہ گئے تھے انہوں نے جنگ جاری رکھی۔ انگریز نے بمشکل دو گھنٹوں میں پہاڑی پر چڑھ کر قلعہ تنگی پر بمباری شروع کی اور اُسے برباد کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ ان کی واپسی پر افغان ان کے تعاقب میں رہے۔ اور انہوں نے لشکر کے ایک حصّہ کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ شام ہوئی اور انگریزی لشکر نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو افغان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ افغان سائے کی طرح ساتھ لگے رہے۔ بھاگنے والوں کی حالت قابل رحم تھی، راستہ میں نڈھال ہو کر خود بخود گرنے لگے۔ اور سکھوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ اپنے اسلحہ اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔ شدید بارش ہوئی اور افغان نرغے میں پھنسے ہوئے سپاہیوں کو اپنی حالت میں چھوڑ کر انگریز واپس چلے گئے۔

اگلی صبح انگریز نے اُن گمشدہ یا نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کی فکر کی اور اقدام کیا۔ روانگی ہوئی تو راستہ میں لشکروں کے مُردے ملے، زخمی ملے، اگرا ہوا سامان ملا۔ اور جب وقوعہ پر پہنچے تو چھوٹے ٹیلوں میں اپنے تمام ساتھیوں کو خون میں لت پت پایا جن میں ایک جرنیل بھی تھا۔ اس کا نام انگریز نے صیغۂ راز میں رکھا ہر طرف آدمیوں اور خچروں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس موقع پر ۹ انگریز، ۴۴ دیسی افسر اور ۱۳۶ سپاہی لقمۂ اجل بنے۔

۱۸ ستمبر کو جذبۂ انتقام کے تحت انگریز نے پوری ایک بریگیڈ فوج کے ساتھ دودولہ کی طرف اقدام شروع کیا۔ افغان بھی مقابلہ کرتے رہے اور لشکر پر مسلسل آتش بازی ہوتی رہی جس سے یہی معلوم ہو رہا تھا کہ کافی تعداد میں افغان مقابلہ کر رہے ہیں لیکن جب

آتش بازی بند ہوئی تو دیکھا گیا کہ صرف ایک افغان مجاہد انگریز لشکر کو اس قدر پریشان کر رہا تھا۔

۲۰ ستمبر کو انگریز نے موضع اغنی کا رُخ کیا۔ اور معمولی جھڑپ کے بعد واپس ہوا۔ اسی طرح ۲۲، ۲۳ ستمبر کو داغ اور تنگی کو برباد کیا گیا۔ دریں اثنا انگریز جنگ سے تنگ آچکا تھا۔ اُسے اپنے لشکر کی ضروریات مہیّا کرنا آسان نہیں تھا۔ چنانچہ صلح و صلاحیت کے بہانہ جنگ کو ختم کرنا چاہا اور صرف اس قدر مطالبہ کیا کہ ۱۶ ستمبر کو لشکروں کو قتل کرنے کے بعد جس قدر بندوقیں چھین لیگئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں اس پر ایک انگریز مصنّف مسٹر چرچل یوں اظہارِ خیال کرتا ہے کہ:۔

"یہ بندوقیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ اگر اہمیت تھی تو اُن افسروں اور سپاہیوں کی کہ جو ہم کھو چکے تھے۔ یہ نامناسب کفایت شعاری تھی۔ لیکن حقیقتاً شہنشاہیت اور کفایت شعاری کا ہمیشہ سے آپس میں ٹکراؤ رہا ہے جیسا کہ دیانتداری اور ذاتی اغراض کا۔ اسی وجہ سے ہم بڑی رقموں کے پیچھے اچھی رقمیں پھینکنے کے پالیسی پر عمل پیرا رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ تاکہ ہماری ساکھ قائم رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نادہندہ قرض دار تاجر کو ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں سامان مہیّا کرنے کے آرڈر دینا شروع کر دیتا ہے۔"

۲۶ ستمبر کو وادیٔ میموند کا ایک جرگہ گفتگو ئے صلح کے لئے چکدرہ پہنچا لیکن صلح نہ ہو سکی تو ۲۹ ستمبر کو انگریزی لشکر نے وادیٔ میموند میں پندرہ دیہاتوں کو مسمار کر دیا۔ افغانوں کو اس کا علم پہلے

ہی ہو چکا تھا اور انہوں نے اپنے اپنے اہل و عیال کو پہاڑیوں میں لے جا کر گاؤں خالی کر دیے تھے۔ اور حتی المقدور مقابلہ کرتے رہے ۳۰؍ ستمبر کو آگرہ اور گٹ پر آگ برسائی جانے لگی۔ افغان مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے اور والہانہ انداز میں جنگ لڑی جا رہی تھی۔ دو انگریز افسر مارے گئے، پانچ شدید زخمی ہوئے اور ۴۵ سپاہی لقمۂ اجل بنے۔

لشکر کا کمانڈر چکدرہ میں مقیم تھا ۲؍ اکتوبر کو وہ تازہ دم فوج لے آ پہنچا۔ اس کی آمد سے قبل ۳۰؍ ستمبر کو بدلئی پر دوبارہ بمباری ہو چکی تھی۔ پہلی بمباری کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بمباری کے بعد جب یہ لشکر واپس لوٹا تو افغان تعاقب کر رہے تھے۔

اس کے بعد پھر گفتگوئے صلح کا آغاز ہوا، اور ۱۱؍ اکتوبر کو خانِ خار، خانِ جار اور خانِ نواگئی کی قیادت میں علاقہ کے معززین پر مشتمل ایک جرگہ عنایت قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر نواں کلی میں حاضر ہوا۔ اور فیصلہ ہوا کہ ایک مقررہ تعداد میں بندوقیں واپس کرنے کے بعد عمرا خان کے طرفداران کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے۔ اس پر ۱۲؍ اکتوبر کو عنایت قلعہ کا کیمپ اٹھایا گیا۔ انگریز نے خانِ نواگئی کو دس ہزار روپے۔ خانِ خار کو ساڑھے تین ہزار روپے اور خانِ جار کو اڑھائی ہزار روپے بطورِ "صلہ خدمات" انعام میں دیئے تو لشکر کی واپسی ہوئی اور ۲۰؍ اکتوبر کو جار پہنچ کر اتمان خیلوں سے شرائطِ صلح طے پائیں، وہاں سے مالاکنڈ جادم لیا۔ راستہ میں بمقام جلالہ ایک مختصر سے لشکر کو مقیم رہنے کا حکم ملا تاکہ محاربہ تیراہ میں شمولیت کے خواہشمند بونیر والوں کو روکا جا سکے اور اس طرح انگریز کا ۱۸۹۷ء کا وحشت اور بربریت کا دور ختم ہوا۔

صرف یہی نہیں بلکہ تحریک آزادی اس زور سے چلی کہ انگریز واپس جانے پر مجبور ہوا اور یوں ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

انگریزوں کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

؎ اے ز افسونِ فرنگی بے خبر
فتنہ ہا در آستینِ او نگر!

از فریبِ او اگر خواہی اماں
اشترانش را ز حوضِ خود براں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
وحدتِ اعرابیاں صد پارہ کرد

ریاستِ دیر

ریاستِ دیر شمال مغربی سرحدی علاقہ میں واقع یوسف زئی قبیلہ کی ایک قدیم اور سیاسی حیثیت سے اہم اور مشہور ریاست تھی جس کی زیادہ تر آبادی یوسف زئی کی ذیلی قبائل ملی زئی ادین زئی اپا نزئی اور خادکنزئی پر مشتمل تھی۔

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس ریاست کی ابتدا کب اور کن حالات میں ہوئی کیونکہ اس قبائلی علاقہ میں عہد بہا کو خان کے بعد وقتاً فوقتاً صاحبانِ قوت اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا حکومتیں قائم کرتے رہے جن میں ریاستِ دیر کو قدرت نے طویل زندگی عطا کی۔

کہا جاتا ہے کہ اخون الیاس بن تور بن ابراہیم بن بامت بن موسےٰ پائندہ خیل ملی زئی یوسف زئی ایک بزرگ نے اپنے زہد و تقویٰ سے

اس علاقہ میں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ جو بعد میں اخوند صاحب دیر کے نام سے مشہور ہوئے اور جو سجادہ نشینوں کی حیثیت سے قوم کی رہنمائی کرتے تھے۔ جس کی تفصیل بقول عبدات شکور رشاد ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اخوند الیاس و شیخ آدم بنوری مشوانی

دیر کے اخوند بابا کا نام الیاس اور والد کا نام نور ہے۔ قبیلہ کے لحاظ سے یوسف زئی میں خواجہ زئی، ملی زئی پائندہ خیل ہے۔ اخوند الیاس اپنے وقت کے تمام مروّجہ علوم کی تحصیل کے بعد ایک افغان بزرگ شیخ آدم مشوانی کے بڑے بیٹے خواجہ محمد کے مشورہ سے ہدایت و عرفان کی تلاش میں لاہور پہنچے۔ اور وہاں شیخ آدم مشوانی کے مرید ہوگئے۔ شیخ آدم مشوانی بنور نامی گاؤں کے ایک نامور افغان بزرگ تھے۔ انہیں شاہجہان بادشاہ نے ۱۰۵۱ھ میں ملک بدر کردیا۔ اور وہ مکہ مکرّمہ چلے گئے۔ اس ہجرت میں اخوند الیاس یوسف زئی بھی اپنے پیر کے ہمرکاب رہے۔ اس مبارک سفر میں انہیں شیخ آدم مشوانی کی طرف سے خلافت کا خرقہ اور ارشاد کی اجازت ملی۔ ۱۰۵۳ھ عید الفطر کے آخری دنوں میں شیخ آدم مشوانی نے مدینہ منوّرہ میں وفات پائی۔ اخوند الیاس وطن واپس آگئے۔ اور لاجبوک کے مقام پر عرفان کی مشعل روشن کی۔ اس علاقہ کے اکثر افغان ان کے مرید ہوگئے اور مرتے وقت تک بنوری طریقے پر قائم رہے اور لاجبوک کے مقام پر ۱۰۸۶ھ مطابق ۱۶۷۶ء ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد نے وہ مشعل جو انہوں نے روشن کی تھی، کئی پشتوں تک اس

علاقے میں روشن رکھی۔ اور وہاں کے لوگ علم و عرفان حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس جمع رہتے تھے۔ یہ گھرانہ اخون خیل کے نام سے موسوم ہوا۔ اور عزت و وقار کی خاطر اس خاندان کے ہر آدمی کے لئے اخوندزادہ بطور لقب کے مشہور ہوا۔ ریاست دیر کے حکمران خاندان کا شجرہ نسب اخوند الیاس سے ملتا ہے۔ اخوند الیاس کی اولاد میں غلام خان پہلا شخص ہے جو طاقت کا مالک ہوکر علاقہ دیر کا خان بنا اور ایک ریاست کی بنیاد ڈالی۔

شیخ آدم نسلاً افغان اور قبیلہ کے لحاظ سے مشوانی ہیں اور مشوانی کابل کے کوہ دامن، قندھار کے گرمسیر، فراہ کے جان محمد کلے، میمنہ کے شرین تگاؤ، کوئٹہ کے اسمار (سوات میں جگہ جگہ اور پشاور میں) دیر کے میدان و جندول اور ہزارہ کے کوہ گنگر سری کوٹ میں آباد ہیں۔ شیخ آدم مشرق پنجاب میں جالندھر کے قریب پٹیالہ ریاست کے بنور نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس وجہ سے بنوری کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے والد اسماعیل خان، خان جہان لودی کے مشیر خاص تھے۔ آدم خان بھی جوانی کے ابتدا میں خان جہان لودی کی فوج میں عہدیدار تھے۔ کچھ مدّت بعد افغان قوم کے ایک نامور بزرگ حاجی خضر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس کے بعد حاجی خضر کے پیر مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی الکابلی سے تکمیل اور ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی افغان ان کے مرید ہوئے تو شاہجہان کو خطرہ لاحق ہوا اور ان کو ہندوستان سے ملک بدر کیا۔ وہ مکہ مکرمہ چلے گئے اور مدینہ منوّرہ میں وفات پاکر جنت البقیع میں سپردِ خاک کئے گئے۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں نکات الاسرار، نظم النکات، خلاصۃ المعارف

اور تفسیر سورۃ الفاتحہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(ماخوذ از مجلہ کابل اپریل ۱۹۷۷ء تحریر عبدالشکور رشاد صـ۲۳
بحوالہ تاریخ مرصع و خزینۃ الاصفیاء)

الغرض اخوند الیاس کی وفات پر اس کا بیٹا اللہ یار، پھر اسمٰعیل گدی نشین ہوا جو اپنے والد کے نقش قدم پر سجادہ نشینی کے ذریعہ قومی اصلاح و تعمیر میں مصروف رہا۔ اس کی وفات پر اس کا لڑکا غلام خان گدی نشین ہوا۔ جس کو حکومت کے ظاہری اسباب، گھوڑا، اسلحہ، اراضی اور مال و دولت کافی مقدار میں میسّر تھا۔ اُس نے مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ خانی کی طرف بھی توجّہ کی۔ اور یوں سجادہ نشینی کو حکومت میں تبدیل کر کے ریاست دیر کی بنیاد رکھ دی۔

غلام خان کے بعد اس کے بیٹے ظفر خان نے مذہبی چادر کو امارت و حکمرانی سے مکمل طور پر بدل دیا۔ اور اپنی حکومت کو بزور گرد و نواح کے اقوام پر ٹھونسنے لگا تھا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا قاسم خان جانشین ہوا جس نے دیر کی حکومت کو بڑی حد تک وسعت دی۔ اس وقت علاقہ کاشغر میں چار حکمران تھے جن پر قاسم خان نے حملہ کر کے شکست دی اور ان کو محکوم بنا کر خراج کی ادائیگی پر اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیر سے ملحقہ علاقہ کافرستان کے ایک حصّہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اُس کے بعد اقتدار اس کے بیٹے غزن خان کے ہاتھ آیا۔ جس نے ریاست دیر کی حدود وسیع تر کر دیں۔ حکومت میں ریاست کے زیر اثر حدود شمال کو چترال، جنوب کو سخاکوٹ، مشرق کو علاقہ سوات اور مغرب کو علاقہ اسمار (افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اس کے ولی عہد رحمت خان نے عنانِ حکومت سنبھالی اور اُس نے اپنے عہد حکومت میں ریاست

دیر کے حدود کو برقرار رکھا۔ رحمت خان کی وفات پر ۱۸۸۴ء میں اس کے لڑکے محمد شریف خان نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد کے دوران حاجی عمرا خان جندولی سے جو کشمکش ہوئی اس کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

محمد شریف خان کی موجودگی میں ہی اس کے لڑکوں میں کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی وفات پر اورنگزیب خان المعروف بادشاہ خان کو خانِ دیر تسلیم کیا گیا۔ اپنے بھائی میاں گل جان کے ساتھ اُس کا معاہدہ ہوا جس میں میاں گل جان کو علاقہ جندول میں منڈا کا علاقہ دیا گیا اور جندول و دیر کے علاقوں کا تعیّن ہوا، حکومتِ ہند نے ۱۹۰۸ء میں بادشاہ خان کو نواب کا خطاب دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اُس نے بالائی سوات پر قبضہ کیا۔ بعد میں اُسے کئی معرکوں سے سابقہ پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں ایک مذہبی پیشوا "سنڈاکے مُلا" نے رونما ہو کر باشندگانِ سوات جن میں ماسم خان اور حبیب خان شامی زئی پیش پیش تھے، کو ساتھ لئے نوابِ دیر کو شکست دی۔ اور علاقہ بالائی سوات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نواب کے بھائی محمد عیسےٰ خان نے میاں گل جان کی جگہ جندول کی راہ لی۔ سدو اور سرائے کی چوکیوں کو مخالفین نے نذرِ آتش کر دیا۔ دوسرے خوانین نے بھی مخالفت شروع کی لیکن اس کے باوجو ۱۹۱۶ء میں علاقہ ادین زئی اور شموزئی پر نوابِ دیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ نیکبی خیل اور شامی زئی کے علاقہ میں اُسے شکست کھانا پڑی۔

بادشاہ خان کی وفات پر عنانِ حکومت اس کے بڑے لڑکے شاہجہان خان نے سنبھالی اور اپنے بھائی عالم زیب خان کو ایک

معاہدہ کی رو سے چند شرائط کے ساتھ علاقہ جندول بشمول پچھال شیرین گال اور بُجھ بنج میں اقتدار حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ اگر وہ دو سال تک نواب دیر پر اپنی وفاداری ثابت کرے گا تو اُسے باران گولہ کا علاقہ بھی دے دیا جائیگا۔ لیکن یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوا۔

اور جون ۱۹۲۸ء میں نواب دیر نے عالم زیب خان کو مذکورہ علاقوں سے بے دخل کر دیا۔ معمولی سی مخالفت کے بعد عالم زیب خان نے جار میں پناہ لی۔ لیکن جب ۱۹۳۱ء میں خانِ خار نے نواب دیر سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تو عالم زیب خان کو جار سے نکلنا پڑا اور وہ اتمان خیلوں کے پاس جا مقیم ہوا۔ اس کا ایک اور بھائی بخت جہان زیب خان المعروف تیمر خان نے ابتدا ہی سے سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اور اب بھی وہ تیمر گرہ میں آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ بہت قابل، نیک پارسا آدمی ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں۔

مارچ اور اگست ۱۹۳۲ء کے دوران عالم زیب خان باجوڑ کے مشہور مذہبی رہنما النگر فقیر کی معیت میں باجوڑیوں کی امداد سے مسلسل جندول پر ناکام یورش کرتا رہا۔ اگست ۱۹۳۵ء میں اس نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی اور باجوڑ کے سالارزئیوں کا لشکر لئے جندول جا پہنچا۔ قلعہ مسکینی پر قبضہ بھی کر لیا مگر جلد اسے وہ قلعہ چھوڑنا پڑا اور مردان کے علاقہ میں جا مقیم ہوا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو مخالفین نے نواب دیر کے پرانے زیر تعمیر نئے محل کو نذرِ آتش کر دیا۔ عالم زیب خان تحریکِ مسلم لیگ میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کے انقلاب کے بعد حکمرانِ دیر نے اُسے وطن واپس لوٹ جانے کی اجازت دیدی۔

قیام پاکستان کے بعد نواب شاہجہان خان نے ریاست دیر کا

الحاق اس اسلامی سلطنتِ پاکستان سے کرا دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی سرحدیں محفوظ ہو گئیں اور اُسے کسی بیرونی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا۔ تاہم یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ ریاست دیر اور اس کے باشندوں کو اس نے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کی بجائے دورِ جہالیت کے حکمرانوں کی طرح شخصی حکومت قائم رکھی تھی۔ باشندگانِ ریاست کو علم سے بے بہرہ رکھا۔ اور عملاً تعلیم کی مخالفت کی۔ پوری ریاست میں نہ کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہسپتال۔ باشندگانِ ریاست زمانۂ قدیم کے رسومات کے مطابق گھر پہ علاج کراتے۔ یہی حال زراعت اور تجارت کا بھی تھا۔

حکومتِ پاکستان کے ذمہ دار افسر وقتاً فوقتاً اس علاقہ کا چکر لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو نواب شاہجہان خان اور اس کے پیارے لڑکے شہاب الدین خان المعروف خانِ جندول کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور حکومت نے انہیں لاہور میں صرف نظر بند رکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اور نواب کے بڑے لڑکے شہزادہ خسرو خان کو حکومت پاکستان نے نواب دیر تسلیم کر لیا۔ اور اسی حیثیت سے اس کی دستار بندی ہوئی۔

نواب خسرو خان نے عنانِ سلطنت سنبھالتے ہی ملک کی طرف توجہ کی حکومتِ پاکستان کی طرف سے امداد و اعانت کی بدولت ملک کے فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے شروع کئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدارس کا اجراء ہوا۔ شفاخانے کھلے، سفری شفاخانوں نے ملک کا چکر کاٹنا شروع کیا۔ سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اور وہ لوگ جو حکمران کی آمد سے خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے، آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے لگے۔ اور آخرکار حکومتِ پاکستان نے یحییٰ خان کے دورِ صدارت میں اُسے پاکستان میں ضم کر کے اس کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔

ریاستِ سوات

زمانۂ قدیم سے دوانیوں کے عہد تک پھر انیسویں صدی کے وسط
میں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علاقہ سوات پر جو کچھ گزرتی رہی
اس کا ذکر گذشتہ اوراق میں اپنے مناسب مقامات پر کیا جاچکا ہے
بیشتر اس کے کہ جدید ریاست کے مختصر سے حالات قلم بند کیے جائیں.
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر پر بھی قدرے روشنی ڈالی جائے
جو اس ریاست کو جدید زندگی دلانے کا باعث بنا.

اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور والد کا نام عبدالواحد
تھا۔ بچپن ہی سے حصولِ علم کا شوق اور زہد و تقوے سے رغبت رہی
اور بعد میں وہ اخوند صاحب سوات پکارے جانے لگے۔ تعلیم کے مدارج
مختلف علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۴۵ء میں موضع سیدو میں
سکونت اختیار کی اور ان کی تقدس کی وجہ سے وہ سیدو شریف کہلایا۔ اور
بعد میں ریاست سوات کا دار السلطنت بنا۔

سیدو میں مقیم ہو جانے کے بعد انہوں نے باشندگان وطن کے
علاج و بہبود کے طرف توجہ دی اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے انہیں
منظم کرنے میں خاطر خواہ کامیاب رہے۔ ۱۸۴۹ء میں انگریز کے
سرحد پر پہنچتے ہی انہوں نے قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ
کرتے ہوئے تلقین کی۔ کہ وہ انفرادیت کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کو
اپنا امیر منتخب کریں۔ تاکہ تحفظِ ملت کا انتظام بطریق احسن ہو سکے۔
قوم کو اس پر تیار دیکھ کر انہوں نے سید علی پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ
کو امارت کیلئے پیش کرتے ہوئے خود اس کے ہاتھ بیعت کرلی جس پر
خوانین سوات نے بھی اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ جس سے ایک ریاست کی

بنیاد پڑی موضع غالیگی اُس کا دار الخلافہ قرار پایا۔ اور شریعت اسلامیہ
کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا۔ شومئ قسمت کہ دس گیارہ
سال بعد سید اکبر شاہ وفات پا گئے۔ اور اس کی وفات سے اس اوّلین امارت
کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریز کو اس مذکورہ امارت سے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا
اُن کا اندازہ سر ہربرٹ ایڈورڈ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:۔

"اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگجو قبائل کا سربراہ
سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کے جنگ کا نقشہ کچھ اور
ہوتا"

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد کئی سالوں تک ملک میں کوئی نظام
دکھائی نہ دیا۔ اس دوران سوات میں مقیم دو قبیلوں نیکبی خیل اور
شموزئی میں اختلافات پیدا ہوئے جس نے جنگ کی صورت اختیار
کرلی۔ نواب دیر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ اور
۱۹۰۸ء میں نیکبی خیل و شموزئی کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ کچھ عرصہ
بعد سنڈا کے مُلا صاحب نے نواب دیر کی سیادت کو اس علاقہ سے نکال
لیا۔ سنڈا کے ملا کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اخوند سالاک کی اولاد
سے تھا۔ جس کا ذکر بہاکو خان کے دور میں کیا جا چکا ہے۔

باشندگان ریاست کے آنکھیں کھل چکی تھیں اور انہیں اپنی
تنظیم کی فکر ہوئی یہ سب کچھ سنڈا کے ملا کے ایک ایک خان سے فرداً
فرداً ملاقاتوں کے بعد ہوا۔ اور سب خوانین کو پوشیدہ طور پر موضع مٹہ
کے قریب ایک رات قبرستان کے جنگل میں جمع کیا۔ وہاں جرگہ ہوا جنگی
خیل، شامی زئی، شموزئی، سبجنی اور نیکبی خیل زعماء نے باہمی اختلافات
کو نظر انداز کرتے ہوئے حلف اٹھایا کہ وہ اپنے علاقہ سے نواب دیر
کو نکالنے میں سنڈا کے مُلا صاحب کی امداد و اعانت کریں گے۔ نیز یہ بھی

طے پایا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے لئے ایک سربراہ کا انتخاب کریں. اس تحریک میں ماسم خان اور اس کے بھائی حبیب خان ورش خیلہ، گل داد خان اور تاج محمد خان، ملا صاحب کے دستِ راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے. نتیجتًا ان سب اراکین جرگہ نے مل کر دیر کی سیاست کا خاتمہ کر دیا.

مٹہ کے قبرستان والے جنگل میں جن قابلِ ذکر افراد نے شمولیت کی اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

ماسم خان اور حبیب خان ساکنان ورش خیلہ (دار مٹے) خوشحال خان اور خواص خان ساکنان لابے درہ، گل داد خان ساکن کرے، امیر خان ساکن چمن لالے، امیر خان ساکن برانڈے، بہرام خان شالپین، عظیم خان ساکن چالیار، سلو خان ساکن جنگ، میاں آدم خان[1] ساکن فتح پور، سلطان خان ساکن شینتڑ، محمد افضل خان ساکن روڑیال، شمس خان ساکن چیریال، شریف خان ساکن برہ تھانہ، امیر خان نواب ساکن شکردرہ شہناز خان ساکن شور بڑے، زرین خان وامیر خان پسران یوسف خان نیکپی خیل اور ول خیل۔

چنانچہ اراکین جرگہ نے بالاتفاق پیر بابا کی اولاد سے سید عبدالجبار شاہ ساکن ستھانہ کو دعوت دیکر اقتدار سونپ دیا اور ۱۴ جنوری ۱۹۱۵ء

---

[1] میاں آدم خان جن کا اصل نام حبیب اللہ خان اور والد کا نام خان بابا شہید سے مشہور ہے وہ ایک غازی اور اپنے قبیلہ جنگی خیل کے سربراہ بھی تھے. باپ بیٹے دونوں ۱۸۹۷ء میں انگریزوں کیخلاف جہاد میں سرتور فقیر کیساتھ شامل تھے۔ جسمیں خان بابا شہید ہوچکے تھے. میاں آدم خان اور اس کے والد خان بابا اور سرتور فقیر تینوں موضع فتح پور کے جنوبی حصہ کے ایک قبرستان میں ایکدوسرے کے متصل دفن ہیں. میاں آدم خان کی تاریخ پیدائش ۱۸۶۳ء اور وفات ۱۹۵۴ء ہے.

میں سوات کے پار شمالی علاقہ مٹہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا. جس کے حقیقی بانی مولوی احمد جان المعروف سنڈاکے ملا صاحب، ماسم خان اور اس کے بھائی حبیب خان شامی زئی تھے. میاں گل عبدالودود اور شیرین جان دونوں بھائیوں کو عبدالجبار شاہ کی قیادت پر اپنا خاندانی وقار خطرہ میں دکھائی دینے لگا تو وہ متحد ہو گئے۔ عبدالجبار شاہ اور اراکین جرگہ نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر اُتر آئے۔ کامیلئے اور ہوڈی گرام میں شدید جنگ لڑی گئی اور یہ دونوں بھائی بُری طرح شکست کھا کر اپنے آبائی مسکن شیدو کو چھوڑ کر ریاستِ دیر موضع دلبار میں مقیم ہوئے۔

نوابِ دیر نے سوات کے خلاف لشکر کشی کی، یہ دونوں بھائی بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور میاں گل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے سیدو تک جا پہنچا ادھر نوابِ دیر کے کچھ لشکر نے شموزئی پر قبضہ کر لیا. جنگ ہوئی ابتدا میں عبدالجبار شاہ شکست کھا کر بینی گرام میں جا مقیم ہوا. لیکن اس کے بعد عبدالجبار شاہ نے دوبارہ اقدام کرتے ہوئے انہیں سخت شکست دی اور نکال باہر کیا. بعد میں عارضی صلح ہوئی۔ میاں گل معیت نوابِ دیر کا لشکر واپس چلا گیا. تاہم کشمکش جاری رہی۔ میاں گل بظاہر نوابِ دیر کے ساتھ تھا تاہم اُسے اس پر امداد و اعانت کا کچھ بھروسہ نہ تھا چنانچہ اس نے رُخ بدلتے ہوئے خوانین تھانہ کے ذریعے ماسم خان اور حبیب خان کو رضامند کرنے کی کوشش کی اور بمقام تھانہ عنایت خان کے حجرہ میں خوانین کا ایک جرگہ منعقد ہوا۔ اراکین جرگہ کے قابلِ ذکر نام یہ ہیں:۔

محب اللہ خان ولد عنایت خان و بہرام خان خوانین تھانہ ماسم خان

درش خیلہ (دارمئے) صاحب زادہ محمد ایوب ساکن تھانہ وغیرہ
بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ بابوزئی کے علاقہ پر میاں گل کی
حکومت قائم کیجائے اور اباخیل و موسیٰ خیل کو آزاد چھوڑ دیا جائے
اور وہ دوسرے علاقوں پر مداخلت نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی
ہوا کہ عبدالجبار شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقہ
میں دیر کی سیادت کو ختم کرادے۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ
نے علاقہ شموزئی میں ترنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کیا تو دیر اور
سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دینے لگے۔ ادھر
اندرونی کشمکش بدیں وجہ شروع ہوئی کہ ایک ہی مملکت میں دو
بادشاہ نہیں سما سکتے ہیں۔ میاں گل عبدالودود کی جدوجہد کام
آئی اور اس نے ماسم خان وحبیب خان شامی زئی اور مولوی احمد جان
المعروف سنڈا کے ملا صاحب جو درحقیقت سوات کے بانی کمان
تھے، کو راضی کرلیا اور بمقام کبل تپہ نیکپی خیل جو دریائے سوات کے
دائیں کنارے واقع ہے سیبجنی، شامی زئی، نیکپی خیل شموزئی وغیرہ
کے خوانین اور عوام کا جلسہ طلب کیا گیا اور میاں گل عبدالودود
کا نام امارت کیلئے پیش کیا گیا چنانچہ نومبر ۱۹۱۹ء میں اراکین جرگہ
نے اتفاق رائے سے میاں گل عبدالودود کو سوات کا بادشاہ منتخب
کرلیا۔ اور عبدالجبار شاہ کو معزول کر کے نہایت عزت و احترام
اور مال و دولت کے ساتھ واپس ستھانہ لوٹا دیا۔ اور ابتدا میں اس
مملکت کا نام حکومت خداداد یوسف زئی اور سرکاری زبان پشتو
قرار پایا۔

میاں گل عبدالودود نے بہت مشکل وقت میں اقتدار ہاتھ میں
لیا۔ اور اپنے دورِ حکومت میں اُسے بیرونی حملہ آوروں سے وقتاً فوقتاً

جنگیں لڑنا پڑیں اور اپنے تدبر سے ریاست کو کافی وسعت دی۔
حتیٰ کہ بونیر، چملہ، خدو خیل، کوہستان اور وادی کالام کو ریاست میں
شامل کیا گیا۔ انگریزوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتے ہوئے خوانین
سوات سے مشورہ کئے بغیر اُن کے ساتھ الحاق کیا تو ۳ مئی ۱۹۲۶ء
کو حکومتِ انگلشیہ (برطانیہ) نے ریاستِ سوات کو تسلیم کرلیا، جس
کی رو سے مملکت کا نام ریاستِ سوات قرار پایا اور بادشاہ کی جگہ والی
(Ruler) کا لقب تجویز ہوا۔ تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا
کہ اس نے صدیوں کی غیر منظم، غیر تعلیم یافتہ اور کسی کے سامنے
سرِ تسلیم خم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا اور اُن
کی اپنی حکومت قائم کی ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کرتے ہوئے
زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کیں۔ اس لحاظ سے بانئے ریاست
میاں گل عبدالودود اپنے وقت کا کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا۔
تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں بخوشی دست بردار ہو کر عنانِ سلطنت
۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اپنے بڑے بیٹے عبدالحق جہانزیب کو سونپ دی۔
جسے وہ ۱۹۳۳ء میں اپنا ولی عہد مقرر کرچکا تھا۔ اس نے ریاست
کو مزید ترقی دی۔ اس کے عہدِ حکومت کے دوران اور صدرِ پاکستان
ایوب خان کی معزولی کے بعد حکومتِ پاکستان کے سربراہ یحییٰ خان
کے ایک فرمان کیمطابق (بتاریخ ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ء) ریاستِ سوات
کو پاکستان میں ضم کردیا گیا۔

باب (۱۰)

یوسف زئی ہندوستان میں

چونکہ ریاستوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن یوسف زئی کا ذکر بھی مختصر طور پر کیا جائے جنھوں نے بحیثیت قوم کے ہندوستان میں کئی ریاستیں قائم کیں۔ ان میں اکثریت کی بنیادیں قبیلہ یوسف زئی کے افراد کے ہاتھوں رکھی گئی تھیں اور کچھ اُن افراد کا جنھوں نے اُن کے ساتھ مل کر نام پیدا کیا۔ اُن ریاستوں کے بچے کھچے نشانات اب بھی رام پور، جونا گڑھ، مانا وادر پالگنپور، دوجانہ، ٹونک، جاورہ اور بلاسنور وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں یوسف زئی ریاست کی بنیاد سب پہلے داؤد خان اکاخیل بابوزئی نے رکھی تھی اور اس کے مقبوضہ علاقہ کا نام اسی کی نسبت سے روہیلکنڈ پکارا جانے لگا۔ کیونکہ افغان پہاڑی باشندہ کی وجہ سے روہیلہ پکارا جاتا تھا۔ اور پہاڑ کی نسبت سے روہیلکھنڈ یعنی افغانوں یا پہاڑیوں کا ملک یا علاقہ پکارا گیا۔ داؤد خان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ۱۷۰۵ء

میں سرزمینِ ہند پر نمودار ہوئے۔ اور اپنی زندگی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے بالآخر کھیٹر اور سنبھل جسے بعد میں روہیلکھنڈ کا نام دیا گیا، پر قابض ہو گئے۔ سلطنت روہیلکنڈ میں بدایون، پیلی بھیت، رام پور، بریلی، شاہ جہانپور، بجنور، امروہہ اور مراد آباد کے اضلاع شامل تھے۔

داؤد خان کی وفات پر رسم قبیلہ کے مطابق اس کے مُتبنّٰی علی محمد خان کی دستار بندی ہوئی۔ دلی میں اس وقت محمد شاہ مغل کی حکمرانی تھی۔ اس نے ریاست کو اور بھی مستحکم کیا اور اس کی عمر کے آخری ایام میں جرگہ کے فیصلہ کے مطابق اس کے بڑے لڑکے سعد اللہ خان کی دستار بندی ہوئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ وہ حافظ رحمت خان کی نگرانی میں کام کرتے رہیں گے۔ لیکن اُسے زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور اس کی وفات پر اقتدار حافظ رحمت خان کے ہاتھ آیا جن کا تعارف "تذکرہ" میں مفصل طور پر کیا جا چکا ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں امن و چین رہا۔ زراعت نے ترقی کی۔ ایک انگریز مقرر مسٹر برک نے انگلستان کے دارالعوام میں اس وقت کا ذکر یوں بیان کیا ہے:۔

"ان یوسف زئیوں کے ملک میں گلستان کی طرح کاشت ہوتی ہے دنیا بھر میں بہادر ترین، معزز ترین اور فیاض ترین قوم ہے"

اور اس کے ساتھ ہی ایک انگریز قانون دان مسٹر میکالے کہتا ہے:

"ہندوستان میں ان یوسف زئیوں کی آبادی نفیس ترین آبادی ہے"

یوسف زئیوں کی یہ ترقی یافتہ ریاست شجاع الدولہ مغل اور انگریز کے اغراض کا شکار ہوئی۔ کئی حیلوں بہانوں سے اُسے ختم کرنے کے

منصوبے بنائے گئے اور بالآخر مردانہ وار جنگ لڑتے ہوئے اپنے دو ہزار ساتھیوں سمیت حافظ رحمت خان ۲۳، اپریل ۱۷۷۴ء کو شہید کر دیئے گئے۔ یوسف زئی جس بہادری اور جوانمردی سے نبرد آزما ہوتے اس کا ذکر کرنل چیمپن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"دشمنوں (یعنی یوسف زئیوں) کی اس بہادری و عزم کی تفصیل بیان کرنے کیلئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے نڈر تھے کہ وہ اقدام کرتے ہوئے مخالف لشکر کے درمیان پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیتے تھے۔ تاکہ ان کے رفقا کے حوصلے بلند ہوں"۔

حافظ رحمت خان کے عہد میں رام پور پر فیض اللہ خان کا اور بسولی، مراد آباد، چاندپور اور سنبھل پر دوندے خان کا اقتدار رہا۔ اس وقت نجیب خان المعروف نجیب الدولہ جس کا تعلق یوسف زئی منڈ کے ذیلی شاخ عمر خیل خاندان سے ہے، نے پہلے ہی سے اقتدار اور طاقت حاصل کی ہوئی تھی۔ اور اپنے نام کی نسبت سے نجیب آباد میں برسر اقتدار رہا۔ اس کی تفصیل بھی باب دوم میں بیان کی جا چکی ہے۔ اور جیسا کہ درانیوں کے دور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے وقت اس کا ساتھ نجیب الدولہ دے چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے واپس ہوتے وقت اس کو دہلی کا نگران مقرر کیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا ضابطہ خان پھر اس کے لڑکے غلام قادر خان روہیلہ نے بتدریج شہرت حاصل کی۔ ضابطہ خان کے دوسرے لڑکے بھنبھو خان کو بعد میں انگریزی حکومت نے جاگیر عطا کی تھی اس طرح اس کے دو بیٹوں محمود خان اور جلال الدین خان کو وظیفے ملتے

رہے۔ محمود خان نے ۱۸۵۷ء کے آزادئ ہند میں حصہ لیا تو انگریز کے ہاتھوں میرٹھ جیل میں جاں بحق ہوا۔ جنرل بخت خان بھی اس خاندان میں مشہور اور قابل ذکر حیثیت کے مالک تھے۔ اسی طرح عبدالاسلام خان نے میدان صحافت میں نام پیدا کیا۔ اور نسب افاغنہ اس کی مشہور تصنیف ہے۔

اکرم خان ولد رحیم خان یوسف زئی منڈ کے ذیلی شاخ عمر خیل کے خاندان عنایت خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران ہندوستان گیا۔ اور ایک ریاست میں ملازم ہو گیا۔ اور جلد ہی اپنے عقل و تدبر کی وجہ سے وہاں کے حکمران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو بخشی اکرم خان کے نام سے وہاں کا وزیر بنا۔ اس کے تین لڑکے تھے اکبر شاہ، نادر شاہ اور احمد شاہ۔ اکبر شاہ اور نادر شاہ کی اولاد ہندوستان میں مقیم رہی، جبکہ احمد شاہ وطن اجداد آگیا تھا۔ اور اس کی اولاد کنڈی عنایت خیل موضع صوابی میں مقیم ہے۔

حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد یوسفزئیوں کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ کچھ کمایوں کی پہاڑیوں میں جا گھسے اور بعض لوگ چھیتا، کریم خان، فتح خان اور امیر خان کی سرکردگی میں برار سی پی کی جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ جہاں سے انہوں نے انگریزوں کیخلاف منظم جنگ کا آغاز کیا۔ نواب امیر خان بانئے ریاست ٹونک کا تعلق یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ سالار زئی میں ملی خیل کے اللہ داد خیل سے ہے۔ محمد شاہ مغل کے دور حکومت میں اس کا دادا طالع محمد خان اپنے وطن بونیر کے موضع جوڑ سے نکل کر ہندوستان وارد ہوا تھا۔ اور روہیلکھنڈ میں دوسرے یوسف زئیوں کے ساتھ مقیم رہا۔ اس کا لڑکا حیات خان، حافظ رحمت خان کا شریک کار تھا۔ اور حافظ رحمت خان کی

شہادت کے بعد اُس نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس کے لڑکے کا نام امیرخان تھا جس نے نہایت بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریز کے ساتھ جنگیں لڑیں اور بالآخر ریاست ٹونک پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوا، اور کریم خان کو ضلع بستی میں ایک جاگیر ملی۔ ریاست جاورہ کی بنیاد نواب غفورخان جو نواب امیرخان والئ ریاست ٹونک کا رشتہ دار تھا، کے ہاتھوں پڑی جو انگریز اور نواب امیرخان کے معاہدہ کے تحت عمل میں آیا تھا۔

ریاستِ جوناگڑھ کی بنیاد یوسف زئی رزڑ کے ذیلی شاخ اکوخیل کے عادل خان بابی کی اولاد میں سے شیرخان نے اپنی ہمت طاقت اور تدبیر سے رکھی اور اپنے دو بھائیوں دلیرخان اور شیرزمان خان کو ماناوادر کا علاقہ سونپ دیا تھا۔ بعدمیں ان دونوں بھائیوں نے جائیداد تقسیم کی تو دلیرخان کو ماناوادر اور شیرزمان کو بنٹوا اور گیداد (سردارگڑھ) کا علاقہ ملا۔

ریاست بالاسنور کی بنیاد نواب منور خان نے رکھی تھی۔ جو یوسفزئی منڈ رزڑ کے ذیلی شاخ بابی خیل سے تعلق رکھتا تھا اور ۱۸۹۰ء میں انگریز سے معاہدہ کرنے کے بعد اس پر متسلط رہا۔

نامور افراد میں عظیم اللہ خان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جسے مفکر جنگِ آزادئ ہند ۱۸۵۷ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے انگریزی، فرانسیسی اور مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ انگلستان، ترکی اور روس کا سفر کیا اور ان ممالک سے راہ و رسم پیدا کیے۔ وہاں سے واپس ہوکر ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے لائحہ عمل تیار کیا جس کے مطابق یہ جنگ لڑی گئی۔ یوسفزئی کی ذیلی شاخ عمرخیل منڈ سے ہے جو اس وقت بھی مانیری صوابی میں

آباد ہے۔

داؤد خان یوسف زئی کے متبنیٰ علی محمد خان جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اس کے دورِ اقتدار میں موضع مرغز تحصیل صوابی سے مولانا شوکت علی اور مولنا محمد علی جوہر کے دادا حیات خان ہندوستان گئے تھے۔ اُن کا نسبی تعلق یوسف زئی منڈ کے ذیلی شاخ میراحمد خیل کے یادا خیل سے ہے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جو بعد میں علی برادران کے نام سے موسوم ہوگئے، نے اپنی اہلیت اور قابلیت سے انگریز کیخلاف سیاسی میدان میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی۔ جس کا ذکر جریدوں میں ہوتا رہا۔ اس لئے یہاں اس پر مفصل بحث کی ضرورت محسوس نہیں کیجاتی۔ اور چونکہ یہ اوراق طوالت کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ کس طرح ان مجاہدین نے پاکستان کے شمال مغرب کے سرحدی پہاڑوں سے نکل کر اپنی ہمت، استقلال، جوانمردی اور تدبر سے ریاستیں قائم کرلی تھیں۔

بنگش ریاست، فرخ آباد

جیسا کہ یوسف زئیوں نے روہیلکھنڈ میں حکومت قائم کی تو اس طرح ان کے قریب پڑوس میں بنگش پٹھانوں نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فرخ آباد میں اپنی ریاست قائم کی۔ بنگش خاندان کی حکومت کا بانی محمد خان بنگش ہوا۔ اس نے مالوہ اور بندیل کھنڈ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ محمد خان بنگش کی وفات پر اس کا بیٹا قائم خان جانشین ہوا۔ جو اودھ کے نواب صفدر جنگ مغل کی سیاست کا شکار ہوا۔ صفدر جنگ نے قائم خان کو حافظ رحمت خان سے

لڑوا دیا اور صفدر جنگ کے ایماء اور سازش سے قائم خان[1] مارا گیا صفدر جنگ مغل نے بنگشوں کی فرخ آباد کی ریاست پر ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر جلد ہوش میں آکر محمد خان بنگش کا دوسرا بیٹا احمد خان بنگش میدان میں آگیا اور حافظ رحمت خان سے تعلقات بنانے کے علاوہ اس نے خوب مقابلہ کرکے فتح پائی اور صفدر جنگ مغل کو ناک چنے چبوادیے صفدر جنگ کا صوبیدار "نول رائے" جنگ میں مارا گیا۔ احمد خان بنگش بہت سمجھ دار اور بہادر شخص تھا اس نے جنگ پانی پت میں بھی اپنے جوہر دکھائے تھے۔ اس کا ذکر اس کتاب میں ہوا ہے۔

ہندوستان میں انگریز کے آخری عہد حکومت تک افغانوں کے مندرجہ ذیل ریاستیں موجود تھیں۔ ممدوٹ، مالیر کوٹلہ، جوناگڑھ، بالن پور، ٹونک، بلاس پور، بھوپال، رام پور، گدی، باؤنی، جاؤرہ، کورڈائی مناوڈر اور بنٹوا۔

آخر میں یہ درج کردینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ سندھ سرحد اور بلوچستان کے علاوہ ہندوستان میں انگریزی عملداری کے قیام پر افغانوں کی پہلی مردم شماری ۱۹۰۱ء جس کو تاریخ نسب افاغنہ (ص۲۱) کے مصنف عبدالسلام خان عمر خیل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے حسب ذیل تھیں:-

صوبہ جات		تعداد
(۱) اجمیر، مارواڑ، راجپوتانہ، پنجاب، کشمیر	:	۴۲۵۹۶۶
(۲) بمبئی، بڑودہ	:	۱۸۲۷۸۹

[1] قائم خان نے ایک قصبہ آباد کیا تھا، جو اس کی نسبت سے قائم گنج سے مشہور ہے اور اس کے خاندان والے قائم خانی پٹھان کے نام سے مشہور ہوئے۔

صوبہ جات		تعداد
(۳) مدراس میسور ملک متوسط برار	:	۳۳۱۴۷۹
(۴) ممالک متحدہ بہار	:	۹۱۹۲۶۴
(۵) بنگال، اُڑیسہ	:	۲۴۵۱۶۲
(۶) آسام، شکم، کوچ بہار، چترا	:	۱۱۳۵۴
میزان تمام ہندوستان	:	۲۱۱۶۱۱۴

ہندوستان میں افغانوں کی کل تعداد اکیس لاکھ سولہ ہزار ایک سو چودہ تھی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تعداد ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہے۔ اس کے بعد گزشتہ ۸۴ سالوں میں ملک کی آبادی میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہے وہ افغانوں کی تعداد میں بھی کرلینا چاہیے۔

پنجاب کے علاقہ چھچھ میں یوسف زئی افغان

قطع نظر ان افراد یا خاندانوں کے جنہوں نے سرحدی افغانی علاقہ سے نکل کر ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کیں۔ یا وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ ایک بڑی تعداد خان بجو کے وقت اور پھر مصری خان سالارزئی اور بہاکو خان خدوخیل کی قیادت کے زمانے میں دریائے سندھ کو عبور کرکے علاقہ چھچھ میں جا مقیم ہوئے اور ان کے ناموں کی نسبت سے آبادیاں ظہور میں آئیں اور اس وقت تک علاقہ چھچھ میں افغان مارکاز حیثیت سے بیشتر حصہ پر آباد نظر آتے ہیں۔ علاقہ کے صاحب ثروت، تاجر پیشہ، زمیندار اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر سرفراز افراد کی اکثریت انہی افغان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔

چھچھ کا علاقہ مقام اٹک سے دریائے سندھ کے مشرق کی طرف

اور تحصیل صوابی کے بالکل مقابل جنوب میں ہے ۔ یہ علاقہ چوراسی ۸۴ دیہاتوں پر مشتمل ہے ۔ اس کے نام کی نسبت کا وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔ مؤرخین اپنے اپنے خیال کے مطابق اُسے کسی کے ساتھ منسوب کردیتے ہیں ۔ البتہ گزٹیر راولپنڈی ۱۸۶۵ء میں ایک انگریز افسر کرنل کریکرافٹ نے اس کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور معتبر بھی ۔ وہ لکھتے ہیں کہ چھچھ کا لفظ اصل میں پشتو کا لفظ "چھج" ہے ۔ یوسف زئیوں نے یہاں آکر یہ نام اس علاقہ کو دیا "چھج" پشتو میں ہاتھ کی بنی ہوئی ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے اناج صاف کیا جاتا ہے اور اس کے تین کنارے محفوظ اور ایک ڈھلان کی شکل کا ہوتا ہے ۔ ہو بہو یہ شکل علاقہ چھچھ کی بھی ہے ۔ بعد میں یہ لفظ "چھج" سے چھچھ بن گیا ۔ کرنل کریکرافٹ لکھتا ہے کہ :

" چھچھ کے علاقہ میں گنجان آبادی یوسف زئی پٹھانوں کی ہے ۔ اور مالکوں میں اکثریت بھی یوسف زئی پٹھانوں کی ہے جو اعلیٰ درجہ کے کاشتکار ہیں ۔ افغان جو پٹھان کہلاتے ہیں چھچھ کی وادی اور برہان میں آباد ہیں ۔ ان کے آباء و اجداد نے دلزاک کو یہاں سے باہر نکال دیا تھا اور خود آباد ہوگئے تھے ۔ دلزاک کے بقایا کچھ گھرانے دو یا تین گاؤں میں اب بھی موجود ہیں ۔ یہ پٹھان اچھی نسل اور بہترین قسم کے کاشتکار ہیں ۔ آپس میں پشتو بولتے ہیں اور ملک کی زبان پنجابی سے ناآشنا ہیں ۔ ان کے بہت سے قبیلے ہیں مثلاً سرکانی ، ملتنی ، علی زئی ، وردگ ،

لہ اسی سلسلے میں کرنل کریکرافٹ کی مزید تحقیق و تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تواریخ حافظ رحمت خانی حصہ حواشی مرتبہ روشن خان ۔

غرغشت[1] وغیرہ ان کے خاندان آخوند زئی یا خیل سے معلوم ہوتے ہیں ۔ علی زئی علاقہ برہان اور حضرو میں اور ساغری کھنڈ میں آباد ہیں چھچھ اور برہان کے معزز اشخاص یہ ہیں ۔ لطیف خان عمر زئی سکنہ ملک مالا ، میر عالم خان غرغشتی ، نادر خان علی زئی سکنہ سرواشہ ، بوستان خان وردگ سکنہ نطوفہ ، شیر محمد خان اور فیروز خان علی زئی سکنہ برہان ۔

پٹھانوں کی آبادی پر مشتمل علاقہ چھچھ میں ۵۶ گاؤں ، برہان میں ۹ ، اور کھنڈ میں ۷ گاؤں ہیں ۔ اس کے علاوہ دیگر دیہات میں بھی حصہ دار ہیں اور سرکار کو ۶۸۱۵۱ روپیہ سالانہ مالیہ ادا کرتے ہیں ۔

ان کے علاوہ علاقہ چھچھ میں مندرجہ ذیل افغان قبائل بھی آباد ہیں مثلاً سید خیل ، نسوزئی ، ماموزئی ، بڑلیس ، مرکی خیل ، عمر زئی ، بہوتی ، ماہیارہ ، میانہ ، برہ زئی ، سرواتی ، ھنگوانی ، شیرانی ، پیرزئی ، عدل زئی ، فرملی ، خورہ خیل وغیرہ ۔ ان سب قبائل کی شاخیں اور ہم نسل لوگ انہی ناموں سے دریائے سندھ سے شمال کی طرف علاقہ یوسف کے سمہ (ضلع مردان) بونیر ، سوات اور دیر باجوڑ میں بھی آباد ہیں ۔ قبائل فرملی اور غرغشتی چھچھ آنے سے قبل علاقہ یوسف زئی کے تپہ رزڑ موضع فرملی نزد شیوا اور تپہ خدو خیل کے موضع غرغشتی نزد طوطالئی بیش آباد ہوچکے تھے وہ گاؤں جس میں اگرچہ اب یہ لوگ نہیں ہیں پھر بھی اب تک انہیں کے ناموں سے موسوم ہیں ۔

---

[1] چھچھ میں موضع غرغشتی کے شیخ الحدیث مولنا نصیرالدین بن بہاؤالدین بن سعادالدین بن شیخ موسٰی بن اخون بشارت از قبیلہ کاکڑ غرغشتی افغان ہیں ۔

ایف اے رابرٹ سن علاقہ چھچھ کے بندوبست کے بارے میں گزیٹر راولپنڈی ۱۸۹۳ء میں یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:۔

"پٹھانوں کا بندوبست دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک ضلع کے شمال مغربی کونے پر تحصیل پنڈی گھیپ میں کھنڈ کے آس پاس جو ساغری پٹھان (بلاق خٹک) کہلاتے ہیں دوسرا تحصیل اٹک علاقہ چھچھ میں یوسف زئی آباد ہیں جو پشاور ضلع کی تحصیل صوابی سے دریائے سندھ کے مخالف سمت میں واقع ہے۔ پٹھانوں کے ان دونوں علاقوں کے درمیان دریائے سندھ کے کنارے پر کھٹڑ اور قطب شاہی اعوان آباد ہیں۔ چھچھ اور برہان کے علاقے کا پٹھان آپس میں مل جل کر ایک قبیلہ چلا آرہا ہے وہ عموماً بہت ہی عمدہ کاشتکار ہیں اور دریائے سندھ کے پار اپنی برادری سے مختلف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان میں کوئی مختلف خاندان بنتے ہیں۔ اس وقت کے مشہور خوانین تحصیل اٹک میں حسب ذیل ہیں۔ میر عالم خان سکنہ غورغشتی آصف خان سکنہ ملک مالہ، امیر خان سکنہ ویسہ علی اکبر خان سکنہ یاسین، اکبر خان سکنہ برہان اور غزن خان پٹھان جو اپنی وفاداری کے لئے مشہور ہے اور جس نے قضیہ چٹنہ ستارہ کے سلسلہ میں بہترین خدمات انجام دیں جس کے صلہ میں تحصیل کہوٹہ میں انہیں ایک اچھی جاگیر ملی ہے۔"

چھچھ کے موضع غورغشتی میں سیدو خیل، عنایت خیل، سابل خیل کاکڑ، منڈ خیل، اسحاق زئی، سرماخیل وغیرہ آباد ہیں۔ گنج پورہ ریاست

(جس کا ذکر احمد شاہ ابدالی اور مرہٹہ جنگ میں ہو چکا ہے) کی سربراہی سرماخیل غورغشتی کے پاس تھی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تواریخ حافظ رحمت خانی" حواشی مرتبہ روشن خان۔

اور پیچیانات سے اس امر کی تصدیق تو ہو جاتی ہے کہ یوسف زئی اور ان کے متعلقین وقتاً فوقتاً دیر، سوات، بونیر اور سمہ، علاقہ یوسف زئی سے نقل مکانی کر کے اپنے اپنے خاندانوں سے جدا ہو کر علاقہ چھچھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے۔ کہ انگریز کے اس علاقہ پر قابض ہونے سے قبل کے مکمل حالات باوجود سخت جستجو کے نہیں مل سکے جن پر کچھ روشنی ڈالی جاتی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ مصروف جنگ و جدل رہے۔ اور بربریت کے جو مظاہرے بونیر، سوات اور صوبہ سرحد کے افغانوں پر مغل، سکھ اور انگریز حکمرانوں کی طرف سے ہوتے رہے ان میں پہلا نشانہ یہی بنتے رہے۔

ضلع ہزارہ میں یوسف زئی اور ان کے متعلق دار

زمانہ قبل میں یوسف زئیوں نے ضلع ہزارہ کی موجودہ تحصیل ہری پور وایبٹ آباد کے علاقے دلزاک وگگڑ وغیرہ سے حاصل کرنے اور سواتی پٹھانوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ تو ایبٹ آباد کا علاقہ انہوں نے گدون یا جدون کو دیدیا اور تحصیل ہری پور میں یوسف زئی منڈ کی ذیلی شاخیں اکازئی، کنازئی اور علی زئی مقیم ہوئے اور انہوں نے اپنے ساتھ اسی علاقے میں اپنے حمایتی افغان قبائل ترین، پنی، کاکڑ، شلمانی اور مشوانی کو بھی آباد کیا۔ جن کے مختصر حالات

بیان کیے جاتے ہیں :۔

گدون یا جدون :۔ یہ پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو اس وقت تحصیل صوابی میں اور اس کے متصل علاقہ ایبٹ آباد ضلع ہزارہ میں آباد ہے۔ ابتدائیہ قبیلہ بھی دوسرے پٹھانوں کے ساتھ قندہار اور بلوچستان کے درمیانی علاقہ میں مقیم تھا۔ یوسف زئیوں کی کابل سے آمد کے کچھ عرصہ بعد یہ بھی وہاں سے یوسف زئی کے ہاں چلے آئے۔ سید محمود شاہ اپنی تصنیف بفاتح الانساب میں لکھتا ہے کہ :۔

"یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے بتدریج خلیل، گگیانی محمدزئی، کمال زئی اور اتمان زئی قبائل سے جائے رہائش مانگی مگر پذیرائی نہ ہوئی تو اس قبیلہ نے دریائے سندھ کا رُخ کیا۔ دریا عبور کرنے کو تھے کہ قبیلہ اتمان زئی نے اُن کو مصلحتاً واپس لوٹا کر مواضعات باڑہ، کبل کیا، اچیلئی، چینئے، گاہائی اور منگل چائی گندف وغیرہ مال مویشی چرانے کیلئے دے دیئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد اتمان زئیوں نے باڑہ اور کبل کیا کا علاقہ ان سے واپس لے کر خود وہاں رہائش اختیار کی"

بفاتح الانساب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب بہاکو خان یوسف زئی نے ہزارہ پر حملہ کیا تھا تو گدون اُس کے ساتھ تھے اور انہوں نے اس وقت سے دوڑ نامی ندی کے دونوں اطراف کے میدانی علاقہ میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ یوسف زئیوں کے ساتھ ابتداہی سے رہے اور ہمیشہ ان کی امداد و اعانت میں پیش پیش رہے تھے۔ اور

تقسیم اراضی کے وقت یوسف زئی نے ان کو اتمان کے ساتھ گندف وغیرہ کا علاقہ ابتدا ہی سے دیا تھا۔ اور یوسف زئی نے ہزارہ کے نئے مقبوضات میں سے بھی یہ موجودہ علاقہ ان کو دیا تھا۔ یعنی علاقہ رجوعہ سالار کے حصہ میں علاقہ ومنتوڑ اور نواں شہر منصور کے حصہ میں اور علاقہ مانگل، چنگی اور بنگ سالار و منصور کا مشترک رہا تھا۔

قبیلہ گدون دو حصوں میں تقسیم ہے۔ سالار اور منصور جن کی ذیلی شاخیں حسب ذیل ہیں :۔

سالار کی شاخیں، مت خوازئے، اتوزئے اور سلیمان زئے ہیں۔ اور منصور کی شاخیں موسیٰ زئی، دولت زئی، خذر زئی یا خدوزئی اور اسپرئی ہیں۔

سکھ اور انگریز کی آمد پر یہ قبیلہ غیر جانبدار رہا۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں انگریز نے بونیر کی یورش کے دوران اس قبیلہ کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کرنے نہیں دیں گے۔ اور جب قبیلہ سالار اور کبل کیا کے اتمان زئیوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو ناکہ بندی ختم ہوئی۔ جب معرکہ امبیلہ شروع ہوا تو گدون انفرادی حیثیت سے شریک ہوئے۔ معرکہ امبیلہ کے اختتام پر گدون کے خلاف انگریز نے لشکر کشی کی۔ اور ملینی پہنچ گئے۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی جو قریب قریب مکمل ہونے کو تھی۔ کہ رات کو نلک جہانگیر خان اتفاق نہ کرتے ہوئے گندف سے چلا گیا اور ملینی کے اکازئی کی مداخلت پر جنگ نہ ہوئی۔ انگریز لشکر نے کبل کیا کی طرف کوچ کرتے ہوئے منڈی پہنچ کر اُسے نذر آتش کر دیا۔ بعد میں سالار اور منصور سے صلح ہوئی۔ اس کے بعد بھی انگریزوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اور سمجھوتے بھی طے پاتے

رہے۔ آزادانہ زندگی گزار رہے تھے۔ پاکستان کے معرض وجود میں
آنے کے بعد انہوں نے اس سے الحاق کر دیا۔ افسوس کہ گدون کے دو
لوگ جو ایبٹ آباد تحصیل میں آباد ہو چکے تھے۔ پشتو زبان کو بھول
گئے۔ جو اُن کی مادری زبان تھی۔

پنی اور کاکڑ (غرغشت)

یہ دونوں افغان قبائل دانی کے بیٹے ہیں۔ اور دونوں کا مشترک
نام دانی ہے اور قبیلہ غرغشت سے متعلق ہیں۔ ان کے کچھ گھرانے
یوسف زئیوں کے ساتھ افغانستان سے آئے تھے اور ان کی برادری
میں شامل ہوئے تھے۔ (اگرچہ ان کا بڑا قبیلہ اس وقت شمالی بلوچستان
کے علاقہ کوہ سلیمان میں آباد ہے) یہ لوگ یوسف زئی کی ہر تکلیف
و راحت میں شریک رہے اور جب یوسف زئی کا موجودہ تحصیل
ہری پور پر نیا قبضہ ہوا تو اُن کو میدان ہزارہ اور صوابی میرہ میں حسب
منشا حصّہ دیا گیا۔ جو اس وقت تک یوسف زئی کے ذیلی شاخ اتمانزئی
کے ساتھ تحصیل ہری پور میں آباد ہیں۔ بموجب تحریر مصنف تاریخ خان
جہانی و مخزنِ افغانی جلد دوئم صفحہ ۶۳۷، یہ لوگ یوسف زئی کے رشتہ
دار بھی تھے۔ وہ یوں کہ ان کے ہاں مسمی سلیمان پسر ملک یوسف
بن مندے بن خشی کی بیٹی بیاہ ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ لوگ قندہار
کے مغربی علاقہ میں آباد تھے۔ مصنف نے سلیمان کو پنی کے بیٹے
پیپودا کی پانچویں پشت میں بتایا ہے۔ اور پھر سلیمان کی اس بیوی
سے پیدا شدہ دو بیٹے عیسٰی اور موسٰی کے نام بتاتے ہیں۔ اگر صحیح
ہوں جیسا کہ درست معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ رائے قائم ہوتی ہے
کہ یہ پنی لوگ جو موضع پنیاں تحصیل ہری پور میں آباد ہیں۔ عیسٰی اور موسٰی

کی اولاد ہوں گے۔ جو یوسف زئی کے بھانجے تھے۔ اور کاکڑ پنیوں
کی رشتہ داری اور برادری کے سبب اُن کے ساتھ شامل رہے ہوں۔
اور پنی و کاکڑ کا یوسف زئی کے ساتھ شامل ہونے کا سبب بھی یہی
رشتہ داری ایک ذریعہ ہوں ہو۔

یہ بھی معلوم رہے کہ ابتدا میں پنی و کاکڑ کو شیخ ملی کی تقسیم
میں تپہ بائی زئی علاقہ مردان کے موضع پیر سدو میں حصّہ ملا تھا اور
کچھ حصّہ موضع قطب گڑھ میں بھی ملا تھا۔ جو اس وقت بھی وہاں
یہ سب کاکڑ کے نام سے موسوم اور آباد ہیں ضلع ہزارہ میں ان کو
ان نئے مقبوضات میں دوبارہ حصّہ دیا گیا تو پیر سدو اور قطب گڑھ
سے کچھ لوگ یہاں ہزارہ میں آ کر آباد ہوئے اور کچھ گھرانے وہاں ہی
موضع پیر سدو اور صرف ایک گھرانہ قطب گڑھ میں بر حال سابقہ مقیم
رہا۔ جو اب تک ان کی اولاد وہاں رہائش پذیر ہیں مگر ان سب کو
کاکڑ بولا جاتا ہے۔ پنی کا الگ نام نہیں۔ پیر سدو اور قطب گڑھ کے
علاوہ یہاں اسی تپہ میں ان کو موضع کوٹ جہانگیرہ میں بھی حصّہ
ملا تھا۔ ان کے چند گھرانے کاٹلنگ، ڈھیری علاء سکرے بابا، موضع
سلیم خان تحصیل صوابی اور بجی ضلع مردان میں بھی مالکانہ حیثیت
سے آباد ہیں۔ مگر یہ لوگ پنی اور کاکڑ کے نام سے نہیں بلکہ
غرغشتی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

موضع پیر سدو میں کاکڑ کے علاوہ ملاگوری، اتمان خیل، دلزاک
کے دو گھرانے، غازی خیل اور شابی خیل بھی آباد ہیں اور ایک ایک
گھرانہ معیار، میانہ، پیر خیل اور سواتی وغیرہ افغان بھی آباد ہیں۔

ترین

ان کے کئی خاندان یوسف زئیوں کے ساتھ ابتدا ہی میں آئے اور اُن کے ساتھ آباد ہوئے اور جب یوسف زئی نے اشنغر کا علاقہ محمد زئیوں کو دے دیا اور وہاں آباد ہوگئے تو یہ ترین بھی ترناؤ سے منتقل ہوکر یوسفزئی کے ساتھ آباد ہوگئے۔ جب شیخ ملی نے ملک احمد خان اور خان قرہ کی قیادت میں اراضی تقسیم کی تو اس میں ترین بھی شامل تھے۔ اس وقت وہ چجلہ کے مشرقی حصہ میں رہے اور ان کے نام سے ترینان اب بھی ایک گاؤں وہاں آباد ہے۔ جو موضع نگری کے قریب واقع ہے۔ دلزاک کو نکالنے کے بعد تقسیم اراضی میں ان کو بھی معدڑ کے ساتھ حصہ ملا اور یار حسین منتقل ہوگئے چنانچہ موضع یار حسین تحصیل صوابی میں ترینان وند کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ اور وہاں ان کا ایک خاندان بھی آباد ہے۔ اور جب یوسفزئی نے ہزارہ پر یورش کی تو ترین اُن کے ساتھ تھے۔ اور وہاں کے میدانی علاقوں میں ڈیرے جمالئے تو ان کی آبادیاں درویش، پانڈک، ریحانہ اور ہڈیانہ وغیرہ کے ناموں سے منظر عام پر آئیں۔ اور وہ طور ترین کہلائے اس کے علاوہ جنڈو، توربیلہ میں بھی ان کی مختصر سی آبادیاں تھیں۔ لیکن اب یہ ڈیم کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہیں جسے سپین ترین کہتے ہیں۔

سواتی پٹھان اور کشمیر

اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں ان کے حکم سے سوات اور باجوڑ کی راہ لی تھی۔ اور وہاں سے قدیم باشندوں جو کافر

تھے کو نکال کر قابض ہوئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قابض رہے اور پھر ان میں سے ایک بزرگ شاہ میر بابا نے بٹ خیلہ سے جاکر کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ محمد اکرام مصنف "آب کوثر" لکھتے ہیں:۔

"سوات کے ایک بزرگ شاہ میر ۱۳۱۵ء میں کشمیر کے راجہ سنگھ دیو کے ہاں ملازم ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ان کے بیٹوں کو بھی راجہ نے بڑے اختیارات دیئے اور خود اُن کو راجہ کے ایک جانشین نے اپنا وکیل مطلق مقرر کیا۔ آخر میں جب ملک کا نظام درہم برہم ہونے لگا تو ۱۳۴۳ء میں شاہ میر شمس الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے اور سکہ وخطبہ جاری کیا۔ کشمیر میں اسلام ان کی بدولت پھیلا۔ شاہ میر نے کشمیر سے اسلام کے سیاسی تعلقات کی بنیاد ڈالی"۔

شاہ میر کے والد کا نام شاہ دین تھا۔ کیمبرج ہسٹری میں شاہ میر کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

"نئے بادشاہ نے اپنے اختیارات سمجھ اور نیک نیتی سے استعمال کیئے کشمیر کے ہندو راجے بڑے ظالم تھے۔ ان کی علانیہ پالیسی یہ تھی کہ رعیت کے پاس معمولی دال روٹی سے زیادہ کچھ نہ رہنے دیا جائے۔ نئے بادشاہ کی حکومت لبرل اصولوں پر قائم تھی۔ اس نے بے جا سرکاری لگان اور غیر منصفانہ ٹیکس ہٹا دیئے۔ ٹیکس وصول کرنے کے ظالمانہ طریقے موقوف کردیئے اور سرکاری لگان پیداوار کے چھٹے حصے پر مقرر کیا"۔

تاریخ فرشتہ میں درج ہے کہ:۔

"شاہ میر ۷۱۵ھ میں کشمیر آیا اور راجہ کی اکثر رعیت اور ملازموں کو موافق یعنی مسلمان کیا اور اتنا اثر پیدا کیا، کہ ۷۴۳ھ میں اس نے حکومت خود سنبھال لی، بلادِ کشمیر میں حنفی مذہب کو رواج دیا۔ شاہ میر کے چار بیٹے تھے، بڑا بیٹا جمشید اور دوسرا علی شیر تھا، تیسرا شیراشک اور چہارم ہندال تھا۔ یہ سب قابل اور ہوشیار تھے۔ شاہ میر نے تین سال تک کامیاب حکومت کر کے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا جمشید کو اتفاق سے تخت نشین کیا گیا۔ اور علی شیر اس کا وزیر مقرر ہوا اور اپنے باپ کے طریقہ سے نظامِ حکومت عادلانہ قائم رکھا۔"

کتاب راج ترنگینی (فارسی ترجمہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی) میں شاہ میر کے اولاد کے متعلق ذکر یوں درج ہے کہ:۔

"سلاطین شاہ میری نے کشمیر میں تقریباً دو سو سال تک کامیاب حکومت کی، اس خاندان کا معروف ترین سلطان زین العابدین، مشہور بہ بڈشاہ، تھا۔ یہ سلطان بڑا عالم، ادیب اور شاعر تھے۔ عربی اور فارسی میں بے تکلف شعر کہتے تھے۔ اور کشمیری، سنسکرت اور تبتی زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اس سلطان نے کشمیری زبان کی قلمی کتابیں اور نیز آثارِ عربی، فارسی اور سنسکرت کو جمع کیا اور ایک بڑے کتب خانے کی بنیاد رکھی۔ یہ کتب خانہ سری نگر شہر میں تا عہدِ حکومتِ سلطان فتح شاہ (۸۹۸ - ۹۴۲ھ) برقرار تھا۔"

الغرض سواتی پٹھانوں نے الغ بیگ اور بابر کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے مردانہ وار مقابلہ کیا اگرچہ شکست کھائی تاہم برسوں

تک اس علاقہ پر قابض رہے۔ یوسف زئیوں کی آمد پر اُن سے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ضلع ہزارہ کا رُخ کیا۔ اور وہاں سواتی پٹھان پکارے جانے لگے۔ علاقہ سوات سے نکل کر ہزارہ میں جس علاقہ پر انہوں نے قبضہ کیا اُسے سلطان پکھل یا پکھال کے نام سے پکھلی نام دیا گیا۔ پھر اٹھارویں صدی میں سید جلال بابا کی قیادت میں اس قبیلہ نے ہزارہ کے شمالی علاقہ سے ترکوں کو نکال کر تمام پہاڑی اور میدانی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

مشوانی:۔ یہ جغرافیائی نام ہے۔ یہ لوگ آرمینہ کے جھیل وان کے مغربی کنارے سے موش نامی شہر تک کے علاقے میں جو قبیلہ برسیں کے قریب بطرف شمال تھا، میں آباد تھے جس کی سکونتی نسبت سے موش والی یا مشوانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ (دیکھو تاریخ حافظ رحمت خانی ۲۳۳، نقشہ ۳)

مشوانی افغانوں کا مشہور قبیلہ ہے۔ یوسف زئی جب موجودہ افغانستان میں مقیم تھے تو اُن سے اس وقت اچھے مراسم اور تعلقات قائم تھے ان کے اکثر خاندان اس وقت افغانستان سے نکل کر یوسف زئی کے ہاں پہنچے تھے۔ جب یوسف زئی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ ملک گیری میں یوسف زئی کے ساتھ تھے اور جنگوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے تھے۔ ملک فتح کرنے کے بعد ان کو شیخ ملی کے تقسیم میں علاقہ دیر میں بمقام میدان وجندول ایک زرخیز علاقہ مل گیا تھا۔ جس پر اس وقت بھی ان کے کافی گھرانے سکونت پذیر ہیں۔ اور پھر نئے مقبوضات میں بھی یوسف زئی کے ذیلی شاخ اتمانزئی مندڑ نے ان کو کوہ گنگر کے علاقہ میں کچھ اراضی بطور انعام دیدی جہاں وہ مقیم ہوئے ان کی کثرتِ آبادی کوہ گنگر کے سری کوٹ، کنڈی امر خانہ اور گدوالیا میں دکھائی دیتی ہے ان کی خصوصیات میں یہ بھی شامل ہے کہ روزِ اول سے اب تک ان کی

زبان، پوشاک اور بود و باش افغانی ہی ہے اور اس معاملہ میں وہ ضلع ہزارہ کے دوسرے افغانوں سے ممتاز ہیں۔ ان کے کچھ گھرانے اسماعیلیہ اور ساول ڈھیر میں اور چند گھرانے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہیں آزادی کی خاطر سکھوں اور اُس کے بعد انگریزوں سے اُن کی لڑائیاں خوب ہوئی تھیں۔ کیرو لکھتے ہیں کہ:۔

,, مشوانیوں نے ہری سنگ کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ یہ لوگ کھرے پٹھان ہیں اور دریائے سندھ اور وادی ہزارہ کے درمیان گنگھر کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ ان کا مرکز کئی دیہات کا ایک جھرمٹ ہے جو سری کوٹ کہلاتا ہے۔ یہ جگہ پہاڑیوں کے اندر محفوظ علاقہ میں واقع ہے یہاں مشوانیوں نے پٹھانوں کے رہن سہن کے دلچسپ طریقے برقرار رکھے ہیں۔ وہ قرن اور صدیاں گزر جانے پر بھی نہیں بدلے"

مشوانی قبیلہ کے ذیلی شاخیں یہ ہیں:۔ (۱) لودین (۲) منڈکانی۔ (۳) سلہمانی (۴) ردغانی (۵) کوزبوتی (۶) غریب (۷) خوبارٹی (۸) خن یا دیاض (۹) تعفض۔ تعفض کے چار ذیلی شاخیں ہیں جو آدم، سنجر، موسیٰ خیل اور یوسف خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

قومیت کے متعلق ایک اہم فیصلہ

,, ذکر این چند طبقہ قوم افغانیہ نوشتہ ہیں باہتمام رسانیدہ: چنانچہ بختیار واشترانی در قوم شیرانی اند و سیرزی در قوم ترین اند و خسین در قوم میانہ و کوتی در قوم بٹنی اند و مشوانی و تارن در قوم کاکڑ اند و ہُنی و وردگ

در قوم کرلانی اند و کلانانِ ما این سخن گفتہ باشند ہر کہ از اولادِ ما خود را داخل سید شمارد او اولادِ ما نیست۔ چنانچہ این مقدمہ در سلطنت سلطان بہلول، سلطان سکندر لودی، سلطان شیر شاہ سور نیز مذکور شدہ بودہ۔ بزرگان ایشان اقرار را مبدل ساختند و این حکم نیز در محافلِ بادشاہان مقرر شد" (تاریخ ابراہیم بٹنی)

افغان اکابر و مشاہیر

واضح رہے کہ گزشتہ زمانے میں اخون یا اخوند، شیخ، میاں، پیر، مُلا، خانزادہ، پیرزادہ، اخون زادہ اور صاحبزادہ وغیرہ القاب تھے جو پختون قوم کے اکابرین کو دیے جاتے تھے۔ اور یہ القاب بہت متبرک اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ پٹھانوں کے بڑے بڑے گھرانوں کے افراد مذہبی پیشوائیت کے علاوہ امامت درس و تدریس اور نظام ریاست میں ایک مستقل ستون کا کام بھی دیتے تھے وہ ظالم کی سرکوبی اور مظلوم کی حمایت، گمراہی سے اپنی قوم کو بچانے اور ملک کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالتے تھے اور عوام اُن کے پیروکار اور معتقد ہوتے تھے۔

بڑیس یا بڑیچ یا بریس (جو تینوں ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں)

یہ افغان قبیلہ ہے اور اس قبیلہ کو قیس عبدالرشید کے بیٹے شرخبون (شرف الدین) کی اولاد بیان کیا جاتا ہے۔ اور یوسف زئیوں

کے افغانستان سے ہجرت کرتے وقت اُن کے چند خاندان جن کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے، آ گئے تھے۔ شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے وقت پہلے ان کو طورو شامت پور میں آباد کیا گیا۔ تو بعد میں موضع ڈھوڈھیر سالم دیا گیا۔ جہاں اس وقت بھی یہ لوگ آباد ہیں۔ اور جب یوسف زئی علاقہ چھچھ کی طرف بڑھے تو اس قبیلہ کے چند گھرانے ان کے ہمراہ تھے جو وہاں آباد ہو گئے۔ اس وقت بھی علاقہ چھچھ کے کئی دیہاتوں میں آباد نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند گھرانے موضع یار حسین اور موضع انبار تحصیل صوابی میں بھی آباد ہیں۔ حافظ رحمت خان روہیلہ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک مشہور بزرگ پیر ولی جس کے مناظرے اخون درویزہ سے ہوئے تھے، بھی اس قبیلہ ترین سے تھا۔

سرکانی، تارن، مایار، اطرافی

الگ الگ یہ چاروں افغان قبائل ہیں جو ابتدا میں اپنے قبیلوں سے ان کے کچھ خاندان الگ ہو کر یوسف زئی کے ساتھ شامل ہوئے یوسف زئی کے ساتھ ملک گیری میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور یوسف زئی نے ان کو اپنے پاس رکھ کر اپنی برادری میں شامل کیا شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو دیر باجوڑ کے علاقہ میدان وجندول میں اراضیات دیکر بسایا گیا تھا، جو اب تک وہاں آباد ہیں۔ اور میدان و جندول کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی آباد ہو چکے ہیں۔ چھچھ میں بھی اُن کی کچھ آبادیاں ہیں۔ اور مایار کے چند خاندان لوند خوڑ کے مواضعات پر نوڈھیری میں بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ جو

سبحان شاہ اور شاہ نور لا افغان بزرگانِ دین کی اولاد ہیں۔

روانڑی، بوقیان، کنار یا کشار اور کمبار

یہ چاروں الگ الگ افغان قبائل ہیں اور اُن کے کچھ خاندان ابتدا ہی میں یوسف زئی کے پاس آ کر شامل ہو گئے تھے۔ وہ ملک گیری اور نیز ہر تکلیف و راحت میں زیادہ اخلاص و ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ ان کو کمال زئی کے ساتھ موضع مایار میں تقسیم کے وقت حصہ ملا تھا اور اس وقت بھی یہی لوگ موضع مایار نو ڈھیری و طورہ میں آباد ہیں۔ اور یہاں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جگہ بجگہ کچھ گھرانے سکونت رکھتے ہیں۔ مثلاً کمبار کے کچھ خاندان بونیر میں سالارزئی کے ساتھ بھی آباد ہیں۔ اور بوقی خاندان والے بھی کافی تعداد میں امان زئی کے ساتھ مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں:

قبیلہ روانڑی کے چند گھرانے سکنہ مایار میں کمال زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد، بلکہ بحیثیت قبیلہ و بموجب تقسیم شیخ ملی، تپہ بائی زئی کے سالم موضع جلالہ اور اس کے ملحقہ باندہ جات میں مالکانہ حیثیت سے قابضان اور آباد ہو چکے ہیں۔ ان میں کئی خیل ہیں۔ مثلاً خواجہ داد خیل، زید خیل، طور زئی، گوت حسن زئی، اتمان زئی، باتور خیل اور حسن خیل۔

روانڑی قبیلہ کے علاوہ جلالہ میں کچھ دوسرے مختلف افغان خاندان بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ مثلاً شلمانی کے چھ خاندان بونیروال دو خاندان، فتح خیل دو خاندان، مغدود خیل ایک خاندان مندوری ایک خاندان، بارکزئی دو خاندان، نصر خیل ایک خاندان خویشگی ایک خاندان، پیر خیل اور ملا خیل ایک ایک خاندان مذکورہ

سب نسلاً افغان ہیں لیکن ان کے علاوہ غیر افغان چند گھرانے بھی یہاں قابضان ہیں جس کی تفصیل یہ ہے ، چار گھرانے بافندہ دو گھرانے اوان ، دو گھرانے گوجر وغیرہ۔

وجہ تسمیہ بوقی افغان

بوقی یا بوقیان قبیلے کی نسبت شام کے شمالی علاقہ جبل الکام کے اطراف میں بیاس کے قریب بوقا نامی گاؤں ہے۔ جس کی رہائش وہاں شام میں بوقا نامی قصبہ میں تھی۔ مشرق کی طرف آنے کے بعد وہی سکونتی نسبت سے یاد اور پکارے جاتے ہیں۔ اور بعینہٖ اسی طرح رودانی یارو انڑی اور کنار یا کشاد اور کمبار بھی شام کے سکونتی مقامات کے ناموں کے نسبت سے یاد کئے جاتے ہیں۔

وردگ قبیلہ

یہ افغان قبیلہ ہے اور اُن کے کچھ خاندان یوسف زئی کے ساتھ افغانستان سے آکر شامل ہوئے تھے۔ اور ملک گیری نیز ہر تکلیف میں یوسف زئی کا ساتھ دیا تھا۔ ان کو شیخ ملی کی تقسیم میں ملی زئی کے ساتھ علاقہ میدان اور اوشیرئی دڑہ دیر میں اور بابوزئی کے ساتھ سوات میں اور دولت زئی کے ساتھ کلپانی بونیر میں حصص ملے تھے جو اب تک وہیں آباد ہیں۔ اور جب یوسف زئی نے علاقہ چھچھ پر قبضہ کیا تو اُس کو اس نئے علاقہ میں بھی موضع نطوفہ میں اس گاؤں کا تیسرا حصّہ ملا جو اب تک وہاں آباد ہیں۔ اور باقی دو حصوں پر نسوزئی اور سید خیل قابض ہوئے جو دونوں نسلاً یوسف زئی ہیں۔

طوغی یا توغی

یہ ایک افغان قبیلہ اور شامل ترین ہے۔ ان کا علاقہ شام میں دمشق کے شمالی سرحد پر حمات کے نام سے مشہور تھا۔ قبیلہ توغی کا نسبت توغی کو ہے جو داؤد علیہ السلام کے ابتدائی وقت میں حمات کے امیر تھے۔ توغی کے متعلق کتاب مقدس سموئیل ۲۔ باب ۸ میں یوں درج ہے کہ:۔

"اور جب حمات کے بادشاہ توغی نے سنا کہ داؤد (علیہ السلام) نے ھدو عزر کا سارا لشکر مار لیا تو توغی نے اپنے بیٹے یورام کو داؤد بادشاہ کے پاس بھیجا کہ اُسے سلام کہے اور مبارکباد دے۔ اس لئے کہ اُس نے ھدو عزر سے جنگ کرکے اُسے مار لیا۔ کیونکہ ھدو عزر توغی سے لڑا کرتا تھا اور یورام چاندی، سونے اور پیتل کے ظروف اپنے ساتھ لایا اور داؤد نے اُن کو خداوند کیلئے مخصوص کیا"۔

اُرمڑ یا اُورمڑ

یہ ایک مشہور افغان قبیلہ ہے۔ ان کے چند خاندان افغانستان سے پشاور آئے جن کے کچھ گھر نے یوسف زئی کے ساتھ اور زیادہ تر پشاور کے مغربی جانب آباد ہو گئے تھے۔ ان کی زیادہ آبادی کانی گرام میں ہے۔ ان کی نسبت آرمینیہ کے شہر اُوز مید ہے۔ جہاں انہوں نے پہلے پہل (سہاک اور داہان کے عہد میں) آتشکدے مسمار کر کے آتش پرستوں کی آگ کو بجھایا تھا۔ بایزید انصاری بھی اسی قبیلے سے متعلق تھا۔

بے سود، رہو اور لمغانی قبائل

تینوں الگ الگ افغان قبائل ہیں ان کے بھی کچھ خاندان افغانستان سے آکر یوسف زئی کے ہاں پہنچے اور اُن کے معاون بنے شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو سالار زئی کے ساتھ حصص ملے تھے. جو اس وقت اُن کے ساتھ بونیر میں آباد ہیں۔

ان کے علاوہ بے سود کے چند گھرانے درگئی اشنغر میں آباد کئے گئے تھے۔ جو اب بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور بے سود کے چند گھرانے موجودہ موضع ڈاگ بے سود میں بہی کے قریب بھی آباد ہوگئے تھے۔

اتمان خیل

یہ ایک مشہور افغان قبیلہ ہے یوسف زئیوں کے کابل سے نقل مکانی کے موقع پر یہ ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور امداد کے طور پر علاً جنگوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ کاٹلنگ اور شہباز گڑھ کے یوسف زئی دلزاک معرکہ میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔ قبیل اس کے یوسف زئیوں نے اُن کو ملاکنڈ کے مغرب کی طرف کا علاقہ جو باجوڑ سے جنوب کی طرف تھا رہائش کیلئے دیا تھا. جو اس وقت تپہ اتمان خیل کے نام مشہور ہے اس میں کیمود پہاڑ اور دیہات ذنگ برنگ مشہور ہیں۔ اور یہاں پر ایک اسرائیلی نبی وجو غازی پیغمبر کے نام سے مشہور ہیں، کا مزار ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک اتمان خیل کی قیادت ایک طاقتور خان کے ہاتھ میں تھی۔ جو ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ لیکن بعد میں

ان کی قوت تقسیم ہوتی چلی گئی۔ اور انگریز کی آمد پر اُن کے کئی معرکے ان کے ساتھ ہوئے جس میں وہ آخر کار مغلوب ہوگئے۔ اتمان خیل کے چند خاندان تپہ بائی زئی کے مواضعات میاں خان، سنگاؤ، پیپل، خرکی، کھوئی اور برمول میں آباد ہیں جو جنگ کاٹلنگ کے بعد بطور انعام یہاں ان کو مزید حصہ ملا تھا۔ اور کچھ گھرانے موضع گکلیاڑہ میں بھی آباد ہیں۔

خویشگی پٹھان

اس قبیلے کے کچھ خاندان ابتداً محمدزئیوں کے ساتھ شریک سفر رہے۔ حالانکہ ان کا پورا قبیلہ قصور پنجاب کے علاقے میں جا داخل ہوا تھا۔ یوسف زئیوں نے جب محمدزئیوں کو اشنغر کا علاقہ دیا تو خویشگی بھی چارسدہ سے دو میل کے فاصلے پر جانب شمال مغرب رہائش پذیر ہوئے جس کا نام خویشگی ڈھیری پڑا۔ محمدزئیوں کو اس کے بعد نوشہرہ کا کچھ علاقہ بھی یوسف زئیوں نے دیا تو خویشگی وہاں سے منتقل ہوکر نوشہرہ سے مغرب کی جانب ایک گاؤں میں آبسے جس کا نام خویشگی مشہور ہوا۔ یہاں اُن کے ساتھ کچھ دوسرے قبائل بھی جو یوسفزئی کے حامی تھے، شامل کئے گئے موضع خویشگی دو حصوں پر موسوم ہے بر کلے اور کوز کلے، بر کلی میں بکٹر ئی، لالی خیل، شالم خیل، نیکبی زئی مٹہ خیل، ماندوری اور دوم سالی ہندکی آباد ہیں۔ کوز کلی میں جنڈا خیل، گمرنزی، گوگیان، خوداماران، کوچیان اور خٹک آباد ہیں۔ یہ مذکورہ سب افغان قبائل ہیں جو اس وقت موضع خویشگی میں رہتے ہیں۔

کنانی یا کٹانی

یہ لوگ خوشنگی اور محمودی کے بھائی اور زمند کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بھی جنگِ کاٹلنگ میں یوسف زئی کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اور ملک احمد وشیخ ملی کے تقسیم میں ان کو ملی زئی خواجہ زئی کے ساتھ حصّہ ملا تھا اور اب بھی وہ ملی زئی کے ساتھ علاقہ دیر میں آباد ہیں۔

غلزئی اور لودی

ان دونوں قبیلوں نے تاریخ ہند میں خلجی اور لودی کے نام سے نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ ان کے چند گھرانے بھی ابتدا میں یوسف زئیوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ اور شیخ ملی کی تقسیم اراضی میں انہیں حصّہ رسدی دیا جانا بیان ہوتا ہے۔ خاندان غلزئی (غلجی، خلجی یا خلجی جو سب ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں) کے افراد تپہ رزڑ کے موضع شیوہ اور مانیری اور زروبی تحصیل صوابی میں آباد اور صاحب املاک ہیں۔ مشہور عالم دین پیر طیب جن کا ذکر اخوند درویزہ نے کیا ہے اور اس کے مخالفین میں سے تھا، بھی اس قبیلہ خلجی سے تھا۔ لودی خاندان موضع ٹوپی میں آباد ہے۔ جس سے نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان تعلق رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے مختلف قبائل کو بھی یوسف زئیوں نے اپنے ساتھ جہاں کہیں وہ رہے آباد کیا اور خیر سگالی کے طور پر ان کو زمین بھی دی۔ تاکہ وہ اپنی زندگی گزار سکیں اور اس وقت تک وہ مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ آباد نظر آتے ہیں۔

مندوری یا ماندوری

یہ افغان قبیلہ ہے جو یوسف زئی کے ساتھ جنگِ کاٹلنگ میں شامل ہوا تھا۔ اور یوسف زئی کے ملک گیری میں انہوں نے ساتھ دیا تھا۔ شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو کمال زئی کے ساتھ حصّہ ملا تھا۔ اس وقت بھی مندوری موضع ہوتی دچک ہوتی میں زیادہ تعداد سے اور کچھ گھرانے شامت پور طورو میں آباد ہیں۔ اور اسیطرح قبیلہ کھار یا کٹار بھی موضع طورو ماہیار میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

منده اور کشار

واضح رہے کہ منده ایک قصبہ تھا جو طورِ سینا کے مشرق میں طریہ اور عکہ کی سڑک پر واقع تھا جس سے مندوری افغانوں کی سکونتی نسبت ہے۔ اور اسی طرح شام میں کشار ایک شہر کا نام تھا جو حتیوں کا مرکزی شہر تھا۔

تیراہی اور گمرانی

یہ دونوں افغان قبائل ہیں۔ تیراہی کے زیادہ تر لوگ مواضعات تارو، ناصر پور اور قاسم تپہ خالصہ میں آباد ہیں۔ اور گمرانی خالصہ میں اور یوسف زئی کے علاوہ محمدزئی کے ساتھ اشنغر میں بھی آباد ہیں۔

لوئی یا لوانی

یہ ایک افغان قبیلہ ہے جو یوسف زئی کی دعوت پر جنگِ کاٹلنگ میں شریک ہوا تھا اور اُن کو عزی خیل کیساتھ حصّہ ملا تھا۔ اس وقت یہ لوگ

غوربند دوہ تحصیل الپوری سوات میں آباد ہیں۔

رودباری

یوسف زئی کی ذیلی شاخ ملی زئی کے ساتھ علاقہ دیر میں جگہ بہ جگہ رودباری قبیلہ آباد ہے۔ یہ لوگ ملک احمد کی دعوت پر شیخ ملی کے ذریعہ کنڑ اور ننگرہار سے دلزاک کے خلاف جنگ کاٹلنگ میں شمولیت کے لئے آئے تھے۔ تقسیم میں انہیں ملی زئی کے ساتھ حصہ دیا گیا تھا۔

یہ ایک پختون قبیلہ ہے جس کی رہائش نیشکے اور دریائے ہلمند کے جنوبی کنارے ،، رودباد ،، نامی ایک قصبہ میں تھی۔ یہ لوگ نسلاً خشی قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب خشی قبائل وہاں سے کابل کی طرف جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو رودبار نامی قصبہ کے لوگ (جو بعد میں اس قصبہ میں سکونت کی نسبت سے رودباری مشہور ہوئے) کابل کی طرف آئے۔ آنے کے بعد یہ لوگ علاقہ لمغان وننگرہار وغیرہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ رودباری لوگ قبیلہ تو کلانی یا تر کانی میں اولادِ شعیب میں سے ہیں، جو اس وقت تک کنڑ سے مغرب کی طرف افغانستان میں آباد ہیں۔ (رودبار کیلئے ملاحظہ ہو نقشہ خلافت مشرقی تذکرہ ص۲۳۴)

سید اور میاں، پٹھان لوگ علماء، مشائخ اور سادات کی ابتدا ہی سے عزت واحترام کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعدد خاندان علاقہ یوسفزئی میں مقیم ہیں شیخ ملی کے تقسیم اراضی میں انکو جائے سکونت اور معاش کے واسطے اراضی بطور سیری دیگئی تھی۔ ان میں اچھے نامور زمیندار بھی ہیں۔ حکومت میں اچھے عہدوں پر سرفراز اور میدان سیاست میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یوسفزئی نے جہاں بھی تمام پختونخواہ میں سمجھدار اور عالم وفاضل شخص دیکھا، اُن کو اپنے ہاں بلا کر آباد کیا تھا۔

سوات اور متراوی —— ایک جائزہ

کتاب ہذا کے گزشتہ اوراق میں سواتی پٹھانوں کا ذکر قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔ یاد رہے کہ ان کے دو قبیلے تھے۔ ایک سلطان اویس کا قبیلہ جو سواتی پٹھان کے نام سے مشہور رہے۔ اور سلطان اویس کے یوسف زئی کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد یہ لوگ سوات سے ہجرت کر کے ضلع ہزارہ میں جاکر مقیم ہوئے۔ دوسرا ملک حسن کا متراوی قبیلہ جو سلطان اویس کے قبیلے کے عداوت کی بناء پر سوات میں ہی رہا جیسا کہ کتاب ھذا کے ص۱۲۳ پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ کئی برسوں تک پہاڑوں میں سرگردان وپریشان پھرتے رہے اور بالآخر آہستہ آہستہ آکر اپنے اپنے مواضعات میں بطور رعیت بن کر آباد ہوئے۔ یوسف زئیوں نے سارا سوات آپس میں تقسیم کرلیا۔ البتہ ملک حسن اور اُس کے متعلقات شرم وندامت کے باعث جلاوطنی اور محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں بستے رہے۔ جب ملک حسن کا انتقال ہوا تو اُس کے اقارب نے بھی یوسف زئی سے والیسی کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہوگئے۔

متراویوں کے متعلق تواریخ افاغنہ میں خواجو مورخ لکھتے ہیں کہ۔

،، متراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل د شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور متراویوں کے ماہرین انساب کا بیان ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف زئی ہیں۔ ان کا پہلا

آنا اس طرح ہوا کر قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ قندہار کے حدود میں موضع گاؤکے اور نیلکے میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے حوادثات زمانہ کے سبب الگ ہوگئے اور یہاں آکر متوطن ہوئے اور ہم اُن کی اولاد میں سے ہیں:"

واضح رہے کہ سوات میں جو لوگ اس وقت سواتیوں کے نام سے مقیم ہیں وہ اصل میں متراوی قبیلہ ہے۔ جس کا سلطان اویس والے سواتی پٹھانوں جو اب ہزارہ میں آباد ہیں، سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تحقیق کرنے پر اس قبیلے کا ایک خاندان جو بنگالی سے مشہور ہے مینگورہ اور چارباغ میں رہائش پذیر ہے ان کے اہل علم کا اپنا بیان اور شجرۂ نسب بطور نمونہ شامل کیا جاتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ۔

"بنگالی خاندان دراصل سواتیوں میں متراوی قبیلے سے ہے جو افغانوں کا ایک مشہور و معروف قبیلہ ہے سوات میں موجودہ یوسف زئی پٹھانوں کے آنے سے پہلے یہی لوگ سرزمین سوات میں آباد تھے۔ کسی زمانے میں یہ قوم موجودہ افغانستان میں رہائش پذیر تھی۔ جس نے سلطان شہاب الدین محمد غوری کے عہد میں سوات پر حملہ آور ہوکر چار سو سال تک قابض رہے۔ پشتو ان کی مادری زبان ہے۔ آج سے تقریباً ۲۲۵ سال قبل اس خاندان کے ایک فرد رستم علی نے بنگال میں ہجرت کی تھی۔ اور کافی عرصہ بعد وطن واپس لوٹا۔ جس کے بعد اُن کی اولاد بنگالی پکارے جانے لگے۔"

(شجرۂ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

بنگالی خاندان سوات

حسام الدین

رستم علی (بنگال بابا)

(مینگورہ کورنی) (چارباغ کورنی)

محمد علی

زوجہ اول — زوجہ دوم — زوجہ سوم

خیر علی خان — محمد جی — عاقبت خان

یحییٰ خان — حضرت عمر — شاہ ولی

حاجی محمد خان

نور محمد — حاجی نواب

افضل خان — ششتی خان — چاچا کریم بخش

عبدالمجید — عبدالاکبر — عبدالعزیز — احمدی

سرور خان — عبدالبصیر

محمد سعید — عقلمند

محمد انور

غلام نبی

اکبر علی — زور علی — عمر علی

محمد عمر — مجتہدی — میروں

عبدالغفور — محمد غفور — شیر علی

نور لالی — سلطان محمود — دین محمد

خورشید علی — سردار علی — محمد اقبال — سلیم اقبال — امجد اقبال

حشمت علی (شہید بابا)

امان اللہ — حسن علی — شرب گل

محمد ولی — حضرت ولی

حبیب اللہ — عبدالخالق — غلام حیدر

عبدالجلال — عبدالمالک — عبدالمنان

عبداللہ — وحید اللہ

حضرت عثمان — گل زرین

اندر گل — شانی گل

محمد عمر — حضرت عمر — حضرت عالم

نادر گل — رحمانی گل

فقیر محمد — امیر خطاب — محمد امیر — طائع محمد

عبدالغفور — سید عمر — نمروز

شجرۂ نسب گگیانی،

لہ محمود اور ایوب کی اولاد مکہ خیل سے مشہور ہے۔

خخے یا خشتے یعنی خشی قبائل

یہ ان چار قبیلوں پر مشتمل ہیں، یوسف زئی، گگیانی، ترکانڑی، اور محمد زئی (وصلی)، ان کے مختصر حالات یہ ہیں:۔
(یوسف زئی کا ذکر بعد میں کیا جائیگا)

گگیانی

اس قبیلے کو مطابق تقسیم شیخ ملی و ملک احمد یوسف زئی، تپہ دوآبہ کا علاقہ ملا تھا، تپہ ہذا چارسدہ کے دریائے سوات سے مغرب اور دریائے کابل کے شمال مشرق میں دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے کا نام ہے۔ یہاں پر گگیانیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے زیر سایہ آباد ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) مواضعات نصرت زئی، سوختہ، گونڈہ، دوسہیری، سرڈانی غر ٹیک، بکیانہ، سنڈہ سر، ترنخہ، ہریانہ، بنگرام، کانگوہ، ماہ زارہ، باغی بند (ہر سہ گاؤں)، چکڑ، انباڈھیر، نحقی، خمرکی، دولت پورہ، سریخ، ماروزئی، متھرا، ڈیری بانڈہ متھرا، مندی زئی، مرزالی، سوٹے مارہ، شبقدر، شنکر گودھ، موسیٰ زئی، کوتک، مٹہ مغل خیل، کیلے حسن زئی اور بیلہ میں خود قبیلہ گگیانی آباد ہیں۔

(۲) مواضعات اتکے، دلزاک، وچہ ولہ، ہر سہ میں اولا د شاہ عالم، میر خان، عالم، غوث، اکبر، پسران مہندان خان ولد بابو خان ولد پور دل خان ولد نور محمد خان قوم دلزاک افغان آباد و قابضان ہیں۔

(۳) مواضعات پنجپاؤ اور اباز ئی کے بالائی علاقہ پر بر مہمند آباد

ہیں۔

(۴) مواضعات کنوزئی، صدرگڑھی اور نویکلی میں قوم یوسف زئی کے چند خاندان یعنی بہاکوخان بن ماموں خان بن عثمان کے پوتے سردارخان خودوخیل کی اولاد آباد ہیں اور کنوزئی میں اُن کے ساتھ اچینیان افغان قبیلہ بھی رہتا ہے۔ کدوزئی یا کنوزئی نام بھی یوسف زئی ہی ہے۔ ابتدا میں جب یوسف زئی دوآبہ میں آباد تھے تو یہاں ملک کدو کا ماموزئی قبیلہ رہتا تھا۔

(۵) مواضعات جٹ، گڑھی گگر میں اولاد مُستیان قمرین، اسماعیل اور کالو برہنہ قابضان قوم اوان کے آباد ہیں۔

(۶) گڑھی شریف خان میں مستیٰ شریف خان قوم مغل کی اولاد اور گڑھی ناظر میں ناظر خان قوم مغل کی اولاد آباد ہیں۔

(۷) موضع گڑھی عبدالرحمٰن میں مستیان غلام محمد و محمد داؤد قوم سید کی اولاد آباد ہے۔

(۸) موضع ماموں میں اولاد حاجی محمد معروف کلازنگی قوم پاپینی اور موضع ملاخیل میں لبیب افغان ملاخیل اور موضع حاجی زئی میں یاسین خان محمدزئی کی اولاد آباد اور قابضان ہیں۔

(۹) موضع بنیادی میں اولاد مجید افغان قوم غلزئی اور موضع ڈب میں اولاد بخت یار افغان قوم شموخیل اور موضع گڑھی جالہ بانان میں اولاد فاضل افغان قوم شلمانی آباد ہیں۔

(۱۰) پنجپاؤ میں برمہند آباد ہیں۔ اور اُن کے علاوہ شبقدر میں بہلول خیل آباد ہیں جو ملکہ خیل کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ بہلول خیل کے متعلق "تاریخ پشاور" میں صفحہ ۴۹۰ پر درج ہے کہ:۔

"یہ خاندان افغانان قوم گگیانی سے بنام بہلول خیل مشہور ہیں"

اور پھر اُس کتاب کے صفحہ ۲۰۸، صفحہ ۲۰۹ پر درج ہے کہ:۔

"بہلول خیل افغان گگیانی مالکان شبقدر ہیں"

مذکورہ بیان ۱۸۹۶ء کے بندوبست میں بہلول خیل کے اراکین جرگہ کی زبانی درج ہوا ہے، وہ زیادہ معتبر ہے۔

واضح رہے کہ موضع بڈابیر کے بہلول زئی خلیل ہیں نہ کہ گگیانی بلکہ وہ خلیل کے نامی گرامی ملک بہلول بن صدو بن علیٰ اسحاق زئی خلیل کی اولاد ہیں۔

تپہ دوآبہ پنجپاؤ میں برمہند کے آنے کے وجوہات یہ ہیں کہ سنہ ۱۵۸۶ء میں قبیلہ یوسف زئی بہ سرکردگی ملک کالو خان اور مغل حکمران اکبر بادشاہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی۔ اکبر خود قلعہ اٹک میں مقیم تھا۔ اور کابل و ہندوستان سے چیدہ فوج بلاکر علاقہ یوسف زئی پر حملہ آور ہوا۔ جس کے نتیجے میں اکبر کی کل فوج جو پچاس یا باون ہزار بیان کیجاتی ہے۔ راجہ بیربل سمیت یوسف زئی کے پہاڑوں میں مارے گئے۔ اس جنگ میں افغانوں کے اکثر قبائل شامل ہوئے تھے خصوصاً مہمند یوسف زئیوں کی امداد و اعانت میں پیش پیش تھے جو اس وقت پشاور اور نوشہرہ کے درمیان جو اب تپہ خالصہ کے نام سے یاد ہوتا ہے، میں مقیم تھے۔ اکبر بادشاہ نے بعد میں انتقام لینے اور کابل کا راستہ صاف کرنے کی خاطر مہمندوں پر حملہ کیا اور اپنے مخالف برمہند کو جلاوطنی پر مجبور کردیا چونکہ اس وقت سوائے علاقہ یوسف زئی کے اور کوئی مقام مغلوں کے اثر سے محفوظ نہیں تھا۔ ایک طرف دریائے کابل حد فاصل تھا تو دوسری طرف دریائے سندھ۔ چنانچہ یوسف زئی نے مہمند قبیلہ کے ان خاندانوں کو جن کو برمہند بولا جاتا ہے،

تپہ دوآبہ میں پنجپاؤ کو سارا اور ابازئی کا مغربی پہاڑی علاقہ دے کر پناہ دی - آبازئی کے پہاڑی علاقہ میں جو آبازئی خاندان آباد تھے وہ ا - قبیلہ آبازئی کے ہاں سوات میں موضع بر باڑوان منتقل کئے گئے اور پنجپاؤ کو جو قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ ہے - اپنی برادری کے علاقہ کوٹھہ ٹوپی وغیرہ میں بھیج کر وہاں آباد کئے گئے - اسی مذکورہ پنجپاؤ قبیلے کے سبب اس تپے کا نام ابھی تک انہیں کے نام سے مشہور ہے - پنجپاؤ قبیلہ منڈر یوسف زئی کو اس مقام پر خان گجو نے بغرض حفاظت دوآبہ ، غوریاخیل سے بعد از جنگ شیخ تپور آباد کیا تھا - اور اسی طرح قبیلہ یوسف زئی کے کچھ اور خاندان مواضعات کٹوزئی ، صدر گڑھی میں آباد ہوئے - اور قبیلہ ابازئی اشتنغر کے موضع آبازئی میں ابتداہی سے آباد تھے ان سے کچھ گھرانے ابھی تک وہاں مقیم ہیں -

قبیلہ گگیانی جب علاقہ دوآبہ یوسف زئی میں مقیم ہو رہے تھے تو اس وقت ملک حمزہ مغل خیل - ملک میرے لالہ زئی اور ملک یحییٰ میرزئی اس قبیلہ کے قائدین تھے - اس وقت بھی بڑے بااثر لوگ اس قبیلہ میں موجود ہیں - ملاحظہ ہو شجرۂ نسب صفحہ ۳۷۴

ترکلانی یا ترکانڑی

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ملک احمد یوسف زئیوں کو لیکر افغانستان سے نکلے تو ترکانڑی لمغان میں مقیم رہے - جہاں ان کی اپنی ریاست تھی - کچھ عرصہ بعد حکومتِ مغلیہ کابل سے ان کی کشمکش ہوئی تو وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہوئے - اسوقت یوسف زئی دوآبہ اشتنغر ، سوات ، دیر اور باجوڑ پر قابض ہو چکے تھے

ترکانڑیوں نے خان گجو سے پناہ دینے کی درخواست کی تو اُن کو باجوڑ میں مقیم ہونے کی اجازت ملی - یوسف زئیوں کے ساتھ اُن کے تعلقات ابتداہی سے خوشگوار تھے اور یہاں آنے پر آپس میں ایسے گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا - ترکانڑی دو حصوں میں منقسم ہیں یعنی ترک کے دو بیٹے تھے ایک موسیٰ دوسرا شعیب -

موسیٰ کی اولاد :- (۱) محمود (لوئے ماموند) - (۲) اسمٰعیل جس کی اولاد اسمٰعیل زئی سے یاد ہوتے ہیں - اسماعیل زئی کی چار ذیلی شاخیں ہیں - وڑوکے ماموند ، نون ، اکا اور کٹور - (۳) حسن (۴) عیسیٰ (ایسوزئی) ، (۵) مدے جس کے بیٹے خواجے ، معروف اور الیاس ہیں - (۶) ہارون - (۷) مُوَر -

باجوڑ میں مقیم ہوتے وقت اسماعیل زئی کے چند گھرانے جو کٹور کہلاتے تھے ، چترال[1] اور بدخشان کی طرف اور نون پنجاب کی طرف چلے گئے تھے اور سگے زئی جو لوئے ماموند کی ایک شاخ ہے اس کے اکثر لوگ پنجاب میں جالندھر ، لاہور ، گوجرانوالہ ، بٹالہ اور سیالکوٹ کی طرف گئے اور وہاں مقیم ہوئے - ایسوزئی کی ذیلی شاخیں یہ ہیں :- مست خیل ، علی بی خیل ، موسیٰ خیل ، شاہی خیل ، مندے زئی ، اور سین زئی - اور ان میں شاخ مست خیل سے عمرا خان جندولی متعلق تھا - اور ایسوزئی کی ذیلی شاخ موسیٰ خیل سے میاں عمر صاحب چمکنی متعلق ہیں -

شعیب کی اولاد :- یہ افغانستان میں ہی رہ گئے تھے -

---

[1] مردم شماری ۱۹۷۲ء کے مطابق چترال کی آبادی ایک لاکھ اٹھتر ہزار تھی جس میں پختون قوم کی آبادی قریب ۹ فیصد ہے -

اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں اور لمغان میں سرہ قلعہ اور علاقہ سہ
صدہ و نیز سرخ رود و ننگرہار کے مختلف مقامات میں آباد ہیں۔
چونکہ ترکانڑیوں کا شجرۂ نسب آج تک کوئی مؤرخ بھی مرتب
نہیں کر سکا تھا جس سے میری راہنمائی ہوتی۔ لہٰذا مجھے اُسے مرتب
کرنے میں کافی تگ و دو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان
علاقوں میں مجھے کئی بار جانا پڑا جہاں یہ قبیلے آباد ہیں۔ چنانچہ
کچھ وہاں کے معمر ترین افراد کی مدد سے اور کچھ تاریخ ابراہیم
بٹنی کے قلمی نسخہ سے جو مجھے میسر آیا اُن کے شجرۂ نسب مرتب کیے
جو آنے والی نسلوں اور پڑھنے والوں کیلئے ضرور دلچسپی کا باعث
ہوں گے۔

قبیلہ ککی زئی یا کاکزئی پنجاب میں

یہ تاریخ کی بڑی ستم ظریفی ہے کہ جس قبیلہ کو سابق متحدہ پنجاب
کی حکومت نے ۱۸۹۱ء میں جرائم پیشہ قرار دیا تھا ۱۹۳۴ء کے بعد
اسی قبیلہ کے افراد اسی سرزمین پنجاب پر گورنر جنرل سپریم کورٹ
کا چیف جسٹس اور مرکزی و صوبائی حکومتوں کی وزارت قانون کے
مالک رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ تاریخ کے صفحات پر عجائبات
عالم میں سے شمار کیا جائیگا۔
معلوم رہے کہ ایک قوم جو افغان قبیلہ ترکلانی، ترکانڑی[1] اور
ترکانی۔ یہ سب ایک ہی قبیلے کے مختلف نام ہیں۔ جو خشتے سے
اور قبیلہ یوسف زئی و گگیانی کی برادری سے تعلق رکھتی ہے،

---

[1] ترکانڑیوں کے شجرہ نسب کیلئے ملاحظہ ہو تواریخ حافظ رحمت خانی
مرتبہ روشن خان اشاعت ۱۹۸۲ء۔

محمود بن موسیٰ کی اولاد لوئے ماموند کے نام سے علاقہ باجوڑ میں
موجود ہے جو کہ ان سات ذیلی شاخوں پر منقسم ہیں۔ بڑوزئی، ککی زئی،
اُریازئی، سالارزئی، برم کازئی، خلوزئی اور بدل زئی۔
سالار بن لوئے ماموند (جس کی اولاد سالارزئی سے مشہور ہیں)
کے دو بیٹے سدین اور امدک ہیں۔ ان میں امدک سالارزئی کی اولاد
بارہ یہ ہیں۔ اوّل ملک شمو (جس کی اولاد شموخیل سے یاد ہوتے ہیں)
کے دو بیٹے ملک سرخابی اور ملک مٹہ تھے۔ دوئم ابراہیم خیل۔
سوئم ہلال خیل جس کی ذیلی شاخیں سرگند خیل، صاف خیل، اوگی خیل،
اور چندن خیل ہیں۔ چہارم میرداد خیل۔ پنجم محمود خیل۔ ششم
فتح خان خیل۔ ہفتم حیدر خیل۔ ہشتم تور خیل۔ نہم اکاخیل۔
دہم سرگند خیل۔ یازدہم گبرے۔ دوازدہم تاران۔
سدین بن سالار کی اولاد چھ ہیں۔ (۱) میرخان خیل (۲) تلندیخیل
(۳) علی خیل (۴) کمی خیل (۵) سین خیل (۶) کندیان۔
ککی زئی پنجاب والے اسی لوئے ماموند کے لوگ ہیں۔ ککی زئی
کی اولاد پانچ ذیلی شاخوں پر موسوم ہیں۔ مسعود خیل، ایسف خیل، عمر خیل،
سلیمان خیل اور بادین خیل اور اس وقت بھی یہ لوگ باجوڑ میں انہیں
ناموں سے یاد کیے اور موجود ہیں۔
قبیلہ ترکانڑی کی باجوڑ سے جانب مغرب، علاقہ لمغان افغانستان
میں ۱۵۰۱ء کے آغاز تک اپنی ریاست تھی۔ جو مغل حکمران کے ہاتھوں
برباد ہوگئی۔ اور ان لوگوں نے خان کجو کے عہد میں علاقہ یوسف زئی
تہ باجوڑ میں آکر پناہ حاصل کی۔ اور یوسف زئیوں نے باجوڑ میں کافی
علاقہ اپنی خوشی سے ان کو امداد کے طور پر حوالہ کیا تھا۔ تاریخ کے اس
متذکرہ عہد میں وادئ جندول کے جنوبی سرے پر رود بار، باجوڑ کے عین

جنوبی کنارے پر واقع ایک پہاڑی نشیبی درہ کلالہ میں قبیلہ ماموند کی ذیلی شاخ ککی زئی کے لوگ آباد تھے۔ اور اسی مقام کی نسبت سے یہ لوگ کلالہ کے نام سے بھی موسوم ہوئے تھے۔ اور باجوڑ سے نکل کر پشاور میں بھی رہے ہیں۔ اور یہاں بھی کلالہ یا کلال ککی زئی کے نام سے مشہور ہیں۔ نیز ملتان میں کلالہ ایک قصبہ تھا جو ککا زئی کا مسکن تھا۔ واضح رہے کہ کلال ایک اسرائیلی نام ہے جس کا ذکر کتاب مقدس میں اجنبی عورتوں کو چھوڑنے کے بارے میں ہوا ہے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے۔ کہ جب قبیلہ یوسف زئی یسوکوڑگی ملک احمد باجوڑ میں دلزاک سے نبرد آزما تھا اور دلزاک اور یوسف زئی کا سخت مقابلہ تھا تو ملک سرخابی بن شمو ترکلانی جو اُس وقت قبیلہ کا ایک نامور سردار تھا، اپنا لشکر لیکر لمغان سے یوسف زئیوں کی امداد کیلئے پہنچا اور ہیبو سردار دلزاک کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ سمجھ سکا۔ بالآخر نوبت بجنگ رسید قریب تھا کہ یوسف زئی شکست کھاتے لیکن ملک سرخابی بن شمو نے اپنے لشکر کو للکارا جس کے نتیجے میں ہیبو کو پائندہ ترکلانی ککی زئی نے تلوار سے مارا اور برہان ترکلانی ککی زئی نے ہیبو کے بھائی جہان شاہ کی گردن جاری اور سرتن سے الگ ہوگیا مختصر یہ کہ دلزاک قوم کے دونوں سردار ہیبو اور جہان شاہ ککی زئیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور دلزاک کا لشکر شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ اور سارا علاقہ باجوڑ یوسف زئی کے قبضہ میں دے کر لمغان واپس چلے گئے۔ اور جاتے وقت یوسف زئی ملکان کو کہہ گئے کہ یہ ملک باجوڑ تمہارے لئے فتح کیا۔ اس پر اب اطمینان سے رہو ہم اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ ملک سرخابی کی وفات کے بعد سربراہ قبیلہ اس

کا بھائی مٹہ نامزد ہوا اور غوریاخیل کی جنگ میں وہ دو سو گھوڑ سواروں سمیت یوسف زئیوں کی امداد کیلئے بمقام شیخ تپور، خان کجو کے پاس آیا تھا اور اس نے جنگ میں بہت اخلاص اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ خان کجو حکمران خشی نے ترکانڑیوں کی اخلاص اور بہادری کی بہت تعریف کی ہے۔

محمدزئی

محمدزئی قبیلہ اشنغر کے تپہ تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں۔ ان کے اپنے قبیلے کے علاوہ جگہ جگہ کچھ دوسرے خاندان بھی ان کے ساتھ سکونت پذیر ہیں۔ اور اُن کو بھی انہی کے ذریعہ مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

مواضعات رزڑ، ڈوگہ، کوٹ، اتمان زئی، چک اتمان زئی، امیر آباد محمدناڑی، خان مائی، ترناب، عمرزئی، شنگئی، چک محمدامیرخان، سنگہ، دلدار گڑھی، مرزا ڈھیر، چارسدہ، چیتل ٹاپو، گانہ بیلہ، نستہ، پڑانگ، اگرہ، سافو خیل، سدو خیل، سرینج بیلہ، یٰسین زئی، بیلڈاری، سابو کے، ترنگزئی، شیرپاؤ، ڈاگی، تنگی نصرت زئی، قلعہ شیرپاؤ، پیشے دوبندی، باری بند، گندیرے، حصارہ ہری چند، جرعہ، تنگی بوہ زئی، گڑھی میاں صاحب، پیلئے، بہرام ڈھیری، سحرانگ، عیسوگے میں اولادِ محمدزئی خود مالکان و قابضان ہیں۔

مرزا ڈھیر میں محمدزئی کے علاوہ قبیلہ درانی کے مسمّیان امیر محمد خان، عطا محمدخان، تاج محمدخان و یار محمد خان پسران اباش خان افغان درانی کی اولاد بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہے۔

اس کے علاوہ سکونتی صورت حال یہ ہے کہ موضع کانگو میں

اولادِ دین محمد قوم اعوان اور ڈاگی غلام قادر ہیں اولاد افضل خان یوسف زئی اور ملواگی فیض اللہ ہیں اولاد اعظم خان قوم افغان علی خیل اور سپاہمئی ہیں اولاد شہاب الدین قوم اعوان سکونت پذیر اور قابضان ہیں۔ اور اسیطرح موضع طوطکے میں اولادِ محبت خان افغان درانی اولاد و ولی محمد شیخ قابضان و سکونت پذیر ہیں۔ اور موضع گمتی قاضی غلام قادر افغان یوسف زئی کو ماجب میں منجانب احمد شاہ ابدالی ملا تھا۔ موضع دوسہرہ پر اولاد دوست محمد خان خٹک اور شیخ کلے پر اولاد محمد عظیم خان افغان پوپل زئی درانی اور موضع ڈوگرہ میں میاں محمد یوسف قوم سید بخاری اور ڈھیری زرداد میں اولاد زرداد خان قوم افغان پوپل زئی آباد ہیں۔ اور موضع ٹلہ پر اولاد نصرت یا مضرت قوم اعوان اور موضع ابابکری پر اولاد میر احمد خان افغان قوم درانی قابضان ہیں اور موضع چتلی مانکرائی پر اولاد امیر خان خٹک اور موضع درگئی پر اولادِ جہانگیر، ستار، شیر گل، شاہنواز، احمد وغیرہ قوم افغان بے سود، لودی، خٹک اور اعوان آباد ہیں۔ اور موضع ترلاندی پر اولاد زریق قوم افغان گمرانی سکونت پذیر ہیں۔ موضع نودہ پر اولاد امیر خان افغان محمدزئی مالک خود اور کچھ حصّہ قاضی خیل کی ملکیت ہے۔ اور موضع چنتہ پر اولاد عبدالغنی خان قوم افغان درانی سکونت پذیر ہیں۔ اور موضع دولت پورہ پر اولاد نزن خان افغان گمرانی اور موضع چک کا کا خیل پر اولاد فضل بابا کا کاخیل اور موضع چینہ پر اولاد موسوم قوم اعوان آباد ہیں۔ موضع گڑھی بہادر (بہادر) پر اولاد معظم خان آفریدی اور موضع ڈانگ قلعہ پر اولاد میر صاحب قوم سید اور چک ترلاندی پر اولاد کالا خان قوم آفریدی آباد ہیں۔
موضع قاضی خیل پر خاندان قاضی خیل خود آباد ہیں جو نسلاً

افغان محمدزئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تپہ ھذا میں کئی جگہ یہ لوگ قابضان و مالکان ہیں۔ ماضی قریب میں اس خاندان سے دو اہم شخصیتیں میاں احمد شاہ اور میاں عبداللہ شاہ گزرے ہیں۔
موضع اباذئی میں قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اباذئی کے کچھ خاندان ابھی تک مالکان و قابضان ہیں۔ جو کہ زمانہ قدیم سے اس گاؤں کے مالکان کی حیثیت سے سکونت پذیر رہے ہیں۔ اس گاؤں کا نام بھی انہیں کے قبیلہ اباذئی کے سبب موضع اباذئی مشہور ہے۔

قبیلہ محمدزئی جب اشنغر میں مقیم ہو رہا تھا تو اس وقت ملک خضر خان اور ملک ہیگی خان اور میر پائندہ خان اس قبیلہ کے قائدین تھے اور بہت سمجھدار، مخلص اور قابل سربراہ تھے۔ تواریخ حافظ رحمت خانی میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ قبیلہ محمدزئی کا شجرہ نسب شامل کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو شناخت میں آسانی ہو اور وہ متعارف ہو سکیں۔ شجرہ ص ۳۸۷

تپہ اشنغر

اشنغر کا ماضی پٹھانوں کیلئے شاندار رہا ہے۔ اس سرزمین پر افغانوں کی کئی تحریکات عمل میں آئیں۔ مثال کے طور پر:-
(۱) خاندان غزنوی نے جب غوریوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو شہاب الدین محمد غوری افغان نے پہلی فرصت میں یہ طے کیا کہ افغانوں کو یہاں آباد کیا جائے۔ چنانچہ یہاں کے ہندو آبادی کو پنجاب کی طرف دریائے سندھ کے پار جانے کا حکم دیا۔ اور یہاں پر پٹھانوں کو لاکر آباد کیا۔ معلوم رہے کہ ازیں قبل سوات، باجوڑ اور کابل تک ہندو آباد تھے۔ اور ان کے شمال مغرب میں ترک آباد تھے۔ پٹھانوں کا

علاقہ قندہار، زوب، ہرات، غور وغیرہ یعنی غزنی، کابل اور پشاور کے جنوب میں تھا۔ اس منتقلی سے محمد غوری کو ہندوستان پر حملے کی صورت میں امداد اور لشکر بآسانی مل سکتا تھا۔ دوئم پٹھانوں کو رہائش کیلئے ایک وسیع علاقہ مل گیا اور محمد غوری تابڈ افغان کو ہندوستان فتح کرنے میں کافی سہولت ہوئی۔

(۲) بایزید انصاری (پیر روشن) نے بھی ابتدائی وقت میں یہاں سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اور یہاں ہی ان کے ساتھ مخالفت میں اخوند درویزہ و پیر بابا کے مناظرے ہوئے تھے۔ بایزید کی یہ تحریک مغل حکومت کیخلاف افغانوں کو بیدار کرنے اور ایک مرکز پر جمع کرنے کی تھی۔

(۳) سید احمد شہید بریلوی اور اسماعیل شہید نے یہاں سے ہی سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر کے نوشہرہ وغیرہ کی جنگ میں شرکت کی۔

(۴) افغان جرگہ اور خدائی خدمت گار تحریک جو انگریز کے خلاف جنگ آزادی کے بارے میں تھی۔ اسی علاقہ سے شروع ہوئی۔ اسلامی مدرسوں کی تحریک اور پنچایتوں کے ذریعے گھریلو فیصلے اور انگریز کے خلاف فضا کی ہمواری کی سعی و تگ و دو کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا اور یہیں سے حاجی صاحب ترنگزئی نے بھی انگریز کیخلاف اعلان جہاد کیا اور اسی غرض کیلئے وہ ہجرت کر کے مہمندوں کے ہاں گئے۔ ان کا نام فضل واحد اور والد کا نام فضل احمد تھا۔ ولادت ۱۲۷۳ھ اور وفات ۱۳۵۶ھ بعمر ۸۳ سال۔

(۵) اسوقت بھی اس علاقہ میں کافی سمجھدار لوگ موجود ہیں جو ملکی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔ خدا کرے کہ ان کے ہاتھوں ملک و ملت کی بہترین خدمت سرانجام ہوں۔ آمین ثم آمین۔

انساب اقوام افاغنہ — جدِ اعلیٰ

قیس عبدالرشید کا شجرۂ نسب

از تنبیہہ الغافلین قلمی نسخہ تصنیف خیریت خان ولد پچو خان افغان

قیس بن عیص بن سلول بن عتبہ بن نعیم بن مرہ بن جلند بن اسکندر بن آرمان بن عتین بن مہلول بن شتم بن صلاح بن قادود بن عشم بن غنم بن مہلول بن کرم بن عمال بن خدیفہ بن منہال بن قیس بن علیم بن اشمول بن ہارون بن قسرود بن ابی بن صہیب بن طلل بن لوئی بن عامیل بن تارچ بن آرزند بن مندول بن سلم بن آبا بن ارمیا بن سارول بن قیس بن عتبہ بن عیص بن روئیل (جس کا دوسرا نام زراح ہے) بن یہود ابن یعقوب اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم بن تارخ کہ اُو را آذر نیز مے گفتند بن ناخور بن مروغ بن اشود بن عابر بن سالخ بن ارفخشند بن سام بن نوح علیہ السلام۔

ممکن ہے کچھ نام درمیان میں بھول سے رہ گئے ہوں لیکن نسبی تعارف کیلئے اتنا بھی کافی سمجھنا چاہیئے۔

روشن خان

باب (۱۱)

یوسف زئی علم و ادب

قبیلہ یوسف زئی کو ابتدا ہی سے علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے ۔ اور ان میں بہترین مشائخ ، علماء ، فضلاء ، شعراء اور ادباء پیدا ہوئے ۔ تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین میں انہیں فوقیت حاصل رہی ، بلکہ دوسرے قبائل میں بھی جب کوئی قابل ہستی نظر آئی تو سے انہوں نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس لاکر مقیم کیا یہی وجہ تھی کہ اس قبیلۂ یوسف زئی میں نہ علماءِ قدیم کی کبھی کمی محسوس ہوئی ، اور نہ علماءِ جدید کی ۔ بہترین قسم کے لوگ اس علاقہ میں دوسرے علاقوں سے آکر اپنی قابلیت کے سکے جماتے رہے ۔

یوسفزئیوں کے حرکات و سکنات پر ایک سرسری نظر

یوسف زئیوں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے ۔ کہ روزِ اول سے ہی یہ قبیلہ کشمکش حیات میں مبتلا رہا ۔ بیرونی حملہ آوروں سے یہ کسی وقت بھی آرام سے نہیں رہے اور اندازاً گذشتہ پانچ صدیوں سے یہ اپنی آزادی کے تحفظ کیلئے نبرد آزما رہے ۔ انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور اندرونِ ملک کے نظم و نسق کو

بھی قائم رکھا ۔ فیاضی اور خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ اگر کسی دوسرے قبیلے نے مدد مانگی تو تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا یہاں تک کہ اگر دشمن نے پناہ مانگی ۔ تو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر امداد پر آمادہ ہو گئے اور اپنے ہاں ان کو پناہ دی اور ان کی مہمان نوازی اس طرح کی کہ ان کی حفاظت کیلئے انہیں کئی جنگیں لڑنا پڑیں ۔ جب بھی کوئی دوسرا قبیلہ کسی طاقت ور حکومت کا نشانہ بنا اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہوا تو یوسف زئی قبیلہ نے اُسے اپنے ہاں جگہ دی ۔ مثال کے طور پر پہلے گگیانوں کو جگہ دی ۔ پھر محمدزئی اور خویشگی ، بعد میں توکانی جب اس طرف آنے پر مجبور ہوئے تو انہیں اپنی جگہ رہائش کیلئے پیش کی ۔ بعینہٖ مہمند قبیلہ کو اکبر کے زیرِ عتاب آکر نقل مکانی پر انہوں نے اپنی جگہ رہائش کیلئے دی ۔ نیز دیگر کئی چھوٹے چھوٹے قبائل کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ بسایا اور جیسا کہ باب خٹک میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلے بلاق خٹک کو پناہ دے کر خوشحال خان کے تری قبیلہ اور مغل کا نشانہ بنے اور ان کی حفاظت کی خاطر بے انتہا قربانیاں دیں ۔ اور پھر خوشحال خان کی درخواست پر اس کے بال بچوں اور ان کے ساتھ ایک دوسرے خاندان کو مغل کے پنجہ سے بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینا صرف کہدینے اور لکھنے میں تو آسان ہے مگر عملاً ایسا کرنا بہت معنی رکھتا ہے اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر یوسف زئی فخر کر سکتا ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنی شاندار روایات کا متحمل قبیلہ پھر بھی اپنی حقیقی اہمیت کیلئے ہمیشہ مورخین کی توجہ کا محتاج رہا ہے ۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ نے ہمیشہ ان پر زیادتی کی اور جو جس کے جی میں آیا مخالفت میں لکھ دیا ۔ یوسف زئیوں کے کارناموں اور

فتوحات کو اپنا ظاہر کر کے قلم بند کیا، اور تعجب ہے کہ اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور ہر پڑھنے والے کی نظر میں یوسف زئی کا وقار کم ہوتا چلا گیا حالانکہ یہ یوسف زئی ہی تھے جو اپنے سرحدی علاقہ سے بے سروسامان ہندوستان گئے اور وہاں پر اپنی حکومتیں قائم کیں۔

یوسف زئی کی تقسیم اراضی کا بہترین کارنامہ اپنی مثال آپ ہے بلکہ میں تو یوں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شیخ ملی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ھدایت و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم اراضی کا آغاز کیا تھا اور بعد میں یوسف زئی قبیلہ وقتاً فوقتاً دوسرے پریشان حال قبائل کو اپنے ساتھ یوں آباد کرتا رہا۔ جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے پر وہاں کے باشندگان نے کیا تھا۔ ایسی حالت میں یوسف زئی کو اگر انصار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یوسف زئی قبیلہ کو جنگ و جدل سے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ کسی وقت اپنی اقتصادی و تعلیمی حالت پر بہ اطمینان غور کر سکتے اور جو بلند توقعات اس سے وابستہ کی جا سکتی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں۔ تاہم ان کا سیاسی شعور بہت بلند رہا ہے جس کا اعتراف وقتاً فوقتاً باہر کے بعض مؤرخین کر چکے ہیں ان کی فیاضی، خوش اخلاقی، اعلیٰ کردار، مہمان نوازی، ہمت و جرأت، بہادری، خودداری، غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک اور مظلوم کی حمایت، یہ ایسے کارنامے ہیں جن کو ضبطِ تحریر میں لانا کوزے میں دریا سمونے کے مترادف ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یوسف زئی قبیلہ کی اپنی کوئی تاریخ باقی نہیں رہی تھی جس سے اصل واقعات پر روشنی پڑتی اور موجودہ نسل اس سے کما حقہٗ روشناس ہو سکتی بلکہ یہ حقیقت ہے

کہ نئی روشنی کے اس دور یا بہ الفاظ دیگر اس ترقی پذیر دور میں جب ان کے آباؤ اجداد کے کارنامے ان کے سامنے اصلی روپ میں پیش کئے جاتے ہیں تو وہ انہیں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی نامعلوم چیز سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ایک دلچسپ واقعہ "قصہ ایک وزیر کا" لکھتا ہے کہ:-

"اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک وزیر پر جب بادشاہ کا عتاب ہوا تو اس کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور وزیر کئی سالوں تک وہاں رہا۔ اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے بھی وہاں ماں باپ کے ساتھ پرورش پائی۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تو ایک روز باپ سے پوچھنے لگا کہ یہ گوشت جو ہم کھا رہے ہیں، کس چیز کا ہے؟ باپ نے کہا بکرے کا۔ بیٹا بولا بکرا کیسے ہوتا ہے؟ باپ نے اس کا پورا حلیہ بیان کیا۔ لڑکے نے کہا ابا جان! وہ چوہے کے مانند ہوتا ہے؛ باپ نے کہا کہ سبحان اللہ کہاں بکرا کہاں چوہا! اسی طرح گائے اور بھینس کے گوشت کے بارے میں گفتگو چلی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ وزیر کے لڑکے نے قید خانہ میں زندگی گزارنے کے سبب سوائے چوہے کے اور کوئی جانور دیکھا ہی نہ تھا اس لئے وہ ہر جانور کو چوہے کی نسل سے جانتا تھا"

مساکنِ یوسف زئی بمطابق شجرہ ہائے نسب

افغان قوم کی نئی زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب بنی اسرائیل کے جلاوطن قبیلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دین اسلام نے

ان میں نئی روح ڈالی اور انہیں متحد ہونے کا سبق سکھایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی منتشر قوم کو اکٹھا کیا اور جیسا کہ وہ زیادہ مشہور اور بڑے گروپوں کی صورت میں چار مرتبہ شام و عراق سے جلاوطن کئے گئے تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنے تعارف کے لئے ان کے چار گروپ بنائے۔ اور ان کے یہ نام مقرر کئے۔ سٹرہ بنی، بٹنی، غرغشتی اور کرلانی۔ ان گروپوں میں وہ قبائل شامل کئے گئے۔ جن میں نسبتی یا علاقائی قرابت موجود تھی۔ اس تعارف کی خاطر انہوں نے ایک قومی پیشوا قیس عبدالرشید جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، کو اپنا مورث اعلیٰ (اعزازی باپ) متفقہ طور پر مقرر کیا۔ اور یہیں سے افغان قوم کا ایک نیا شجرہ نسب مرتب ہوا۔ جن سے بعد میں بے شمار قبیلے بنے۔ کتاب ھذا میں ہمارا تعلق چونکہ خشی یا خاشی قبائل خصوصاً قبیلہ یوسف زئی سے ہے۔ اور یہ سڑابنی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ لہذا ہم نے خشی قبائل کے شجرہ ہائے نسب مرتب کر کے شامل کئے ہیں۔

لیکن پہلے سڑہ بنی افغان قبائل یہ ہیں۔ ترین، شیرانی یا شیروانی، میانہ، بریس یا بڑیچ، اُرمڑ یا اُورمڑ اور کند، زمند، کاسی اور کند کے اولاد میں صرف غوریا خیل اور خشی قبائل شامل ہیں اور خشی قبائل میں یوسف زئی، گگیانی، ترکلانی اور محمدزئی شامل ہیں۔

خشی قبائل کے شجرہ ہائے نسب کو شامل کرنے کے بعد ہم ان کی موجودہ رہائش گاہ پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ان کی ذیلی شاخیں اس وقت کہاں کہاں پر مقیم ہیں۔ معلوم رہے کہ زئی اور خیل کے معنی اولاد کے ہیں جو ذیلی خاندان کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ملی زئی

اور ابا خیل، ملی اور ابا مورث اعلیٰ کے نام ہیں اور ان سے جو خاندان بنے وہ ملی زئی اور ابا خیل پکارے جانے لگے۔ یعنی ملی اور ابا کی اولاد۔ یہ تشریح اس لئے ضروری سمجھی گئی تاکہ ہر پڑھنے والا باآسانی سمجھ سکے۔ خشی قبائل کے تین شاخوں یعنی گگیانی، ترکانڑی اور محمدزئی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب چوتھی شاخ قبیلہ یوسف زئی کا تعارف پیش خدمت ہے۔

قبیلہ یوسف زئی :۔ واضح رہے کہ مندے بن خشی یا خاشی (خخے) کے دو بیٹے مسمیان یوسف اور عمر تھے۔ یوسف بڑا اور عمر چھوٹا تھا۔ عمر نے وفات پائی تو اس کا ایک ہی شیر خوار بچہ منڈر رہ گیا۔ جس کی تربیت و پرورش اس کے چچا یوسف نے بہت اعلیٰ طریقے پر کی۔ اور بالغ ہونے پر اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی۔ یوسف اپنے بھتیجے اور داماد منڈر کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتا تھا۔ بلکہ یوسف نے منڈر کے باپ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور رسم ملک کیمطابق منڈر اپنے چچا کا والد کی طرح احترام کرتا رہا۔ ان وجوہات کی بنا پر منڈر کی اولاد بھی اس کے چچا یوسف ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور افغان قوم کا یہ ایک دستور بھی رہا ہے کہ بڑے بھائی کے نام سے چھوٹے بھائی کی اولاد موسوم ہو جاتی تھی جس کی کئی مثالیں خود قبیلۂ یوسف زئی میں موجود ہیں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یوسف کو اپنے بھائی عمر کے اکلوتے لڑکے منڈر سے بے حد پیار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء سے آج تک یوسف اور منڈر میں کسی قسم کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو سکا اور ہر کوئی انہیں یک جان تصور کرتا ہے جو کہ حقیقت پر مبنی ہے یوسف کے پانچ بیٹے مسمیان اکوڑ، موسیٰ، عیسے، ملی اور اوکیا

تھے، اور یوسف کی بیٹی سے منڈڑ کے چار بیٹے مسمیان منو، رزڑ، خضر اور محمود عرف ماموتھے۔ اور ان سب کی اولاد یوسف زئی کہلاتے البتہ آپس میں شناخت کیلئے صرف یوسف اور منڈڑ کے جدا جدا ناموں سے بھی گاہے گاہے یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان کا مشترک اور مجموعی نام یوسف زئی ہے اب میں مذکورہ بالا مورثیان یوسف زئی جو اکو سے محمود یا ماموتک ہیں، کا مختصر تعارف اور ان کی اولاد کے مساکن پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ ان کے بنیادی شجرہ ہائے نسب مکمل طور پر ذیلی شاخوں تک کتاب ہذا میں درج کرتا ہوں۔

(۱) اکو بن یوسف

اس کی اولاد اکوزئی سے مشہور ہے۔ جو تعداد میں دوسری برادری میں زیادہ ہیں۔ ملک اکو کی دو بیویاں مسماۃ گوہرہ اور مسماۃ رانڑئی تھیں۔ مسماۃ رانڑئی کی اولاد رانی زئی سے مشہور ہوئی جس کا ذکر بعد میں اپنی جگہ پر آئے گا۔ مسماۃ گوہرہ سے ملک اکو کے چار بیٹے تھے بازید، خواجہ، ابا اور خادک۔

بائی زئی:۔ بازید کی اولاد بائی زئی سے مشہور ہیں جن کے تین بیٹوں سہیل، سلیمان اور بابو (بابوزئی) کے نام سے الگ الگ خیل بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ سہیل بن بازید کی اولاد سوہیلزئی سے مشہور ہیں۔ اور سہیل کے دو بیٹے ابا اور عزیز تھے۔ بڑے بیٹے ابا کی اولاد ابا خیل اور چھوٹے بیٹے عزیز کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں۔

ابا خیل:۔ ابا کے پانچ بیٹے تھے۔ شاہ بیگ، شنخالی، شرغا خاسی اور اسماعیل۔ شاہ بیگ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شرف اور دوسرے کا خانا تھا۔ شرف کے تین بیٹے تھے۔ اول ملک متہ دوئم

ملک جانا جن کی اولاد ننگر خیل سے مشہور ہیں۔ اور سوئم ملک پاچا جس کی اولاد پاچا خیل سے مشہور ہیں۔ خانا بن شاہ بیگ کے چار بیٹے تھے۔ اول بازید جس کی اولاد بازی خیل سے مشہور ہیں کے دو بیٹے ملک حمزہ اور اسماعیل ہیں۔ ملک حمزہ کے چار بیٹے جلال، منور، جمال اور قتلال ہیں۔ اور جلال بن ملک حمزہ کے دو بیٹے عزیز خان اور رستم خان تھے۔ اور جمال بن ملک حمزہ کا ایک بیٹا سردار خان تھا۔ اسمٰعیل بن بازید کے تین بیٹے بابا خیل، شامت خیل اور کٹوہ خیل ہیں۔ دوئم علی جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم کنڈا جس کی اولاد کنڈا خیل سے مشہور ہیں۔ چہارم سمیل جس کی اولاد سمیل خیل ہیں جو ناگوال سے مشہور ہیں۔ سمیل خیل پہلے تقسیم کے مطابق موضع ناگوا میں مالکانہ اور رہائش پذیر تھے۔ بعد میں یہ لوگ موضع ناگوا سے اپنے بھائیوں کے ہاں موضع تھانہ منتقل ہوئے اور ننگر خیل و پاچا خیل اولاد شرف کو موضع ناگوا کو موضع تھانہ کی جائیداد کے بدلے میں دیدیا۔ اس وجہ سے سمیل خیل کو ناگوال یعنی ناگوا والے سے شہرت ہوئی۔ شرف کی اولاد یعنی ننگر خیل و پاچا خیل موضع پٹڑئی سوات میں آباد ہیں۔ اور موضع ناگوا بھی ان کی ملکیت ہے اور ملک متہ کی اولاد موضع متہ تنیہ بائی زئی ضلع مردان میں آباد ہے۔ موضع متہ، ملک متہ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ واضح ہو کہ موضع متہ کی کل تین حصے میں سے دو حصے جائیداد شرف اور خانا کی اولاد کی ملکیت تھی، لیکن خانا کی اولاد نے اپنا حصہ اولاد جلال قوم اُتمان خیل کو بطور صلہ خدمات انعام میں دیا تھا۔ لہٰذا موضع متہ کے تیسر سے حصہ رقبہ پر خود اولاد متہ بن شرف بن شاہ بیگ ابا خیل یوسف زئی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور خانا خیل کے تیسرے حصے پر اولاد جلال اتمان خیل قابض ہیں۔ اور

تیسرے حصہ پر عزی خیل سکونت پذیر ہیں۔

خانا کی اولاد خان خیل سے مشہور ہیں۔ اور اُن کا مسکن موضع تھانہ سوات ہے۔ صرف قتلان خان کی اولاد چکیسر میں عزی خیل کے ساتھ آباد ہے۔ معلوم رہے کہ اباخیل کی جائیداد میں شاہ بیگ کی اولاد کا پانچواں حصہ تھا۔ اس لئے کہ اباخیل پانچ بھائی تھے۔ مگر بڑے بھائی ہونے اور خانی کے سبب دوسرے بھائیوں نے خوشی سے شاہ بیگ کو ایک حصہ زیادہ یعنی دو حصے دیے تھے جو اس وقت تک ان کی ملکیت ہے۔ اس کی ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں باہر سے تمام قبیلہ یوسف زئی کے ملک بدر لوگ تھانہ آکر پناہ لیتے تھے اور اُن کو بسانا اسی بڑے گھرانے کا کام تھا۔ شاہ بیگ کی اولاد میں ملک متہ اور ملک حمزہ بڑے نامور گزرے ہیں۔ ملک متہ مصری خان کا وزیر بھی رہا تھا۔ معلوم رہے کہ تھانہ کے ملحق باڈہ جات بھی خاناخیل تھانہ کی مقبوضہ ملکیت ہے جیسے گٹ کو ٹھے / جلالہ، ایبٹ گرام، کھنڈرے، بختہ، گنیا، نل، بازدرہ، شیر خانئی، زور منڈئی، پلئی، موڑہ نامی پہاڑ کے مغربی اور جنوبی اطراف۔

ان مالکان کے ساتھ مواضعات زور منڈئی و پلئی میں لودی، غازی خیل، شامانی، تورانی (تورانڑی) سکونت پذیر ہیں۔ یہ چاروں افغان قبائل شیخ ملی کے ذریعے ملک احمد کی دعوت پر افغانستان سے آکر یوسف زئی کی حمایت اور دلزاک کے خلاف جنگ کا ٹنٹا میں شامل ہوئے تھے۔

ابا کے دوسرے بیٹے تنخالی جس کی اولاد تنخالی خیل سے مشہور ہے موضع شینگر دار سالم گاؤں اور کچھ گھرانے گردتئی میں آباد ہیں۔ ابا کے تیسرے بیٹے ترغا کی اولاد جو ترغاخیل سے مشہور ہیں اور ان کی

ذیلی شاخیں میر خیل، زمان خیل، اکاخیل، خاناخیل اور شیخ علی جس کی اولاد ملاخیل سے موسوم ہے۔ یہ سب موضع بریکوٹ سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ باڈہ جات نجی گرام، ناٹ میرا بھی ان کی ملکیت ہے البتہ خاناخیل اور زمان خیل کے چند گھرانے موضع گردتئی میں بھی آباد ہیں۔ ان میں شیخ علی اباخیل نامور شخص گزرا ہے۔

ابا کے چوتھے بیٹے خاصی (جس کی اولاد خاصی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے سلطان خیل، حقداد خیل، ترخان خیل اور میر احمد خیل ہیں۔ یہ سب موضع غالیگی سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ مواضعات ناوا گئی، املوکو درہ کے بھی مالکان ہیں۔

ابا کے پانچویں بیٹے اسماعیل (جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے نتو خیل، بسے خیل، علی خان خیل اور شیر خان خیل ہیں، جو سب موضع مانیار علاقہ سوات میں آباد ہیں

عزی خیل:- عزیز کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے اول بارک جس کی اولاد بارہ خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم لقمان جس کی اولاد لقمان خیل سے مشہور ہیں۔ اور سوئم احمد ہیں۔ بارک یعنی بارہ خیل کے چار بیٹے اول ادرالی جس کی اولاد ادرالی خیل سے مشہور ہے۔ دوئم مہر علی جس کی اولاد مہرلی خیل سے مشہور ہے مہرلی خیل چار شاخوں بابی خیل، بیگم خیل، اصغر خیل اور پائی خیل پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں بابی خیل کی اولاد بھائی خیل، علی بخش خیل اور گاتی خیل ہیں۔ اور پائی خیل کی اولاد غورہ خیل اور اضاخیل ہیں۔ سوئم شاہو (جس کی اولاد شاہو خیل سے مشہور ہے) کی اولاد مرادی خیل، کاسی خیل، منڈر خیل اور ایسف خیل ہیں۔ چہارم نیاز (جس کی اولاد اذ خیل سے مشہور ہے) کی اولاد کاکا خیل، اودل خیل اور بابا خیل

ہیں۔ بارک کے بھائی لقمان کے تین بیٹے اول رستم (جس کی اولاد رستم خیل سے مشہور ہے)۔

رستم خیل یہ ہیں :۔ کاشی خیل ، ملک دین خیل ، بابی خیل ، ظریف خیل ، اکبر جس کی اولاد خدو خیل اور دوری خیل ہیں اور بھائی خان ۔

دوئم اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے ۔ سیوئم جلال جس کی اولاد جلال خیل سے مشہور ہے ۔

اسماعیل خیل دوسرے ذیلی نام سے یاد نہیں ہوتے ۔ جلال خیل کی اولاد دو ذیلی شاخوں دلخہ خیل اور پیرو خیل سے مشہور ہیں ۔ دلخہ خیل کی دو شاخیں خادی خیل اور اُمتی خیل ہیں ۔ اور پیرو خیل کی دو شاخیں بھنگوڑک خیل اور یحییٰ خیل ہیں ۔

بارک اور لقمان دونوں بھائیوں کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں اور یہ سب لوگ مواضعات خوازۂ خیلہ ، بانڈئی ، گاشکوڑ ، شابٹ کٹ کوڑ ، اوپل ، چالیار ، ملکدارئی ، تاروگے ، لنگر ، شاپیین ، فقیرا چنکولئی ، چتلئی ، بابو ، مشکو ملئی ، جانو ، لنگر ، مارتونگ ، چکیسر اور تپہ سینکڑئی کے مواضعات بشام ، بوٹیال ، شنگ ، لالکو ، دندئی علاقہ مشرقی سوات میں آباد ہیں ۔

بارک اور لقمان کے تیسرے بھائی احمد کے دو بیٹے تھے ۔ اول جنکی دوئم قلندر ۔

جنکی خیل ، جنکی (جن کی اولاد جنکی خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے عیسےٰ خیل ، منڈر خیل ، بشری خیل ، اور عبدالرحمن خیل ہیں ۔ یہ سب لوگ مواضعات شینکر ، مان ییتئی ، نوے کلے ، فتح پور ، جیرے ، بتوڑئی مچار ، اسالا ، کوٹنی ، پیا ، بارام بٹ ، جوختئی ، سینئی ، خیرآباد ، میاں دم لیٹئی ، لاخار ، بارگین اور شنگلہ پار علاقہ قانا (کانا) دلائی (شاپور)

کارشٹ ، داموڑئی ، لٹ پانڑئی ، اجمیر ، ولندر اور پیر خیل میں آباد ہیں اس کے علاوہ علاقہ غوربند میں بھی عزی خیل اور جنکی خیل اپنے حمایتی لوگوں کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ مواضعات غوربند یہ ہیں ۔ بیلاونڑئی ، الپوری ، کسولہ ، شمانو کلے ، لیونو بابا ، کوز کوٹکے ، برکوٹکے بازار کوٹ ۔ لونی یا لوانی کوروند ،

اور جنکی خیل کی ذیلی شاخ بشری خیل موضع مدین اومدین کے شمال مشرقی پہاڑوں میں آباد ہے ۔ اور مدین میں ان کے ساتھ اخون درویزہ کی اولاد بطور سیری خواران رہائش پذیر ہیں ۔ اور مدین کے بالمقابل دریا پار مغرب کو شاہ گرام میں سیدان اور تیرات میں مختلف قسم کے لوگ ان کے ہمسایہ بطور سیری خواران آباد ہیں ۔

جنکی کے بھائی قلندر کے دو بیٹے تھے اول غالی جس کی اولاد غالی خیل سے مشہور ہے ۔ دوئم جان بابا جس کے تین بیٹے تھے ۔ اول امیر خان دوئم سلیم خان سوئم خواجہ جس کی اولاد خواجہ خیل سے مشہور ہے ۔ خواجہ خیل جنکی خیل کے ساتھ سوات میں مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ اور جنکی خیل ہی سے یاد کیے جاتے ہیں ۔ غالی کا ایک بیٹا معروف تھا ۔ معروف کے دو بیٹے اول باڈو جس کی اولاد باڈو خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم پیر داد جس کی اولاد پیر داد خیل سے مشہور ہے ۔ امیر خان خیل ، سلیم خان خیل ، باڈو خیل اور پیر داد خیل ، میر خیل موضع شموزئی تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں ۔ اور اُن کے عزیز بھائی خان بن رستم بن لقمان عزی خیل کی اولاد میں سے کچھ موضع متہ میں اور بعض موضع کانلنگ میں سکونت پذیر ہیں اور ان کے ہاں غرغشتی اور بٹیس

کے چند گھرانے بھی ہیں۔

سلیمان (سوپل) جو سہیل کا بھائی اور بازید کا بیٹا ہے۔ اس کا ایک بیٹا ایسکو تھا۔ جس کے تین بیٹے تھے۔ اوّل متوڑے جس کی اولاد متوڑی زئی سے مشہور ہے۔ دوئم پائی اور سوئم موسٰی ہیں۔

متوڑی زئی: متوڑی کے دو بیٹے الائیخیل اور بہلول خیل ہیں:-

۱۔ الائی بن متوڑے (جس کی اولاد الائیخیل سے مشہور ہیں) کی اولاد مکاخیل، درے خیل اور ولی خیل ہیں۔ مکا بن الائی کی اولاد (جو مکاخیل سے یاد ہوتی ہے) راحت خیل، باباخیل اور سن خیل ہیں۔ اور درے خان بن الائی کی اولاد (جو درے خیل سے مشہور ہے) مشوڑی خیل، حیدر خیل، ابراہیم خیل اور دولت خیل ہیں اور وُلی بن الائی کی اولاد الیاس خیل، سکندر خیل اور رضا خیل ہیں۔

(۲) بہلول بن متوڑے (جس کی اولاد بہلول خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے کیمل اور خادی ہیں جن کی اولاد علی الترتیب کیمل خیل اور خادی خیل سے مشہور ہیں۔ کیمل بن بہلول کی اولاد پیری خیل وغیرہ ہیں اور خادی بن بہلول کی اولاد متی خیل، کلی خیل اور عمر خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ متی بن خادی کی اولاد صبا گاخیل، سلطان خیل اور نظر خیل ہیں۔ اور کلی بن خادی کی اولاد شریف خیل اور غلام خیل ہیں۔ بمقام چارباغ بابا علی المعروف پردیسی بابا کی قبر ہے جس نے نہایت بہادری اور دلیری سے مغل بادشاہ اکبر سے ۱۰۰۱ھ میں کونڑ اور باجوڑ میں جنگیں لڑی تھیں۔ (اقبال نامہ اکبری جلد پنجم ص۵۵۵)

متوڑی زئی مواضعات گلی باغ، چارباغ، ڈکوڑک، عالم گنج، مالالی، اللہ آباد، سیر اور تلی گرام میں آباد ہیں۔ پائی لاولد ہے۔

موسٰی خیل:- موسٰی کی اولاد موسٰی خیل سے مشہور ہیں۔

موسٰی کی دو بیویاں تھیں۔ ایک دردانئی دوسری خاتون۔ دردانئی کی اولاد دردانئی خیل اور خاتون کی اولاد خاتون خیل سے مشہور ہیں۔ دُردانئی کے چار بیٹے میر فتح خان (جس کی اولاد فتح خان خیل سے مشہور ہے) بستے خیل، خنڈی خیل اور آبیبے (جس کی اولاد بی بی خیل سے مشہور ہے) یہ لوگ موضع ابوہہ علاقہ سوات میں رہائش پذیر ہیں اور بانڈہ جات نری بنڑ، شاہ بنڑ، جربانڈئی، بلوکلے، الوک گرھئی، مشال، ڈڈہ، دربندئی، بانکر، جہانگیر اور کانڈا میں بھی یہ لوگ قابض ہیں۔ خاتون کے تین بیٹے ہیں۔ اوّل بارہ خان (جس کی اولاد بارہ خان خیل سے مشہور ہیں) بارہ خان کے بیٹے ظریف خان محمد خان اور سلیمان ہیں۔ ظریف خان کی اولاد ظریف خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ دوئم دولت (جس کی اولاد دولت خیل سے مشہور ہے)۔ دولت کے دو بیٹے ہیں۔ مانا اور بانا۔ مانا کی اولاد ماناخیل سے اور بانا کی اولاد دولت خیل کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں ملک الو بن مانا بہت مشہور گزرا ہے۔ سوئم ولی (جس کی اولاد ولی خیل سے مشہور ہے) یہ لوگ موضع کوٹھہ، نوبکلے علاقہ سوات میں آباد ہیں اور بانڈہ جات سورہ نامی پہاڑ کے شمال مشرقی جانب اور مواضعات چوا، سدو خان، کس، سنڈوکا، دلوکس، تلنگ، لنڈاکے اور چورخئی کے بھی مالک و قابض ہیں۔ موسٰی، خود بھی اور اُس کی اولاد میں میر فتح خان، بارا خان اور ظریف خان نامور اشخاص گزرے ہیں۔

بابوزئی:- بابو بن بازید کی اولاد کو بابوزئی کہتے ہیں۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اوّل سے تین بیٹے ابا خیل، برت خیل اور بامی خیل ہیں۔ ابا کے تین بیٹے تھے۔ اول مخدود جس کی اولاد مُت خیل

سے مشہور ہیں ۔ جو کہ وہ یہ ہیں باباخیل ، جگالیان اور پٹانیات دوئم محمد سے بابا (جس کی اولاد پیر خیل سے مشہور ہیں) سوئم بازید (جس کی اولاد بازید خیل سے مشہور ہے) بازید خیل کے ذیلی شاخیں میراخیل، دولت خیل اور عثمان خیل سے یاد ہوتے ہیں ۔ اور یہ لوگ مواضعات بلوگرام ، کمبر، کا ٹھیلئی اور تختہ بند میں آباد ہیں ۔

بوت کے تین بیٹے دادی خیل ، قاضی محمد اور زنکا خیل ہیں دادی خیل کی ذیلی شاخیں خوبداد خیل ، گلی خیل اور ابراہیم خیل ہیں اور زنکی کی اولاد زوجہ اول سے ناصر خیل ، زرہ خیل اور پیر صالح اور زوجہ دوئم سے میر خان خیل ، خواجہ خیل اور ملا آدم جس کے دو بیٹے سید جان اور اودال ہیں ۔ جن میں دادی خیل اور زنکا خیل مواضعات اوڑی گرام ، گوگدرہ ، تیندو ڈاگ اور پچی گرام میں آباد ہیں ۔ اور اولادِ قاضی محمد ضلع مردان کے مواضعات بابوزئی کاٹلنگ ، ڈھیری لکپانی اور چرچوڑ میں اباخیل کے ساتھ مشترک طور پر آباد ہیں ۔

بامی کی دو بیویاں تھیں ۔ زوجہ اول سے ایک بیٹا علی خان جس کی اولاد علی خان خیل سے مشہور ہے ۔

علی خان کی اولاد یہ ہے ۔ زوجہ اول سے جانم خیل اور لنگر خیل ، زوجہ دوم سے برہان خیل ، زوجہ سوم سے موسیٰ خیل اور میر خیل ، زوجہ چہارم سے عثمان خیل ۔

زوجہ دوم سے دو بیٹے عیسیٰ اور فتح خان ہیں جن کی اولاد عیسیٰ خیل اور فتح خان خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ لوگ مینگورہ ، نویکلے ، منگلور اور کوکارئی علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔

بابو کی زوجہ دوم سے دو بیٹے اکا اور معروف تھے جن کی اولاد

اکاخیل اور معروف خیل سے مشہور ہیں ۔

اکا کی اولاد یہ ہے ، جلو خیل ، حقداد خیل ، کٹہ خیل ، اندیل ، محمد خیل اور دیندار خیل اور معروف کی اولاد یہ ہیں ۔ میر خان خیل ، بوستان خیل اور مزید خیل ۔

اور یہ لوگ مینگورہ جام بیل ، دنگرام ، منگلور پار ، سنگوٹہ اور اینگرو ڈھیری میں آباد ہیں ۔ بابوزئی کے ملکیتی بانڈہ جات یہ ہیں ۔ سیدو ، مرسردارے سلوگرام ، کوکڑی ، بٹودہ ، سپل بانڈئی ، شیراترپ اور سلام پور وغیرہ ۔ ان کے مشترک سب قبیلے علاقہ پورن میں مواضعات کوملکے ، الوچ ، پن گلئی ، سندوئی ، چاگم اور سنیلا میں بھی آباد ہیں ۔ اور بابوزئی کے ساتھ ورونگ ، دیگان ، کوتوال ، سواتیان گڈیان جو اُن کے حمایتی افغان قبائل ہیں ، بھی رہتے ہیں ۔ ان کے علاوہ اخوند درویزہ کی اولاد (اخون خیل) کے کچھ گھرانے بھی بابوزئی کے پاس رہتے ہیں ۔

شیخ ملی کی قبر بلوگرام اور قمبر کے درمیان واقع ہے ۔ اور ملکہ سوات جو ملک احمد کی بہن تھی موضع منگلور میں دفن ہے اور اور یہ دونوں مقام تپہ بابوزئی میں واقع ہیں ۔

اخون صاحب سوات بھی انہیں کے ہاں موضع صیدو میں قیام پذیر ہوئے تھے اور صیدو میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے ۔ نیز موضع کلالئی کوپورن میں انہوں نے اخوند سالاک کو بطور سیری دے دیا تھا ۔ اب بھی اخوند سالاک اور اس کے بھائی پیر سباق کی اولاد یہاں آباد ہے ۔ مذکورہ مساکن اور مقبوضات کے علاوہ قبیلہ بابوزئی کے اباخیل اور برت خیل کے کئی خاندان مواضعات کاٹلنگ ، بابوزئی چرچوڑ ، ڈھیری لکپانی وغیرہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں ۔

واضح رہے کہ موضع غازی بابا سالم پیر اولاد ملک غازی بابا ولد شیخ ہنس افغان قبیلہ شموزئی بن خواجہ زئی بن اکوزئی یوسف زئی، مالکانہ حیثیت میں ابتدا ہی سے آباد ہے اور یہ گاؤں ملک غازی کے نام ہی سے غازی بابا مشہور ہے۔

واضح ہو کہ اگرچہ موضع شموزئی میں قبیلہ شموزئی کے کوئی باقی نہیں لیکن وہاں ان کی پہلی رہائش پر وہی نام چلا آرہا ہے اب یہاں عزی خیل آباد ہیں۔ قبیلہ شموزئی کا یہاں اس تپہ میں صرف ملک غازی خان شموزئی کی اولاد موجود ہے۔ باقی قبیلہ شموزئی دریائے سوات کے شمالی حصّہ میں اس وقت مالکان اور سکونت پذیر ہیں۔

داؤد خان بانی حکومت روہیلکھنڈ اس قبیلہ بابوزئی سے متعلق تھا۔ پیر مدے بابا اور ملا آدم بن زانکی ان میں نامور اشخاص گزرے ہیں۔ ملا آدم کی اولاد ملا خیل کے نام سے مشہور ہے اور اس کی قبر موضع کوٹھہ سوات میں موسٰی خیل کے ایک محلہ میں واقع ہے پیر مدے کی قبر جلالہ کے جنوب مغرب ندی کے پار ایک قبرستان میں واقع اور مشہور ہیں اور زائرین بکثرت ان کی زیارت کیلئے جاتے ہیں۔ پیر صالح بن زانکی جس کی اولاد موضع اوڈی گرام میں پیران سے مشہور ہیں، بھی مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے گزرے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آدم و دُرخانئی کے تعلقات استوار ہوتے وقت پیر صالح موجود تھے۔ پیر صالح کی قبر موضع طورو کے مغربی جانب خاؤ بابا کی قبرستان میں موجود ہے۔ اور اسی طرح آدم و درخانئی کی قبریں بھی پیر صالح کے قریب نوشہرہ کے مشرقی علاقہ میں واقع ہیں۔ ان کے زمانہ میں قبیلہ یوسف کے لوگ نیچے میدانی علاقہ

یعنی سمہ میں دریائے سندھ اور نوشہرہ تک اور منڈڑ سوات، دیر وغیرہ میں آباد تھے۔

د پیر صالح بابوزئ پیر وُه
د عشاقو دستگیر دُه

تپہ بائی زئی:۔ واضح ہو کہ قبائل سویزئی یعنی ابا خیل وعزی خیل اور متوڑی زئی و موسٰی خیل اور بابوزئی کے سب کا مشترک نام بائی زئی ہے۔ ان کے کچھ لوگ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مواضعات ڈھیرئی، لکپانئ، بابوزئی، شموزئی متہ اور کاٹلنگ میں بحیثیت مالکان تپہ ہذا آباد ہیں۔ معلوم رہے کہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں ایک وسیع علاقہ ہے۔ اور یہ سارا تپہ قبیلہ بائی زئی کی ملکیت تھی جس میں مشہور گاؤں پیر سدو، جلالہ، پاتنی، لنکر، لوند خوڑ، میسا، ڈاگئی شیر گڑھ، قطب گڑھ، ہاتھیان، پرخے، تازہ گرام، دوندیا، کالو متہ غازی بابا، موتھے، کوتکے، جنگی ڈھیر، ڈھیرئی، لیکپا نڑئی، جمال گڑھی ساول ڈھیر، آلو، تیا سہی، کوٹ جھونگڑے، پچہ چوڑ، کھوئے، برمول میاں خان، سنگاؤ، پیپل، خرکی اور کاٹلنگ وغیرہ ہیں۔ اور مواضعات میاں خان، سنگاؤ، پیپل، کھوتے اور برمول میں اتمان خیل کے کئی خاندانوں کو ابتدا ہی سے اس تپہ میں قبیلہ بائی زئی نے آباد کیا تھا جن کی شاخیں عمر خان خیل، پائندہ خیل، ہیبت خیل، بہرام خیل، بری خیل، داؤد خیل، طور زئی اور ایذب زئی سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جو اس وقت تک یہاں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ قبیلہ بائی زئی نے بعض دیگر مواضعات میں جلا وطن بلاق خٹکوں کو آباد کیا جو اس وقت تک وہ یہاں آباد ہیں۔ لیکن اب اکثر یہ لوگ اپنے اپنے خیل نہیں جانتے، سب کچھ بھول چکے ہیں بلکہ تری اور بلاق تک

بھی نہیں جانتے ، صرف اتنا کہ وہ اپنے آپ کو خٹک ہی سمجھتے ہیں۔
واضح ہو کہ دوئم جتھہ تری خٹکوں کا جن کو یوسف زئی نے موضع اکوڑہ
سے خوشحال خان کی درخواست پر لا کر تنگری بابا میں مغلوں سے
محفوظ کیا تھا۔ بعد میں وہ لوگ خوشحال خان کے ہندوستان میں
اورنگزیب کی نظر بندی سے رہائی اور اپنے وطن واپس ہونے پر
اپنی خوشی کے ساتھ یہاں سے واپس چلے گئے تھے ۔ یہ علاقہ تپہ بائی زئی
کے نام سے ابھی تک موسوم ہے ۔

واضح رہے کہ مواضعات سروبی والویس ورک زئی ، تشلمانی
اور یاخیل ، رنڑی (رنڑا خیل) اور لودی وجبار خیل و پیران آباد ہیں ۔
اور یہ سب افغان ہیں جو ملک احمد کی دعوت پر افغانستان سے آ کر
یوسف زئی کی حمایت اور دلزاک کے خلاف جنگ کاٹلنگ میں شامل
ہوئے تھے ۔

اور میاں گان جو میاں شریف قوم گوجر کستان خیل جو ایک
نامور بزرگ تھا ، کی اولاد ہیں ۔ یہ خاندان موضع الو و بلندی میں آباد
ہیں ۔

پیران :۔ یہ سیدالی بن شمس التبریز قندہاری کی اولاد ہیں۔
موضع الو کے علاوہ ان کا بڑا حصہ اشنغر میں آباد ہے ۔ یہ خاندان
لوئے پیران اور کچ پیران سے یاد کیے جاتے ہیں ۔ سیدالی بابا صاحب
تاج خان کا بڑا بھائی تھا جو علاقہ دیر امیال میں آباد ہوئے تھے
اور وہاں ان کو تقسیم میں حصہ بطور سیری ملی تھی ۔
موضع تازہ گرام میں تساہو خیل ، عیسٰی خیل زانکا خیل آباد ہیں۔
جو علی الترتیب عزی خیل ، جنتکی خیل ، بابوزئی ، یوسف زئی ہیں۔

ایک گذارش

مردان کے تپہ بائی زئی میں قبیلہ بائی زئی کے رہنے والوں سے
استدعا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں یوسف زئی اکابرین کی قبریں جو بہت
خستہ حالت میں موجود ہیں ۔ ان پر توجہ کریں ۔ وہ دعا ، کے محتاج ہیں۔
جن کا تعارف یہ ہیں :۔

(۱) ملک سرابدال بن یحیٰی ادین زئی موضع سنگاؤ میں مدفون ہے۔
(۲) ملک سرابدال بن موسٰی نیکبی خیل موضع شیر خانئی میں مدفون ہے ۔
(۳) ملک بارہ خان بن موسٰی بائی زئی موسٰی خیل کی قبر موضع کلپانی
اسٹیشن سے کلپانی ندی کے پار مشرق میں راستے کے کنارے
ایک قبرستان میں واقع ہے ۔ اور بارہ خان سے مخفف ہو کر
اب اُن کی زیارت بارہ خو بابا کے نام سے مشہور ہے ۔

ان تینوں صاحبان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور اس کتاب میں بھی
جو ہر ایک شخص اپنے اپنے وقت میں سربراہانِ یوسف زئی تھے ۔ خداوند
کریم ان کی مغفرت فرمائے ۔ آمین ۔
بقولِ سعدی کہ :۔

سالہا بر تو بگزرد کہ گزار : نکنی سوئے تُربتِ پدرت
تا بجائی پدر چہ کردی خیر : تا ھماں چشم داری از پسرت

خواجہ زئی :۔ خواجہ بن اکو (جس کی اولاد خواجہ زئی سے
مشہور ہے) کے چھ بیٹے تھے جو یہ ہیں :۔ ملی زئی ، سہ بجنی ، شامی زئی
نیکبی خیل ، شموزئی اور علاؤ الدین جس کی اولاد ادل زئی یا ادین زئی
سے مشہور ہیں ۔

ملی زئی :۔ ملی بن خواجہ کے چار بیٹے ملک پائندہ ، نصرت دین

سلطان اور اوسا ہیں ۔ جن کی اولاد بالترتیب پائندہ خیل ، نصرت دین خیل ، سلطان خیل اور اوسا خیل سے مشہور ہیں ۔ ملک پائندہ کے چار بیٹے مبارک ، موسٰی ، بازید اور عزیز ہیں ۔ مبارک کی اولاد مبارک خیل اور موسٰی کی اولاد بامت خیل اور بازید کی اولاد بازید خیل اور عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں ۔ اور پانچویں وصلی بیٹا کریم داد بن ملک کدو ہے ۔ جس کی اولاد کدے خیل سے یاد ہوتے ہیں ۔

مُبارک بن پائندہ کے چھ بیٹے تھے ۔ کرمو خیل ، جمال خیل ، جلال خیل ، ایاز خیل ، اسد خیل (جو شین سری سے مشہور ہیں) اور سعید خیل

موسٰی بن پائندہ کا ایک بیٹا بامت تھا اور بامت کے چار بیٹے یہ ہیں ۔ ابراہیم خیل ، خواجہ دس خیل ، میروس خیل اور شادس خیل ۔ ابراہیم بامت خیل کا ایک بیٹا تور تھا اور تور کا بیٹا اخون الیاس بانئی ریاستِ دیر جو شیخ آدم بنوری کا معتمدِ خاص تھا ۔ لاج بوق میں دفن ہے ۔

بازید بن پائندہ کی اولاد جو بازید خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ ہیں :۔ کمی خیل ، ولی داد خیل اور ایسف خیل ۔

پائندہ خیل اشگرام سے لیکر جو غہ بند تک آباد ہیں ۔ جن کے مشہور گاؤں جات گرام ، خاگرام ، سنل ، کوہان ، شالگاہ ، واڑی ، بانڈی ، دیر ، تورمنگ ، شیرین گل ، کارو اور نیاگ درہ ہیں ۔ اور مرکزی مقام دیر ہے ۔ پائندہ خیل کے ساتھ اُن کا وصلی بھائی کریم داد بن ملک کدو افغان ماموزئی منڈر کی اولاد بھی جغابند درہ ، سیاہ درہ ، گلگوٹ ، جبی ، باغ اور منزئی میں آباد ہیں جو کدے خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ ملک کدو ابتدا میں اپنے قبیلہ ماموزئی کے ساتھ دوآبہ میں رہتا تھا ۔ وہ گاؤں کدوزئی یا کتوزئی اسی کے نام سے موسوم ہے ۔

اُسے پائندہ بابا کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی ۔ اس کی وفات کے بعد اس کا ایک ہی لڑکا کریم داد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر والدہ سمیت اپنے ماموں کے گھر چلا گیا ۔ انہوں نے اس کو جغابند درہ رہائش کے لئے دیدیا اور وہ وہاں آباد ہوگئے ۔ کریم داد کی قبر تیمر گرہ سے شمال مشرق کی جانب چند میل کے فاصلے پر ہے ملک کدو بن متر ک قبیلہ ماموزئی کا سربراہ اور ملک احمد کا دستِ راست تھا ۔ باجوڑ کی جنگوں میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیئے تھے ۔

کریم داد کے چار بیٹے ناؤلی ، ولی ، شمشونا خیل اور علی خیل ۔ ولی لاولد فوت ہوا ، اور ناؤلی کے تین بیٹے جو عمر خیل ، نبی خیل اور ایسف خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں ۔ نبی خیل کے ذیلی شاخیں اللہ نور خیل اور میر سلم خیل ہیں اور ایسف خیل کے پاچا خیل ، علیشی خیل اور ایوب خیل ہیں ۔ اور ایوب خیل کے کفور خیل اور دراز خیل ہیں ۔

نصرت دین خیل :۔ نصرت دین بن علی (جس کی اولاد کو نصرت دین خیل کہتے ہیں) کے چار بیٹے اوّل متی دوئم فتح سوئم لالی چہارم ہو جن کی اولاد علی الترتیب متی خیل (متی نی) ، فتح خان خیل ، لالی خیل اور ہو خیل (ہوتی) سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ یہ لوگ تیمر گرہ سے کچھ آگے مقام اشاڑی گٹ سے شروع ہو کر رباط تک دریا کے آر پار آباد ہیں جن میں کوٹھو ، کدٹ ، کالا ڈاک ، رانی اور دوڑان ۔ دم کرٹ ، حیا میرئی ، لڑم سر ، منجے اور سوجا و دے وغیرہ نام کے مواضعات ہیں ۔ اس میں مرکزی گاؤں رباط ہے ۔

سلطان خیل :۔ سلطان بن علی (جس کی اولاد سلطان خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے ابابکر اور دخک ہیں ، ابابکر کے دو بیٹے ہیں ۔ اوّل سیدا حمد جو برتوئی سے مشہور ہے ۔ اور ان کی اولاد معصم

خیل، شاہی خیل، برم خیل اور رحیم خیل ہیں۔ دوئم خواجہ خضر جو کوزتوئی سے مشہور ہے۔ اور اُن کی اولاد چورا خیل اور ابراہیم خیل ہیں۔ دلکک کے دو بیٹے الیاس اور اباز خیل ہیں۔ الیاس بن دلکک کی اولاد خوشحال خیل، بکال خیل، بانی خیل، شاد خیل اور حسن خیل ہیں۔ اور اباز بن دلکک کی اولاد حسن خیل، جانا خیل اور شاہی خیل ہیں۔

یہ لوگ جنوب میں نام سیر خوڑ اور بارون کنڑیہ سے شمال کیطرف جیکٹ خپہ اور شکلئی کے سرے تک اور خالونہ سے تورمنگ کے قریب تک آباد ہیں۔ ان کا مرکزی گاؤں خالونہ ہے۔ سلطان خیل میں میاں نور بن ملا ارادت بن حسین بن چورا بن خواجہ خضر بن اباکبر سلطان خیل خواجہ زئی مشہور اور بزرگ شخص گزرے ہیں اور ان کی اولاد اخون زادہ گان سے مشہور ہیں۔

اوساخیل:۔ اوسا بن علی (جس کی اولاد اوساخیل سے مشہور ہیں) کا ایک بیٹا موتی تھا۔ موتی کے دو بیٹے تھے، اوّل شیخ عثمان جس کی اولاد شیخ خیل سے مشہور ہے۔ دوئم ملک نورا جس کی اولاد نوراخیل سے مشہور ہے۔ شیخ عثمان کے پانچ بیٹے تھے، اول شیخ جلو جس کی اولاد جلوخیل سے مشہور ہیں۔ دوئم خواجہ خضر جس کی اولاد خضرخیل سے مشہور ہے۔ سوئم الوزئی، چہارم بلی خیل، پنجم شیخ محمدے ہیں۔ الو بن شیخ عثمان کے دو بیٹے سید احمد اور رچوبڑ تھے جو بہت نامور تھے۔

ملک نورا کے چار بیٹے تھے (جن کی اولاد نوراخیل سے مشہور ہیں) اوّل سردار بابا جو لاولد تھا۔ دوئم حسن، سوئم ابراہیم، چہارم عُمر جن کی اولاد علی الترتیب حسن خیل، ابراہیم خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں۔

سب اوساخیل تیمرگرہ سے شروع ہوکر کامرانی تک اور وہاں سے تلاش کاٹ گلہ تک مغرب میں سوگیاڑ کمالہ تک جن کے گاؤں کہناڈیر بلام بٹ، خیمہ دیاروان، خزانہ، سدو، شکولئی، گرڑہ اور علاقہ تلاش کے مواضعات املوک درہ، گمبت، باجوڑو، پجو سرائے، ناساپہ نگرئی، بانڈہ، گمبتے، اجو اور کمانگرہ ہیں۔ ان میں شیخ عثمان اور اس کا بیٹا شیخ جلو مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ جن کا ذکر پہلے ہوچکا ہے نیز شاہ اور خواجہ خضر الوزئی بھی قابل ذکر اشخاص تھے۔ شیخ جلو کا مزار تیمرگرہ میں سڑک کے مغربی جانب واقع ہے۔ شیخ عثمان کابل میں مرزا الغ بیگ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا۔ اور وہاں ان کا مزار ہے یہ معلوم رہے کہ علاقہ میدان اور درہ جندول بھی قبیلہ ملی زئی کے حصہ داری میں تھا۔ جس میں انہوں نے اپنوں کے علاوہ اپنے حمایتی ترکانی اور دیگر افغان قبائل سرکانی، ناماان، مایار، اطرافی، مشوانی، وردگ اور رود باری وغیرہ کو بھی بساتے تھے۔ ان علاقوں کے مرکزی مقامات لعل قلعہ منڈہ اور بروا ہیں۔ منڈہ جندول کا صدر مقام ہے جہاں پر نواب دیر کا نمائندہ ایک افسر کی حیثیت سے رہتا تھا۔

سہ بجنی:۔ سہ بجنی بن خواجہ کے دو بیٹے جونا خیل (کوز خسترے) اور سبت خیل (بر خسترے) ہیں۔ جونا کے تین بیٹے نظر خیل، زنگی خیل اور مندو خیل ہیں۔ زنگی خیل کی ذیلی شاخیں برہان خیل ہیں۔ اور مندو خیل کی ذیلی شاخ رنجو خیل ہیں۔ سبت یا صحبت کے تین بیٹے بہلول خیل سینا خیل اور شما خیل ہیں۔ یہ سب لوگ مواضعات خسکرودہ، شیر پلم پیرکلے، گواڑہ، جورہ، شانگوتئی، ارکوٹ، بہاکند، گواٹر بانڈی اور رونیال سے بگارگٹ تک جن میں مواضعات رونیال، سیج بنڑ، میاں کلے، میرہ، دینئی، رونی گارہ، کوزشورہ، لاشورہ، ڈاگئی، چنگلائی

نل کوٹ، گوالیرئی، گٹ، پیوچار، پشتونڑئی، بہا اور سرباٹڑہ میں آباد ہیں۔ قبیلہ شنواری (جو کاسی یا کانسی کی ایک شاخ ہے) کے کچھ گھرانے بھی جو ابتدا میں یوسف زئی کے پاس آئے تھے۔ تقسیم میں نظر خیل کے ساتھ حصّہ ملا تھا۔ وہ نظر خیل کے ساتھ بمقام جبرہ اور شیر پلم وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور ان کی عزیزداری کے چند اور خاندان جو یوسف زئی کے ساتھ تھے، ان کو موضع مساگے میں (جو ناوا گئی کے قریب جانب جنوب مغرب اور کیمور پہاڑ کے مشرق میں واقع ہے) ابتدا ہی سے یوسف زئی نے آباد کئے تھے۔ وہ شنواری لوگ اب تک مساگے میں سکونت رکھتے ہیں۔

شامی زئی :- شامی بن خواجہ کی اولاد شامی زئی سے مشہور ہے۔ شامی کے تین بیٹے تھے، اوّل ملا خلیل جس کی اولاد ملاخیل سے مشہور ہے۔

ملاخیل کی اولاد یہ ہیں، قاسم خیل، میر خیل، میر عزیز خیل، باباخیل، سیفل خیل اور گگی خیل۔ اور قاسم ملاخیل کی اولاد دلاور خیل رسول خیل اور علی خیل ہیں۔ اور سیفل بن ملا خلیل کی اولاد سارو خیل اور میاں خان خیل ہیں۔ اور گگی خیل کی اولاد خواجہ خیل اور سلطان خیل ہیں۔ دوم حسن جس کی اولاد حسن خیل ہیں۔ اور حسن خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں، پائندہ خیل، بازید خیل اور نقرہ دین خیل۔ اور سوم محمد جس کی اولاد محمد خیل سے مشہور ہیں۔ محمد خیل کے دو بیٹے نصرت خیل اور میرو خیل ہیں۔ نصرت خیل کی اولاد ماما خیل، میروس خیل اور اکاخیل ہیں۔ اور میرو خیل کی اولاد خاری خیل، نیک نام خیل اور بنگی خیل ہیں۔ یہ قبیلہ سر بجنی کے شمال کی جانب ایک ندی کے پاٹ دور تک آباد ہیں۔ جن کے مشہور مواضعات یہ

ہیں۔ ان میں ملاخیل کے مواضعات اغل، بر تھانہ، سم بٹے، تنانگار بکوٹڑ، خوریڑئی، لٹ پانڑئی، تو تکے، قرے، شونخ درہ، چیریاں، گڑھی اور سین پوڑئی وغیرہ۔ اور حسن خیل کوزہ بامہ خیلہ، برہ بامہ خیلہ، ہوڈی گرام، سمبٹ اور بیدرد وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور محمد خیل مواضعات برہ درویش خیلہ، ناستاڑے، بازخیلہ، کلاکوٹ، لنڈے، دوشا گرام دارمئی، نوخارہ، سخرا، لنڈئی اور گڑھی وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان کا مرکزی مقام موضع منڈ ہے۔ ان میں ملا خلیل اور اس کے بہت دیر بعد ماسم خان اور جیب خان قابلِ ذکر اشخاص گزرے ہیں۔

نیکبی خیل :- نیکبی بن خواجہ کی اولاد نیکبی خیل سے مشہور ہے۔ اس کے چار بیٹے ابا خیل، شیخ سینا، موسٰی اور عائشہ خیل ہیں۔

ابا بن نیکبی (جس کی اولاد اباخیل سے مشہور ہیں) کے تینوں بیٹوں کی اولاد علی الترتیب زیناخیل، صاحب خیل اور متہ خیل سے مشہور ہیں۔ موسٰی ابن نیکبی کا ایک بیٹا سرابدال تھا اور سرابدال کا ایک بیٹا بختے تھا۔ اور عائشہ خیل کی اولاد ذُبر خیل، خدی خیل اور داود خیل ہیں۔ یہ لوگ توتانو بانڈی، چاچو ڈھیری (شاہ ڈھیری) نیم گولئی، کنبارئی، تال، درزیال، میرا، گلوچ، سرمنڑئی، ملوچ چنداخورہ (کبل)، سم دیولئی، لردیولئی، کالا کلے، نصرت، امام ڈھیری غم جبہ، علی گرام، نشنڑ، تغمہ، برہ بانڈئی، کوزہ بانڈئی، غوبجہ طوطلکے، سمئی، سیکھمئے، منجا، ڈڈہ ہار، ڈاگئی، گاڑو، اخون کلے، ڈیلے، حسین ڈھیرئی، دمغار، کانجو وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

نیکبی خیل میں شیخ سینا اور سرابدال بن موسٰی بڑے نامور اور مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ ملک سرابدال بن موسٰی، خان گجو کا

وزیراعظم تھا اور جنگ غوریا خیل میں شریک تھا۔

شموزئی :- شمو بن خواجہ کی اولاد شموزئی سے مشہور ہے اس کے چار بیٹے اسماعیل خیل ، ووڑی خیل ، علی خان خیل اور عمرزئی ہیں ۔

اسماعیل بن شمو کی اولاد بائی خیل ، تاجہ خیل ، مریم خیل ، بی بی خیل اور یعقوب خیل ہیں۔ اور یعقوب کے دو بیٹے برہ خانخیل اور تترخیل ہیں ۔

ووڑی بن شمو کی اولاد بازید خیل ، عزیز خیل ، حیدر خیل اور بنگخ کے ناموں سے مشہور ہیں۔

علی خان بن شمو (جس کی اولاد علی خان خیل سے یاد ہوتے ہیں) کے پانچ بیٹے موسیٰ ، عیسیٰ ، ہندال اور کامران تھے ۔

عمر بن شمو (جس کی اولاد عمرزئی سے مشہور ہیں) کے چھ بیٹے تھے۔ جن کی اولاد علی الترتیب اکاخیل ، سلطان خیل ، میرا احمد خیل ، بہرام خیل ، باباخیل اور اُدریا خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں ۔

یہ لوگ مواضعات چنگی ، تیرتنگ ، گڑھی ، خزانہ ، چلیز ، گم کوٹ زرہ خیلہ ، نیموگرام ، رنگیلہ ، ملک آباد وغیرہ میں آباد ہیں ۔ علی خان بن شمو اور اس کا بیٹا ہندال ، ان مشہور اور قابلِ ذکر اشخاص میں سے تھے ۔

ادین زئی :- علاؤالدین بن خواجہ کی اولاد اندیل زئی یا ادین زئی سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے یحییٰ (ونختے) اتمان زئی اور بابوخیل ہیں ۔

یحییٰ کے تین بیٹے سرابدال ، کیمل اور محمود ہیں ۔ سرابدال بن

یحییٰ کے بیٹے ملک باڈ کے نام سے باڈ خیل ، کیمل کے بیٹے احمد کے نام سے احمد خیل ، اور محمود کے بیٹے محمد کے نام سے محمد خیل یاد کیے جاتے ہیں ۔

اتمان زئی کے دو ذیلی شاخ مرجان خیل اور شرغا خیل ہیں ۔ مرجان کی ذیلی شاخیں عمر خیل ، پیرا خیل اور چینڈڑ خیل ہیں ۔ اور شرغا کی اولاد ناصر خیل ، بہرام خیل ، زور دست خیل اور بوبو خیل ہیں ۔

بابو جس کی اولاد بابوخیل سے مشہور ہے ، کے چھ بیٹے میر حسن خیل ، فاضل خیل ، ارادت خیل ، پاچا خیل ، رکمین خیل اور کیمل خیل ہیں ۔

یہ بھی واضح رہے کہ یحییٰ کے تینوں بیٹے سرابدال ، کیمل اور محمود یکے بعد دیگرے سربراہ قبیلہ تھے ۔ ادین زئی مواضعات تانہ گرام ، کیتارئی ، خان پور ، ٹیکنئی ، راموڑہ ، شوا ، اوچ ، چکدرہ وغیرہ سوات کے علاقہ میں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ مواضعات علی مس ، سہ سدہ ، ماڑونگے ، دربارہ ، تندوڈاک ، جھنگئی ، اسنبڑ بامبولئی ، گوٹی گرام کے بھی قابض و مالک ہیں ۔ یہ تپہ ریاستِ دیر میں شامل تھا۔

اباذئی :- ابا بن اکو جس کی اولاد کو اباذئی کہتے ہیں ۔ اس کے چار بیٹے فتح خیل ، الیاس زئی ، تھانے اور کامل (کمیل خیل) ہیں ۔ جوکوز باڈوان ، بربا ڈوان بٹ ٹنگولا اور تحصیل اشنغر کے موضع اباذئی میں آباد ہیں ۔

اول فتح (جس کی اولاد فتح خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے کرم خیل ، خواجہ خیل اور باباخیل ہیں ۔ ابتدا میں فتح خیل اشنغر

سے موضع امانی زئی سے مغرب کی طرف پہاڑی علاقہ گنداب میں
آباد تھے ۔ جس وقت یوسف زئی نے مہمندوں کو اکبر سے پناہ دی
تو ان لوگوں نے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق وہ علاقہ مہمندوں کو چھوڑ
کر یہ اپنی برادری کے لوگوں الیاس زئی اور کمیل خیل کے پاس آکر
آباد ہوگئے ۔

تھانے کی اولاد جو موضع ابازئی اشنغر میں آباد تھے ۔ وہیں
رہ گئے ۔

الیاس بن ابا جس کی اولاد الیاس زئی سے مشہور ہے ، اس کے
دو بیٹے شاہان اور عثمان ہیں ۔ عثمان کا بیٹا کریم داد تھا اور شاہان
کا بیٹا محمود تھا ۔ یہ دونوں نامور اشخاص تھے ۔ فتح سوات میں
انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام کیے تھے ۔

کامل بن ابا جس کی اولاد کمیل خیل سے مشہور ہیں ، کے چار
بیٹے الائی خیل ، جوگی خیل ، اُریا خیل اور انگور خیل ہیں ۔ بمباڑ دوان
کے شمال میں قریب ہی ٹاؤ ڈھیری کے نام ایک بڑا تاریخی
ٹیلہ ہے ۔ جس کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی نے کیا ہے ۔ یہ حسین
اور دلکش مقام ہے (میں جب اس ٹیلہ پر چڑھا تو قدرتی طور پر مجھے
بہت خوشی محسوس ہوئی ۔ اور اترنے کو جی نہیں چاہتا تھا) قبیلہ
ابازئی میں محمود بن شاہان اور کریم داد الیاس زئی اور میر رستم
بن عمر بن سید و بن تھانے نامور اشخاص گزرے ہیں ۔ یہ علاقہ
بٹ خیلہ کے بالمقابل دریا سے شمال کی طرف واقع ہے اور ریاست
دیر میں شامل تھا ۔

خادک زئی :۔ خادک ابن اکو جس کی اولاد کو خادک زئی کہتے
ہیں ۔ اس کے پانچ بیٹے تھے ۔

اول مدو جس کے بیٹے محتمد کے نام سے اس کی اولاد کو محمد خیل
بھی کہتے ہیں ۔

دوم اکا جس کی اولاد کو اکا خیل کہتے ہیں ۔ اور اس کے بیٹے
احمد کے نام سے احمد خیل بھی پکارے جاتے ہیں ۔

سوم محسن جس کی اولاد کو محسن خیل کہتے ہیں ۔ محسن خیل میں
دو ذیلی شاخیں ہیں ۔ ناصر خیل اور خان کوری ۔

چہارم ابراہیم جس کی اولاد کو ابراہیم خیل اور ملک کوری بھی
کہتے ہیں ۔

پنجم حمزہ بابا جس کی اولاد کو پنسنروسی کہتے ہیں ۔ یہ سب خادک
زئی کے نام سے پکارے جاتے ہیں ۔ اور ایک ہی گاؤں میں رہتے
جس کا نام انہی کی نسبت خادک زئی ہی ہے اور ایک ندی اس
گاؤں کے بیچ میں سے گزرتی ہے جس نے گاؤں کو دو حصوں یعنی
کوز کلے اور بر کلے میں تقسیم کیا ہے ۔ یہاں اوساخیل ملی زئی کے
چند گھرانے بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہیں ۔ یہ تپہ بھی ریاست
دیر میں شامل تھا ۔

رانی زئی :۔ یہ اکو کی دوسری زوجہ کی اولاد ہے ۔ جس کا نام
رانی تھا ۔ رانی سے اکو کے تین بیٹے مخا ، اتمان اور حلیم تھے ۔ ان کی
اولاد رانی زئی سے مشہور ہیں ۔

مخا بن اکو کے دو بیٹے سلطان خا خیل اور عثمان خیل ہیں ۔
سلطان خا خیل مواضعات ملکنی ، تورکان اور میخ بند میں آباد ہیں
عثمان خیل ڈھیری اور جولاگرام میں آباد ہیں ۔

سلطان خا بن مخا (جس کی اولاد سلطان خا خیل سے مشہور
ہے) کے پانچ بیٹے مردان خیل ، اعبادا خیل ، کری خیل ، دادی خیل ،

اور اسماعیل خیل ہیں ۔ مردان بن سلطان خا کی اولاد سید خیل، خواجہ خیل اور سیجی مردان کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں ۔ اُمبارا خان بن سلطان خا کی اولاد ازی خان کور، اخون خیل، درویزی خیل، کرم خیل اور بہار خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ کھوری بن سلطان خا کی اولاد ایسف خیل، چاچا خیل اور بلڑ خیل کے ناموں سے مشہور ہیں اسماعیل کی آولاد سلیمان خیل، چارسدہ اور احمد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔

عثمان بن منخا (جس کی اولاد عثمان خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے، اول لنڈا خیل دوم عزیز جس کی اولاد عز خیل سے مشہور ہیں اور سوم واڑہ عثمان ہیں۔ لنڈا خیل کی اولاد عشا خیل، عنایت خیل، بابا خیل اور بوبو خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ عزیز (جس کی اولاد عز خیل سے مشہور ہے) کے بیٹے یونس خیل، عیلی خیل، اختر خیل، ریزاد خیل، سمیار خیل اور دردی خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں واڑہ عثمان کی اولاد ذاکر خیل، لقمان خیل، اسماعیل خیل اور علی شیر خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔

اتمان بن اکو (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ملا حسین، میرداد، محمد، مدے (جس کی اولاد بابو خیل اجی خیل اور نظرالی خیل ہیں) اور ابراہیم (جس کی اولاد ابراہیم خیل سے مشہور ہے) ہیں ۔ ملا حسین کی اولاد عمر خیل، بلی خیل اور کوثر ہیں جو سین خیل سے مشہور ہیں ۔ اور اکثر اتمان زئی لوگ موضع ہٹ خیلہ میں آباد ہیں ۔ ملا حسین اور اس کا بیٹا کوثر نامور اشخاص میں سے گزرے ہیں ۔

علیم بن اکو کے تین بیٹے علی خیل، بہرام خا خیل اور خوازہ خیل

ہیں ۔ علی خیل کے ذیلی شاخیں یہ ہیں ۔ ازی خیل ۔ ملی خیل، عیدل خیل شہاب خیل اور میر خان خیل ۔ علی خیل مواضعات اللہ ڈھنڈ اور ڈھیری میں ہیں ۔ بہرام خا کی اولاد غیبی خیل، سلیمان خیل، ملا جانا اور مچا خیل ہیں ۔ غیبی بن بہرام کے تین بیٹے تھے جو عرف خیل، نور محمد خیل اور یعقوب خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں ۔ ملا جانا بن بہرام کے دو بیٹے تھے جو ملا خیل اور مدے خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ اور مچا بن بہرام کی اولاد برہان خیل، پائندہ خیل، جمال خیل اور شمرت خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں ۔ بہرام خا خیل موضع خار میں اور خوازہ خیل کچھ موضع امان درہ اور کچھ اللہ ڈھنڈ ڈھیری میں آباد ہیں ۔

علی خیل میں ملک پچے بن الف خان بن ابراہیم بن عبدالعزیز (جس کی اولاد اس کی نسبت سے ازی خیل مشہور ہیں) اور ملک شیر دل اور خوازہ خیل میں شیخ زنگی مشہور اشخاص گزرے ہیں ۔

رانی زئی کے جن سکونتی دیہاتوں کا ذکر ہوا یہ کوز سوات اور مالاکنڈ کے جانب شمال کو ہے ۔ ان کی ملکیت میں مالاکنڈ بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تپہ سم رانی زئی بھی انہیں کا ملکیتی تپہ ہے ۔ جو مالاکنڈ سے جنوب میں شیرگڑھ کے قریب تک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے ۔ مشہور گاؤں ورتیر، دوبندی، درگئی، خرکئی، موسیٰ مینہ، عثمانی خیل گڑھی، کوٹ، ٹوٹئی بینہ، ہرچند، خان گڑھئی، پچے، کوپر، سخاکوٹ وغیرہ ہیں ۔ یہاں یہ لوگ خود بوجہ بارانی علاقہ ہونے کے نہیں رہتے تھے بلکہ اس علاقہ میں انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو بسایا تھا اور انہوں نے تپہ ہذا سے مالکانہ حقوق حاصل کرتے تھے لیکن انگریز کی آمد پر اور عرصہ دراز گزرنے کے سبب یہاں قابض لوگ رہ گئے اور مالکان یعنی نسلاً رانی زئی

یہاں بہت ہی کم رہ گئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور اس وقت بھی یہ تپہ رانی زئی کے نام سے موسوم ہے۔

(۲) موسیٰ بن یوسف

موسیٰ کا ایک بیٹا الیاس اور الیاس کے چار بیٹے ہیں۔ اوّل سالار دوم ممی سوم نسو چہارم تاجے جس کی اولاد اُس کے بیٹے گدائی کے نام سے مشہور ہے۔

سالار زئی :- سالار بن الیاس (جس کی اولاد سالار زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ایوب خیل، مانی زئی اور ملی خیل ہیں۔

ایوب بن سالار کی اولاد برہان خیل، خواجہ علی (اور الی خیل) علی شیر خیل، موسیٰ خیل، فتح خان خیل (وڑقامی) اور ملک دین کے ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ برہان بن ایوب کے دو بیٹے شیخ عثمان (جس کی اولاد شیخ خیل ہیں) اور دوسرا کینو ہے جو ملا ابراہیم کا باپ تھا۔ شیخ عثمان کے تین بیٹے اوّل عیدو جس کی اولاد عیدو خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ دوسرا ایوب (جس کی اولاد ورسے خان خیل، قاسم خیل، محمود خیل اور خانو خیل سے مشہور ہیں۔ تیسرا مستالی جس کی اولاد حقی خیل، کریم داد خیل، الو خیل، باڑہ خیل ہیں اور اُن کیساتھ ہو خیل وصلی شامل ہے۔

علی شیر بن ایوب کی اولاد سین خیل، اسماعیل خیل اور ان کے شامل حصہ رہو خیل کمیار اور بے سود افغانی ہیں۔

ملی بن سالار کی اولاد جلال خیل، ہوتی خیل، کمرہ خیل اور اللہ داد خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

مانی زئی کا الگ خیل نہیں۔ یہ لوگ ایوب خیل اور ملی خیل کے ہاں مشترک طور پر رہتے ہیں۔

اور سالار زئی قبیلہ مواضعات جوڑ، پام پوخہ، بازار گے، کنگر گلئی، نال سیر، گرار سے، کاٹ گلہ، چڑئی، لیگا نڑئی اور کھوتے میں آباد ہیں ان کے ساتھ حمایتی افغان قبائل ابتدا ہی سے رہتے ہیں۔ جو راہو خیل بے سود، کمیار اور لمغانی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور ان میں کرم علی ملک ہو کے، علی اصغر المعروف مصری خان، شیخ کمبو اور ملا ابراہیم الیاس زئی (جس کا مزار موضع چینہ کے قبرستان میں ہے) (اور شیخ کمبو کا مزار سوات میں دریا سے شمال کی طرف موضع کوٹلی کے راستے پر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے) اور نواب امیر خان والئی ٹونک مشہور اور نامور اشخاص گزرے ہیں۔ امیر خان کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ نواب امیر خان بن حیات خان بن طالع خان بن کالی خان بن بابو خان بن مولا خان بن سیدالی خان بن فتح خان بن خنان بن خان بن اللہ داد خان (جن کے نام سے اللہ داد خیل مشہور ہے) بن ملی سالار زئی۔

عائشہ زئی :- ممی کی زوجہ عائشہ کے نام سے اس کی اولاد عائشہ زئی سے یاد کیجاتی ہے۔ اور ان کے چار بیٹے ہیں جن کے نام یا خیل، خدین خیل، موساڑہ خیل اور خاکی زئی ہیں۔

یا خیل کی اولاد کوٹوال، ملا خیل، موسیٰ خیل، ببر اور اسد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

خدین کی اولاد اُستا خیل، چور خو شیداد، بابا کور، سرگین علی اور منل برہ خان کے ناموں سے مشہور ہیں۔

موساڑہ کی اولاد جانمے کلئی، کوٹھہ، سربانڈے اور شین گٹ کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

خاکی کی اولاد بابا خیل، عزی خیل، سین خیل، قاسم خیل اور جوگا

خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ توردرسک، ایلئی، الغاپور بونیر میں آباد ہیں۔

نسوزئی :۔ نسوبن الیاس (جس کی اولاد نسوزئی سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے مخوزئی اور پنجپاؤ ہیں۔

مخوزئی کے تین بیٹے قابل خیل، علی خیل اور ابا خیل ہیں۔ قابل کے بیٹے اسماعیل خیل و مولی خیل ہیں۔ اور ابا کے بربان خیل و تان خیل ہیں۔ یہ مواضعات پاندوڑیا، ایبنو، ٹھکولیئی، کوڑپاؤ، برجوکاڑ سے مرکیے زئی، سنگڑئی، گبت اور چوگا وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور ان کا مرکزی گاؤں چوگا ہے۔

پنجپاؤ کے چھ بیٹے علی خوازہ خیل، اکاخیل، ملک دین خیل، میروس خیل، سین خیل اور حسن خیل ہیں۔

علی خوازہ کی اولاد نصرالدین خیل، گنزری خیل اور قطب خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ ملک دین بن پنجپاؤ کی اولاد طوطی خیل، ناصر خیل، اور ایوب خیل (لورے) کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ مواضعات ڈگر، بگڑا، چوگا، گوکند درہ، وغیرہ میں آباد ہیں۔ حسن خیل اصل میں چوگا کے حسن خیل کی اولاد میں سے ہے۔ موضع چوگا میں حسن خان اپنے قبیلے کا ایک معزز ملک تھا لیکن پنجپاؤ کی اولاد کے ساتھ سرپرستی ملنے اور آباد ہونے کی وجہ سے اسی کی اولاد تصور کیا گیا۔ اور اس وقت بھی یہی خاندان قبیلہ پنجپاؤ میں معزز اور بااثر ہے۔

گدائی زئی :۔ تاجے بن الیاس کا ایک بیٹا گدائی تھا جس کی اولاد گدائی زئی سے مشہور ہیں۔ اس کے پانچ بیٹے حسن، بہرام علی شیر، حسین اور ابراہیم تھے۔ جن کی اولاد بالترتیب حسن خیل، بہرام خیل علی شیر خیل اور سین خیل سے مشہور ہیں۔ پہلے چاروں کی اولاد مواضعات

پاچا، باتی، کلا خیلہ، سلطان وس، غازی خانے، ملوخان، بھشی، ملک پور، دوکڈہ، تور بٹول علاقہ بونیر میں آباد ہیں۔ پیربابا کا مزار بھی اسی جگہ پر ہے۔

گدائی کا پانچواں بیٹا ابراہیم کی اولاد ضلع بنوں میں آباد ہے۔ جس کا مرکزی مقام موضع غوریوالہ ہے۔ ابراہیم کابل میں اپنے قبیلہ یوسف زئی سے جدا ہوکر کورمہ میں قیام پذیر ہوا تھا۔ بعد میں اس کی اولاد بنوں میں منتقل ہوئی۔ ابراہیم کا صرف ایک بیٹا حسن خان تھا۔ جس کی اولاد حسن خیل سے مشہور ہے۔ حسن خان کے دو بیٹے عمر خان اور سمل خان تھے۔ عمر خان کے چار بیٹے کرک خان، خٹک خان، تتر خان اور اور خدر خان تھے۔ عمر خان کی اولاد عمر خیل کے نام سے اور سمل خان کی اولاد اس کے والد کے نام پر حسن خیل سے مشہور ہیں۔ عمر خان (عمر خیل) کی اولاد میں مغل خان بن ظفر خان بن تتر خان بن عمر بن حسن ایک شخص گزرا ہے۔ اور اس کے نام پر اس کی اولاد مغل خیل سے مشہور ہیں۔ یہ زمانۂ قدیم سے ضلع بنوں میں اونچا گھرانہ چلا آرہا ہے۔ ان میں جعفر خان (ابن سیفی خان بن مغل خان) نامی بھی ایک مشہور شخص گزرا ہے۔ جس نے ایک عالیشان مسجد بنوں شہر میں بنوائی تھی اور وہ مسجد جعفر خان کے نام سے اب تک یاد کیجاتی ہے (اس خاندان کا شجرۂ نسب ضلع بنوں کے سرکاری کاغذات مال میں اور نیز اس خاندان والوں سے بنوں اور غوریوالہ میں ملاقات اور گفتگو کر کے تصدیق کرچکا ہوں۔ اور اسی کے ساتھ میں شیر علی خان ولد میر دل خان سورانی غوث امیر کلہ داخلی موضع حسنی علاقہ سورانی ضلع بنوں کا مشکور ہوں جس کے مدد سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔

(۳) عیسیٰ بن یوسف

عیسیٰ زئی :- عیسیٰ کی اولاد عیسیٰ زئی یا عیسوزئی کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کے تین بیٹے اکا، حسن اور یعقوب ہیں۔

اکازئی :- اکا بن عیسیٰ (جس کی اولاد اکازئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے برت خیل، عزیز خیل، تاسون خیل اور پائندہ خیل ہیں۔

برت کی اولاد یہ ہیں :- خان خیلی، بیبا خیل اور چمبا خیل۔

عزیز کی اولاد یہ ہیں :- رسول خیل، حسین خیل اور مدریا خیل۔

تاسون کی اولاد یہ ہیں :- غازی خیل، عہندزئی اور اکوزئی۔

پائندہ خیل یہ ہیں :- جوگی خیل، ملال خیل اور اول خیل۔

حسن زئی :- حسن بن عیسیٰ (جس کی اولاد حسن زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے اوّل مدو جس کی اولاد مندو خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ دوم کالا جس کی اولاد کلا خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ سوم کاکا خیل۔

مندو خیل یہ ہیں :- لقمان خیل، زکریا خیل اور دادا خیل۔

کلا خیل کی دو شاخیں یہ ہیں :- نصرت خیل اور خواجے بابا جس کے تین بیٹوں کی اولاد ماموخیل، موسیٰ خیل اور نانو خیل سے مشہور ہیں۔

کاکا خیل یہ ہیں :- اکا خیل، میرا احمد خیل، یادو خیل اور کوٹوال۔

مندا خیل :- یعقوب بن عیسیٰ کا ایک بیٹا مدا ہے (جس کی اولاد مندا خیل کے نام سے مشہور ہے) مدا کے پانچ بیٹے حسن خیل، بازہ خیل، بازید خیل، موسیٰ خیل اور بو سعید خیل ہیں۔

حسن بن مدا کی اولاد سلطان خیل، سید علی خیل اور بابین خیل کے ناموں

سے یاد ہوتے ہیں۔ اور کالو خیل وصلی بھی اُن کے ساتھ حصہ داری میں شامل ہیں۔

بازہ بن مندا کی اولاد بابو خیل، بڑا خیل اور غنڈا خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

بازید بن مندا کی اولاد ٹولا خیل اور اطرافی خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

یہ سب لوگ اُس علاقہ میں آباد ہیں جو قوم ڈوما سے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ علاقے اب ان کے اپنے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جیسے تپہ حسن زئی، تپہ اکازئی اور تپہ مداخیل۔ ان کی حد مشرق میں اگرور اور تیناول سے ملتی ہے اور جنوب میں کوہ مہابنڑ کا علاقہ ہے۔ ان کے شمال میں تپہ چغرزئی جو ملی زئی کی ذیلی شاخ ہے، بھی سکونت پذیر ہیں۔ اور یہ لوگ دریائے سندھ کے آرپار مشرق کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں۔ اکازئی، حسن زئی اور مداخیل کے اپنا الگ الگ تقسیم ہے۔

لیکن ان کا مشترک نام عیسیٰ زئی ہے اور یہ اب تک ہمیشہ سے آزاد رہے ہیں اور اُن کی آپس میں نظام اماکین جرگہ اور سربراہ کے شکل میں چند برس قبل تک قائم تھا۔ جب سے یہ لوگ یہاں آباد ہوئے تو ان کا پہلا سربراہ بالاتفاق ملک شہباز بن گگیا بن اکا بن کاکا حسن زئی یوسف زئی تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مقام خان، پھر اس کا بیٹا باورشاہ اُس کے بعد اس کا بیٹا علی خان سربراہ منتخب ہوا۔

علی خان کے سات بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حسن علی خان، نجب خان، زردادخان، قیصر علی خان، حیدی خان، حسین خان اور فیروز خان جس کا بیٹا غلام محمد خان تھا۔

علی خان فوت ہوا تو اس کے بعد اس کا بیٹا حسن علی اور اس

کے بعد اس کا بیٹا قبول خان اور اس کے بعد اس کا بیٹا ملک امان خان اور اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی احمد علی خان ولد غلام خان۔ اور اس کے بعد اس کا بھائی ہاشم علی خان تھا جس نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اور اس کے پانچ بیٹے تھے شیر علی خان، سالار خان، محمد شریف خان، نسیم خان اور عزت خان۔ ان کے بیٹوں میں شیر علی خان اور سالار خان بھی قابل ذکر اور مشہور ہوئے۔ سالار خان زندہ ہے جو ایک بڑا عالم اور دانا شخص ہے۔ شیر علی خان فوت ہو چکا ہے۔ اور اس کے دو بیٹے نعمت خان اور عالم زیب خان زندہ ہیں۔ اس وقت بھی یہ گھرانہ معزز اور باثر ہے۔

مساکن حسن زئی :۔ مواضعات سیری، مرٹیرہ، پلوسہ، قرنا بیو، کنار، نادرئی، گرڑھی، نوے کلے، ریل بوڑیاں وغیرہ ہیں۔

ان میں صاحبزادگان حسن زئی کنار شریف مشہور گھرانہ ہے۔ ان کے جدِ امجد کا نام زیارت گل تھا۔ وہ نسلاً افغان اور حسن زئی ہیں کلاخیل کے ذیلی شاخ نصرت خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد صاحبزادگان سے مشہور ہیں۔ وہ اپنے وقت کے بڑے عالموں اور بزرگوں میں سے شمار ہوتا تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تحصیل علم سے فراغت کے بعد نام پیدا کیا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں عبدالنور، محمد نبی، احمد سعید، محمد سعید، جو سب نیک اور سمجھ دار تھے۔ ان میں بڑا بھائی مشر صاحب سے مشہور تھے۔ وہ اپنے والد کے مسند پر قائم رہے اور علاقہ میں مقبولیت حاصل کی۔

مُلا خیل ساکن دیل بوڑیاں :۔ قدیم سے یہ ایک مشہور علمی گھرانہ ہے۔ ان کا جد صالح بن ملا الیاس نسلاً افغان اور قبیلہ یا خیل عائشہ زئی الیاس زئی سے متعلق تھا اور اس وقت بھی یا خیل عائشہ زئی

میں مُلا خیل مشہور شاخ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سات پشت قبل جس زمانہ میں عائشہ زئی مار تونگ کے علاقہ میں آباد تھے تو وہ موضع ویدل میں اس وقت اپنے گھر اور قبیلہ سے بغرض تعلیم جدا ہو کر مختلف علمی مدارج طے کرنے کے بعد حسن زئیوں کی خواہش پر ان کے ہاں مقیم ہوئے وہ بڑا عالم اور بزرگ شخص تھا۔ ان کی اولاد بھی اپنے والد اور دادا کے نقش پر صحیح چلے۔ مُلا الیاس بھی علمی گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ان کا باپ اور دادا بھی علماء طبقہ سے تھے اور اس سبب ابتدا سے اب تک یا خیل عائشہ زئی بونیر میں ملا خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں افغان اکابرین کیلئے مُلا، شیخ، پیر، اخون، میاں صاحبزادہ وغیرہ نام یوسف زئی کے معزز القابات اور خطابات تھے۔

مساکن منداخیل :۔ یہ ہیں مواضعات منجاکوٹ، میرا، کالاڈنڈ ڈوباہ، تشنئی، ڈاڈم، ابو، پیڑاکوٹ، چوڑہ، سونیا، ٹیٹے، سوڑ کلے، بر کلے، سوٹ، گواندلہ، زیڑ لرگے، بدر، گرڑھی، سلیمانے اور نیگڑا وغیرہ۔ منداخیل کے ساتھ قریش یا عریش کے کالو خیل اور ماپال بھی آباد ہیں جنہیں ابتدا ہی سے تقسیم میں حصہ دیا گیا تھا۔

مدو بن حسن اور مدا بن یعقوب دونوں نامور بزرگ گزرے ہیں اور کابل میں وہ یوسف زئی کے پیشوا تھے۔ انہوں نے کابل میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ تذکرہ اخون درویزہ میں ان کا ذکر ہوا ہے۔

مساکن اکازئی :۔ مواضعات لدخوڑ، بکیانہ، لدقند، دازو، بیرن، بہیل، بلیاٹرئی اور کبرئی وغیرہ ہیں۔

(۴) علی بن یوسف

(جو یوسفزئی میں مشر علی کے نام سے مشہور ہے)

علی بن یوسف کی اولاد علی زئی کے نام سے مشہور ہیں اور اس کی

اولاد تین ذیلی شاخیں چغرزئی، دولت زئی اور نوری زئی پر مشتمل ہیں۔

چغرزئی:۔ چغربن ملی کے دو بیٹے اول بختور جس کی اولاد اس کے بیٹے اسماعیل کے نام پر اسماعیل خیل سے مشہور ہیں۔ دوم فیروزے جس کی اولاد اس کے بیٹے بھائی کے نام پر بھائی خیل سے مشہور ہیں بختور کا بیٹا اسماعیل کے چار بیٹے اول علی خواذہ (جس کی اولاد لبسی خیل اور نصرت خیل سے مشہور ہیں)

واضح رہے کہ لبسی خیل کی دو ذیلی شاخیں دعوت خیل اور عزیز خیل ہیں۔ اور اسی طرح نصرت خیل کی دو ذیلی شاخیں لقمان خیل اور بڈھا خیل ہیں۔ جو سب کا سب علی خواذہ بن اسماعیل چغرزئی کی اولاد ہیں۔

دوم بہلول جس کی اولاد جمال خیل، شہید خیل، اگر خیل اور خدری خیل ہیں۔ سوم خدے خیل اور چہارم مکی خیل ہیں۔

مکی خیل یہ ہیں، آزاد خیل، جابت خیل، حسام خیل اور علی شیر خیل۔

فیروزے کا بیٹا بھائی کے چار بیٹے جونا خیل، مدی خیل، شغال خیل اور سنڈ خیل ہیں۔ الغ بیگ شاہ کابل کے دوران محمود، مدے خیل چغرزئی ان میں نامور شخص گزرا ہے۔

مساکن چغرزئی:۔ چغرزئی کی حدود دیوانہ بابا سے کچھ آگے جو بونیر کا مشرقی حصہ ہے، سے شروع ہو کر مشرق کی طرف اباسین سے پار تک چلا گیا ہے۔ ان میں مشہور مواضعات، بودال گلونو، بوڑئی، بٹاڑہ، بام ڈھیر، شمنال، ٹانگوڑہ، گمبٹ، مرادو، ٹوپی، سر قلعہ، میرا گئی، بائے خانے، فولادئی، شنگرگڑہ، چلندرئی، بائی ردو، تیراج، کس، کوٹ، داج کند، پانڈیر، بھیم پور، کوہی، شیر علی، ڈیلئی، الاگرام، تیتالان، پشلوڑہ، منی خیل اور ریال وغیرہ

ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور حمایتی افغان قبیلہ عزیزدانی جو تقریباً اڑھائی ہزار گھرانوں پر مشتمل ہے، ایک الگ علاقہ میں آباد ہیں۔ ان کا گاؤں بوتوتی ہے۔ ان کے ساتھ شمال کی جانب دریا کے کنارے خود قبیلہ چغرزئی مواضعات کابل گرام، جودبا، بہارہ، دانکول، رُنچ بنڑہ، دیدل، کماچ اور نصف کومکی میں بھی آباد ہیں۔

دولت زئی:۔ دولت بن ملی جس کی اولاد دولت زئی سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے منڈے زئی، بہکازئی اور اسماعیل زئے ہیں۔

منڈی زئی کی دو ذیلی شاخیں یہ ہیں، شرف الدین جس کے بیٹے شیرپائے کے نام سے اور دوم فخرالدین جس کے بیٹے پوپل کے نام سے پل خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ شیرپائے کی اولاد کالا خیل اور صفر خیل ہیں۔ اور کالا خیل کی اولاد غزنی خیل اور چگا خیل سے موسوم ہیں۔ اور صفر خیل کی اولاد منی خیل اور کابل خیل ہیں۔ منی خیل کے چار بیٹوں کی اولاد سلطان محمد خیل، جمعہ خیل، گدا خیل اور بنگی خیل ہیں۔

پل خیل یہ ہیں، دلخک، مغدود اور اللہ داد جو دادے سے مشہور تھا، لاولد مرا تھا اور مغدود کا بیٹا سلیم خان تھا۔ دلخک کی اولاد سید خیل، بجوکا خیل، موسی خیل اور صورت خیل ہیں۔

بہکازئی کی ذیلی شاخیں ماما خیل، موسی خیل اور ابراہیم خیل ہیں ماما خیل بہکازئی کی اولاد یہ ہیں: ہمزہ خیل، بختورہ کور، غیبی خیل، نندو خیل، راجو خیل، عباس خیل اور جان شاہ خیل اور پائی خیل۔

ابراہیم خیل یہ ہیں، جلات خیل، یازد خیل، ایسو خیل، سالو خیل اور معروف خیل۔

اسماعیل زئی کی ذیلی شاخیں ابا خیل اور اکا خیل ہیں۔ ابا بن اسماعیل

کی اولاد بادی خیل، عباس خیل اور ابڑ خیل سے مشہور ہیں ۔ اور اکا بن اسماعیل کی اولاد ہیبت خیل، میرا خیل، سلطان خیل، داؤد خیل، اور سمون خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ منڈے زئی کلپانی اور کلیاڑی میں آباد ہیں ۔ برکازئی مواضعات متوانی اور باچکٹہ میں آباد ہیں ۔ اسماعیل زئی مواضعات امنور اور شمال بانڈئی علاقہ بونیر میں آباد ہیں ۔ ان میں دادے، سلیم خان، سیدہ، جوکا، ملک باما اور کاکو مشہور اشخاص گزرے ہیں ۔ ملک باما کی قبر موضع کلپانی کے اندر ہے ۔ موضع کلیاڑئی میں وٹڈ باما اور وٹڈ حافظ بابا مشہور ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ملک باما نے اس رقبہ کو حافظ افغان شیرپاے جو ملک باما کا قاضی تھا، کے حوالہ کر دیا تھا اور نصف ملک باما کے پاس رہا تھا ۔ ملک متہ بن شرف بن شاہ بیگ اباخیل سویزی بائی زئی اور ملک کاکو دولت زئی علی زئی کی قبریں بھی یہاں پر ہیں ۔ جو کافی مشہور ہیں یہ دونوں یوسف زئی کے نامور اشخاص تھے ۔

نوری زئی :۔ نورے بن علی (جس کی اولاد نوری زئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے علی شیر، ابا اور ایسوڑے ہیں ۔ علی شیر (جس کی اولاد علی شیر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے برت خیل، بابکر خیل، کنزل خیل اور خماری خیل ہیں ۔

برت خیل کی ذیلی دو شاخیں ملاخیل اور اللہ داد ہیں ۔ اللہ داد کے دو بیٹے پائندہ خان اور غازی خان تھے ۔ جس کی اولاد پائندہ خیل سے یاد ہوتے ہیں اور غازی خیل سے یاد ہوتے ہیں ۔ برت خیل مواضعات ملا یوسف، نوے کلے، بانڈہ اور کچھ امبیلہ علاقہ چملہ بونیر میں آباد ہیں ۔

بابکر خیل کی دو ذیلی شاخیں ہیں، بوخیل و ملہ خیل ۔ یہ مواضعات ڈھیرئی اور کچھ امبیلہ میں آباد ہیں ۔

کنزل خیل یہ ہیں : میرا خیل، حیات خان کورہ، قلندر خیل، فتح خان خیل، خواجہ خیل، برہ خان خیل، ضیا خیل، خان کوری اور رسول خیل ۔ کنزل خیل مواضعات چناڑ وغیرہ میں آباد ہیں ۔

خماری (جس کی اولاد خماری خیل سے مشہور ہے) کے بیٹے جلال کے چار بیٹے حمزہ خان زوجہ اوّل سے اور اسماعیل خان، خوشحال شاہ امیر خان زوجہ دوم سے ہیں ۔ اولاد حمزہ خان ملندری اور ایک گھرانہ پامپوخہ میں آباد ہے ۔ اسماعیل خان کی اولاد ریگا میں اور خوشحال خان کی اولاد برکلے اور امیر خان کی اولاد چناڑ میں آباد ہیں ۔

اباذئی بن نوری زئی :۔ ابا جس کی اولاد اخیل، خوازہ خیل، اشو خیل، عیسٰی خیل اور معروف خیل ہیں ۔ جو سب اباذئی سے مشہور ہیں اور یہ ریگا بونیر میں آباد ہیں ۔

ایسوڑی زئی :۔ ایسوڑے جس کی اولاد ایسوڑی زئی سے مشہور ہے، کے دو بیٹے پنجپاؤ اور میرک ہیں ۔ پنجپاؤ کا ایک بیٹا مرگٹ (مرکت) ہے جس کی اولاد مرگٹ خیل سے مشہور ہے ۔

مرگٹ کے پانچ بیٹوں کی اولاد یہ ہیں ۔ حقی خیل، میرویس خیل اسماعیل خیل، زبر خیل اور اندر خان خیل ۔ یہ لوگ مواضعات کڑپہ، ملا یوسف، نوے کلے میں آباد ہیں ۔ مرگٹ کے ایک پوتے کالو بن اندر خان کی اولاد امبیلہ اور کنگوئی میں آباد ہے ۔ جو کالو خیل کے نام سے مشہور ہے ۔

میرک کے دو بیٹے میرو اور پیر علی ہیں ۔ میر کی اولاد کو میرو خیل کہتے ہیں ۔ میرو کے دو بیٹوں کی اولاد حسن خیل اور عیسٰی خیل کے

ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

میرو کے بیٹے حسن خیل کی اولاد یہ ہے: باباخیل، جیب خیل، بہا خیل، لودین خیل اور سلطان خیل۔ اور میرو کے دوسرے بیٹے عیسیٰ کی اولاد خانی خیل، محمد خیل، سدو خیل، اصغر خیل اور سُندر خیل (امرو) ہیں۔ اور یہ لوگ موضع ڈھیری اور چینہ بونیر میں آباد ہیں۔ پیر علی کی اولاد کو پیرا خیل کہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ابازئی کے ساتھ موضع ریگا میں آباد ہیں۔ ان میں نامور اور قابل ذکر اسماعیل بن مرگت، میرا اور پیر علی تھے سعد اللہ المعروف سرتور فقیر ابازئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ برت خیل میں غازی خان یوسف زئی کے سربراہ مملکت گزرے ہیں۔ غازی خانے گاؤں انہی کے نام پر موسوم ہے۔ معظم خان نوری زئی سکنہ ریگا کا نام بھی قابل ذکر اشخاص میں شمار ہوتا ہے۔

(۵) اوریا بن یوسف

اس کی اولاد کو یادی خیل کہتے ہیں۔ اور یہ تعداد میں اس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر۔ اور یہ لوگ مواضعات مناگے نزد تنگلہ میں کچھ گھرانے اور موضع سپینے ابو اور وہاں کے گرد و نواح میں چند گھرانے آباد ہیں۔

(۶) منو بن منڈر یا منڈڑ

اس کے دو بیٹے عثمان اور اتمان ہیں۔ عثمان کے دو بیٹے کمال اور امان ہیں۔

کمال زئی:۔ کمال بن عثمان بن منو (جس کی اولاد کمال زئی سے مشہور ہے) کا ایک بیٹا عنایت ہے۔ جس کی تین بیویاں تھیں۔

زوجہ اول مشرہ رانی جس کی اولاد مشران زئی سے مشہور ہے۔ زوجہ دوم کشرہ رانی جس کی اولاد کشران زئی سے مشہور ہے۔ زوجہ سوم سے اکا جس کی اولاد اکاخیل سے مشہور ہے۔ عنایت کے مشران زئی سے چار بیٹے ابا خیل، بوسی خیل، موسیٰ خیل اور منیر جس کی اولاد منی خیل سے مشہور ہے۔ یہ سب طورو اور مایار وغیرہ میں آباد ہیں۔

ابا کے دو بیٹے اول آمو جس کی اولاد آموخیل سے یاد ہوتے ہیں۔ دوئم صدیق جس کی اولاد صدیق خیل سے مشہور ہے۔

عنایت کے کشران زئی سے تین بیٹے مغدود، قاسم اور رستم ہیں۔ جن کی اولاد بالترتیب مغدود خیل، قاسم خیل اور رستم خیل سے مشہور ہے۔

مغدود خیل یہ ہیں، ابہرہ خان خیل، دیگان خیل، یحییٰ خیل، اللہ داد خیل از طرف اللہ داد بن مغدود کے تین بیٹے ہیں۔ اول ابراہیم خان جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم تتر خان جس کی اولاد مرجان خیل اور بوناسا خیل ہیں۔ سوئم محمد خان جس کے چار بیٹے تھے اول غازی خان (جس کا بیٹا شہباز خان تھا پھر اس کے چار بیٹے جلال خان، ہیبت خان بلند خان اور سوانے جس کی اولاد مشوانی خیل سے مشہور ہیں) تھے۔ دوئم اجب خیل، سوئم زنگی خیل، چہارم شیخ علی ہیں۔

قاسم کے بیٹے عزیز خان کے نام سے عزی خیل اور پھر اس کے دو بیٹے خمار خیل اور بلو خیل سے مشہور ہیں۔

رستم کے چار بیٹے ہمزہ خان (جس کی اولاد بہادر خیل اور بامو خیل ہیں) بہاری، شکرے اور ولو خیل ہیں۔

ان سب کی اولاد ہوتی اور مردان میں آباد ہے۔ ان کے علاوہ موضع مایار میں کشمیریان اور بوٹیان، کمبار، رواڑی اور ہوتی میں منڈوری اور شامت پور اور طورو میں کئی دریا کشار اور منڈوری جو حقیقی افغان قبائل ہیں،

بھی رہتے ہیں۔ موضع ملیار میں اکاخیل کے علاوہ کمال زئی کے سدی خیل کرہ خیل، آموخیل، میاخانی، صدیق خیل بھی آباد ہیں۔ کمال زئی موضع سوراچمد میں بھی آباد ہیں۔

کمال زئی کے ساتھ پیرخیل (جو پیران سے مشہور ہیں اور پیربابو رتی یوسف زئی کی اولاد ہیں) ہیں سے مردان میں مستمیان عالم شاہ محمد گل، شکور، پرسے کی اولاد مالکانہ (اسیری) کی حیثیت سے آباد ہیں اور اُن کے چند گھرانے گوجر گڑھی میں بھی آباد ہیں۔

امان زئی :۔ امان بن عثمان بن منو جس کی اولاد امان زئی سے مشہور ہے، کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اوّل سے دو بیٹے دولت اور حسام ہیں۔ دونوں بھائیوں کی اولاد دولت زئی سے مشہور ہیں۔

دولت زئی : دولت کے تین بیٹے یہ ہیں۔ اوّل حسن جس کے بھی تین بیٹے ہیں۔ پہلا اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے اور اسماعیل کے پوتے کفدر خان کی اولاد کفدر خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ جو گڑھی کپورہ اور موضع گلیاڑہ میں آباد ہیں۔ اور دوسرا ثبت جس کی اولاد ثبت خیل سے مشہور ہے۔ اور تیسرا حارث جس کی اولاد ے خیل سے یاد ہوتی ہے واضح رہے کہ قاضی خیل پشاور بھی اسی خاندان سے ہیں۔

دوم مبارک بن دولت جس کی اولاد مبارد خیل سے مشہور ہے۔

سوم نصیر دین بن دولت ہے۔

دولت کے بھائی حسام کا ایک بیٹا بازید تھا جس کے چار بیٹے یہ ہیں۔ سلیمان، میر جمال، ابابکر اور سید۔

سلیمان بن بازید کے بیٹے مُلا میرو معروف حسن پیر، اللہ داد، میر داد اور خداداد ہیں۔ اور میر جمال کا ایک بیٹا احمد تھا۔ اور سید کے دو بیٹے

اوّل جلال اور دوسرا نیکنام تھا۔

ملا میرو کی اولاد پیر خیل سے اور میر جمال کی اولاد جمال خیل سے اور اور سید کی اولاد سید خیل سے مشہور ہیں۔ اور امان بن عثمان کی زوجہ دوم سے اسماعیل، اسحاق اور ادریم ہیں۔ ان تینوں بھائیوں کی اولاد بڑے بھائی اسماعیل کے نام اسماعیل زئی سے مشہور ہے۔

اسماعیل زئی :۔ اسماعیل کے چھ بیٹے ہیں۔ اوّل عظیم (جس کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں)، دوم سکندر (جس کی اولاد طاؤس خیل، دوڑ (دوڑ کے بیٹے بقال خیل) اور بلوڑ خیل ہیں سوم بام خیل، چہارم جونا خیل پنجم یعقوب (جس کی اولاد اُدریا زئی اور اسحق ہے) اسحق کی اولاد یعقوب خیل سے یاد ہوتے ہیں اور ششم بہرام خیل ہیں۔

اسحاق برادر اسماعیل کی اولاد سہاک زئی سے مشہور ہے۔ اور ادریم برادر اسماعیل کی اولاد اسماعیل زئی سے یاد ہوتی ہے۔

امان زئی تقریباً مشترکہ طور پر رہتے ہیں اور ان کے مرکزی گاؤں گڑھی امان زئی اور شہباز گڑھ ہیں۔ گڑھی امان زئی البتہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ کا نام گڑھی دولت زئی اور دوسرے کا گڑھی اسمٰعیل زئی ہے۔ ابتدا میں امان زئی کے کچھ خاندان مسکی پور اور کنکوئی چملہ میں بھی آباد تھے، بعد میں وہ ٹوما کے فتح شدہ علاقہ مہابن کے شمال مشرق کی جانب چلے گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔ یہ علاقہ سورے اور پیتاؤ امان زئے سے مشہور ہے اس میں ننگرئی، شیر گڑھ، شیر آباد، ملکا، چمدرئی، منڈاؤ، کوٹرئی، کالی لاڑ، بیگرا، کیلہ، ناڑہ اور فاربہ وغیرہ مشہور گاؤں ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع مردان میں مواضعات گمبت، گیدڑ، کھنڈرے، گجرات، بختالی، جونگڑے، چم ڈھیرے، نرسنگ، بارو، چارگلی، لنڈئی، باریکاب، کنڈخت، کھنڈرے

چراگاہ، پلوڈھیری، جلیل، ہمزہ کوٹ، نواں کلی، خیر آباد، چارگل، گنگلیاڑہ، ہوسئی، مچی، جلال، تاجہ، کوترپان، سرخابی، علی، لنڈے، رستم اور بازار وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان میں مشہور خاندان قاضی خیلان پشاور بھی دولت زئی کے مے خیل شاخ سے متعلق ہیں۔ ملا میرو، میرجمال، میرویس میر بابو، مصری خان، جیون ملک، کفور خان اور صاحب خان بھی نامور اشخاص گزرے ہیں۔

اماں زئی کے ساتھ بوقی افغان بھی آباد ہیں۔ جن کو تقسیم شیخ ملی میں امان زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا۔ یہاں ان کی دو شاخیں یعنی عمر خیل اور حسین خیل ہیں۔ یہ لوگ مواضعات گمبت، کنڈر، چپک تاجہ، مچی اور گرمئی اسماعیل زئی میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

اتمان زئی:۔ اتمان بن منو کے چار بیٹے زوجہ اول سے اکا، کنا اور علی (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہے) اور زوجہ دوم سے سدو (جس کی اولاد سدوزئی سے مشہور ہے)

اکا زئی:۔ اکا بن اتمان (جس کی اولاد اکازئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے مسمیان سارنگ، محمود اور چارسدہ ہیں۔ سارنگ کی اولاد داٹا خالو اور حسنی ہیں جن کو سارہ خیل کہتے ہیں۔ محمود کے بیٹے بریم کی اولاد کو بریم زئی کہتے ہیں۔ بریم زئی کی اولاد اڑابراہیم، فیکی، خویداد اور خضر خان خیل ہیں۔ اور ان میں اڑابراہیم کی اولاد بھی چار عدد ہیں بوبا خیل، بلڑ خیل، سہیل خیل اور دلزاک ہیں۔

خضر خان خیل یہ ہیں: منصور خیل، پکڑہ، شمرو خیل، پخی خیل، امزری خیل، اوسی خیل، تساوم خیل۔

چارسدہ کے تین بیٹے پیرک زئی، صاحبی خیل اور پائندہ خیل ہیں۔

پیرک زئی:۔ پیرک بن چارسدہ (جس کی اولاد پیرک زئی سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے بلیخر، مانی، ماباوسے، شیخ ملی، ادب اور سیدالی ہیں۔

بلیخر بن پیرک کے چار بیٹے حبیب، قابل، جونا اور فقیر ہیں۔

شیخ ملی بن پیرک کے چار بیٹے نیک نام، جانباز (جس کی اولاد خانہ خیل سے مشہور ہے) مزید اور جہانگیر (جس کی اولاد تنظر خیل، خداداد، ہرو اور زرداد ہیں)

صاحبی بن چارسدہ (جس کی اولاد صاحبی خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے محمود، مندو اور سندو ہیں۔ محمود کے دو بیٹے ہیبت خان اور جان خان ہیں۔ اور مندو کا ایک بیٹا جلو اور جلو کے دو بیٹے خدو اور چنڈو ہیں۔ اور سندو کا ایک بیٹا سلطان ہے۔ اور پائندہ بن چارسدہ کی اولاد اس کے نام پائندہ خیل سے یاد ہوتی ہے۔

موجد تقسیم اراضی شیخ ملی، پیرک کا بیٹا ہے۔ حبیب خان شیخ ملی کا بھتیجا جو بہاکو خان کا وزیر تھا، اسی قبیلے سے متعلق ہے۔ اکازئی موضع میلئی، سالم، پکھ ٹوپی اور کبل۔ توربیلہ اور جنڈو اور جھنڈہ میں اور کچھ ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔

ے کو بیصہ تخت تہوپئی بازار دے
مینئی دیلے د اکا زئی اور سیدو

شیخ ملی کا مزار مواضعات بلوگرام اور قمبر کے درمیان سوات میں پرانے راستے پر واقع ہے جو نئے پختہ سڑک سے شمال کو ایک فرلانگ پر ہے۔

کنازئی:۔ کنا بن اتمان (جس کی اولاد کنازئی سے مشہور ہے) کے دو بیٹے ابابکر و سہ سدہ ہیں۔

ابابکر (جس کی اولاد ابابکر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے اول

موسیٰ (جس کی اولاد موسیٰ خیل سے مشہور ہے) دوم محمد خان، سوم غلام خان اور چہارم اخون سید ہے۔

سدہ کے دو بیٹے سناخیل اور بارہ خیل ہیں۔ ان کی اکثریت کوٹھ بعض ٹوپی اور دریا پار ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔ ان میں موسیٰ بن ابابکر ملک احمد کے مشیر تھے۔ اور سوات میں موضع تھانہ کے مغرب میں بنجة کے مقام پر دفن ہیں۔ موسیٰ بن ابابکر کے پانچ بیٹے ہیں جو اسوخیل، یارہ خیل، ابوخیل، بیٹا خیل اور لالہ خیل سے مشہور ہیں۔ اور غلام خان کے تین بیٹے ہیں جو خیروخیل، مزید خیل اور خواجی خیل سے مشہور ہیں۔

علی زئی:۔ علی ابن اتمان (جس کی اولاد علی زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے پنجپاؤ، بوباخیل، اسماعیل خیل اور سمو خیل یا شموں خیل ہیں۔

پنجپاؤ کے دو بیٹے پائندہ اور عمر ہیں۔ بوباخیل کے دو بیٹے ابراہیم خیل اور میگئی خیل ہیں۔

ابراہیم بن بوبا (جس کی اولاد ابراہیم خیل سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے مٹھ خان اور ہیبو خان تھے۔ مٹھ خان کے تین بیٹے شاہ بیگ ولی داد اور رام بیگ تھے۔ شاہ بیگ کا ایک بیٹا خوشحال خان تھا، جس کی نسبت سے اس کی اولاد خوشحال خانی مشہور ہوئے ہیں۔

ہیبو خان بن ابراہیم کا ایک بیٹا ایوب خان تھا۔ ایوب خان کے تین بیٹے سید خان، سردار خان اور سلیم خان تھے۔ سید خان کی نسبت سے اس کی اولاد کو سید خانی کہتے ہیں۔ اسماعیل خیل علی زئی کے چار بیٹے سیدو خیل، پائندو خیل، زنگی خیل اور پیرا خیل ہیں۔

سیدا خان (جس کی اولاد سیدو خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے جوگی، موہین، اور دریا خان ہیں۔ جوگی کا بیٹا اولدین اور اول دین کا بیٹا

طاہر خان ہے جو طاہر خیلیوں کا جدِ اعلیٰ ہے۔ طاہر خیلی طاہر خان کے تین بیٹوں تاج خان، مشال خان اور شاہ نعمت خان کی اولاد ہیں۔

سمو خیل علی زئی کے دو بیٹے بسو خیل اور علی خیل ہیں۔ ان سے بے شمار شاخیں اور خاندان بنے ہیں جو شجرہ ہائے نسب میں دکھائے گئے ہیں۔ علی زئی کی اکثریت موضع کوٹھہ، پکھ ٹوپی اور مواضعات حضرو برہان اور باقی ہزارہ میں، نیز ٹیکسلا تک آباد ہیں اور موضع بوقا میں صرف رحمت خان علی زئی کی اولاد مالکان و آباد ہیں۔

سدو زئی:۔ سدو بن اتمان (جس کی اولاد سدو زئی سے مشہور ہیں) کی دو شاخیں جلوزئی اور دروزئی ہیں۔

جلوزئی:۔ جلوزوجہ سدو کے دو بیٹے ابا اور عشمر جن کی اولاد اباخیل اور عشمر خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تحصیل صوابی میں آباد ہیں۔

اباخیل: ابا بن سدو (جس کی اولاد اباخیل سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے نصرت اور دولت ہیں۔ نصرت کے پانچ بیٹے روسی خان، سیفو دراپتی، محب اللہ اور عبداللہ تھے۔

روسی بن نصرت کے سات بیٹے ہیں۔ اول تاجو (جس کی اولاد تاجو خیل سے مشہور ہے) ایوب، زکریا، پنجپاؤ، طاؤس، بایزید اور بلوڑ، (جس کی اولاد بلوڑ خیل سے مشہور ہے) سیفو بن نصرت کے پانچ بیٹے یہ ہیں۔ بابو، خذرہ، منصور، غالی، اسوخیل۔ دریتی بن نصرت کی اولاد حسن خیل، مکاخیل اور چنگوٹ خیل ہیں۔ اور تاجو کے پانچ بیٹے یہ ہیں آزاد خان، جانباز (جس کے دو بیٹے میر جان شاہ اور خوشداد ہیں) بہادر خان دوران اور تورہ باز خان ہیں۔

دولت کے چھ بیٹے سرسدہ، کوڈ ابراہیم، موتی، دینا خان، قاسم اور محمد نسیم تھے۔

سرسدہ بن دولت کی اولاد چار خیلوں پر مشتمل ہیں۔ عزیز خیل بودا خیل، ہیچ پاؤ اور ادین خیل۔

کوزا ابراہیم بن دولت کی اولاد منگا اور پاس ابراہیم ہیں۔

موتی بن دولت کے تین بیٹے ہیں: سرو موفی، بوڈی خیل، پانڈو خیل

دینا بن دولت کے چار بیٹے ہیں، آزاد خان، تجی خان (ان دونوں کی اولاد رحمت خیل سے مشہور ہیں) برہ خان اور شرغا خان۔

قاسم بن دولت کے چار بیٹے ہیں، لالو خان، حسن خان، میاں خان اور ماسم خان۔

محمد نسیم بن دولت کا ایک بیٹا مدح ہے (جس کی اولاد مدح خیل سے مشہور ہے) مدح کے چار بیٹے ہیں: رانا، نور محمد، آصف اور وزیر۔

، ان سب کی اولاد آپس میں نصرت اور دولت سے یاد کیئے جاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد مواضعات ہیچ پیر، کھڈے، شاہ منصور، زیدہ، کھنڈا، انبار، ہنڈ، لاہور مشرقی، ادیان، ذکریا، شیخ، نبے، بیکا اور صلاح میں آباد ہیں۔ ابا خیل کے تاجو خیل شاخ میں میرجان شاہ اور اس کا بیٹا بختے، ملک خویداد اور اس کا بیٹا ملک بین خان اور نیز بابو بن سیفو بن نصرت نامور اشخاص گزرے ہیں۔ بلڑ خیل میں لطاف خان، بلند خان پسران ضابطہ خان بلڑ خیل اور خادی خان و محمد امیر خان پسران محب اللہ خان بن بلند خان بن ضابطہ خان، اشرف خان بن لطاف خان اور اس کے تینوں بیٹے مقرب خان، فتح خان اور ارسلا خان یکے بعد دیگرے بھی قابلِ ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ جو ہر ایک اپنے وقت کا حکمران تصوّر ہوتا تھا۔

عمر خیل:- عمر بن سدو (جس کی اولاد عمر خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے محمد خان، منی خان اور بسو خیل ہیں۔

محمد خان بن عمر کی اولاد نیک نام خیل، بوخان خیل، خامل خیل اور میر احمد (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے)

نیک نام خیل یہ ہیں: سید خان ، عمر (جس کی اولاد خانذو خیل سے یاد ہوتے ہیں) بابو (جس کی اولاد زوداب خیل سے مشہور ہے)۔

بوخان خیل یہ ہیں، خویداد خیل، کریم داد خیل اور میاداد خیل۔

خامل خیل یہ ہیں: خندو، بوچا خیل، ذنون، رسید خان، ضابطہ خان بہرام اور قرے ــ میر احمد (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے مصری خیل اور خوشحال ہیں۔

منی خان بن عمر (جس کی اولاد منی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں۔ اوّل جہانگیر (جس کے تین بیٹے کرم خیل، نظر خیل اور شمک (جس کی اولاد شمشہ خیل کے نام سے یاد ہوتے ہے)۔ شمک کے دو بیٹے ترکیال اور سکندر تھے۔ دوم شیرداد جس کے دو بیٹے مراد خان اور دولت خان ہیں۔ مراد خان کی اولاد بر شیرداد خیل اور دولت خان کی اولاد کوز شیرداد خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ سوم رجیب، چہارم گنگیا پنجم طاؤس جس کی اولاد طوس خانی کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔

بسو بن عمر (جس کی اولاد بسو خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے ہیں جو کہ موتی خیل، سونامہ خیل، ممی خیل، رجو خیل اور مزید خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

ان سب کی اولاد مواضعات درہ، کالا، صوابی اور مانیری میں آباد ہیں۔ ان میں میر احمد خان ولد محمد خان (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہیں) ملک احمد کا مشیر تھا۔ اور ملک ترکیال یا ترکی بن شمک بن جہانگیر جو مصری خان کا مشیر تھا، نامور اشخاص تھے۔ نجیب الدّولہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ دیوانہ بابا جس کا اصلی نام جان خان

بن مراد خان تھا بہت بڑے عالم اور شاعر تھے۔ ان کا تخلص جان تھا۔ ان کا تعلق بھی عمر خیل میں شیر داد خیل سے ہے۔ ان کی زیارت کلپانڑی اور مثوانی (بونیر) کے درمیان ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ اور بہت مشہور ہے ان کا ایک قول ہے:۔

"چہ خدائے نہ کہ جان دیوانہ بابا بہ ئے تہ کہ"

اس کا یہ شعر افغان قوم میں ایک بیش بہا ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

دروزئی:۔ دروزد جد سدو کے تین بیٹے بہزاد، میر احمد اور خدو ہیں جو پہلے وقت میں دروزئی سے یاد ہوتے تھے۔ یہ لوگ تحصیل صوابی اور ڈھیر خدو خیل میں آباد ہیں

بھزاد خیل:۔ بہزاد بن سدو (جس کی اولاد بہزاد خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ملک قرہ، اکی اور علی ہیں۔ ملک قرہ (جس کی اولاد قرہ خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے جلو خیل گلا خیل، میرداد خیل، بومبی خیل، خان گجو (سربراہ مملکت) (جس کی اولاد خان خیل سے یاد ہوتے ہے) اور مزید خیل ہیں۔ اکی لاولد ہے۔

گل محمد بن قرہ (جس کی اولاد گلا خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے کشور خیل، آدم خیل اور پائندہ خیل ہیں۔

بومبی بن قرہ (جس کی اولاد بومبی خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے یہ ہیں محمد بیگ، مراد بیگ، ملا عبدالغنی، مصری خان اور احمد خان۔ احمد خان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حبیب خان تھا۔ حبیب خان کے دو بیٹے دیران خان اور محمد خان تھے۔

علی (جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ولی داد خیل، گوار خیل اور نبی خیل ہیں۔ اور بہزاد خیل مواضعات کلابٹ، مانیری یوسفی، جنزانہ اور نصف سلیم خان اور کلان میں مالکان اور آباد ہیں۔

ملک قرہ، اکی، خان گجو، اسماعیل اور مزید کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے آچکا ہے۔ خان گجو کی قبر صوابی اور ڈاگی کے درمیان ایک پہاڑی کے جنوبی دامن میں واقع ہے۔ بہزاد خیل کے ساتھ بطور ہمسایہ باگڑ قوم بھی رہتی ہے۔ موضع کلان میں ایک بزرگ ملا عبدالغنی بن بومبی کی زیارت ہے جو بہزاد خیل سے متعلق ہے۔ اور اغلباً اس کی بعض اولاد ملا خیل سے یاد کئے جاتے ہیں۔

میر احمد خیل:۔ میر احمد بن سدو (جس کی اولاد میر احمد خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے بابو، جانا، اکا، شا خان اور یارا خان ہیں۔

بابو بن میر احمد (جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے ہیں جو بالترتیب جلال خیل، بارد خیل، بیجو خیل اور نورنگ خیل سے مشہور ہیں۔ بیجو خان کا ایک بیٹا خیریت خان تھا۔ (جو تنبیہ الغافلین کا مصنف ہے۔

جانا بن میر احمد (جس کی اولاد جانا خیل سے مشہور ہے) کے آٹھ بیٹے ہیں جس کی اولاد بالترتیب بہرہ خان خیل، حسن خیل، صدیق خیل، دلزاک، درویز خیل، ددو خیل، جلال خیل اور موسیٰ خیل سے یاد ہوتے ہیں۔

اکا بن میر احمد (جس کی اولاد اکا خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں جو بالترتیب بادی خیل، قمرال، ماما خیل، ادریا خیل اور سلطو خیل سے مشہور ہیں۔

سلطو خیل میں دو ذیلی شاخیں اسو خیل اور سنڈر خیل بھی ہیں۔

شاہ خان بن میر احمد کی اولاد شاہ خان خیل سے مشہور ہے۔

یارہ خان بن میر احمد (جس کی اولاد یارہ خیل سے مشہور ہے) کے تین

بیٹے ملک خدائیداد، بلڑ اور اللہ داد ہیں۔ ملک خدا کے دادیا خوئیداد (جس کی اولاد خوئیداد خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے ہیں۔ جو جلال خیل، حبیب خیل، سکندر خیل اور احمد خان ہیں۔ احمد خان کی اولاد خان خیل سے یاد کئے جاتے ہیں۔ احمد خان کے تین بیٹے شاہزادہ خانزادہ اور صاحب زادہ تھے۔

بلڑ بن یارہ خان (جس کی اولاد بلڑ خیل سے یاد ہوتی ہے) کے چار بیٹے ہیں جو مالا خیل، محمدی خیل، مرگند خیل اور گدائی خیل سے مشہور ہیں۔

اللہ داد بن یارا خان کے تین بیٹے عمر خان، کرم خان، مُلا بلال ہیں۔ مُلا بلال کی اولاد مُلا خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔

میر احمد خیل مواضعات مرغز، منکوئی، گاڑ اور نصف سلیم خان میں آباد ہیں۔ ملک یارا خان اور اس کا بیٹا خوئیداد خان یکے بعد دیگرے وزیر رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر و شوکت علی بھی اسی یارا خان کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا حیات خان بن محمد خان ملا خیل مرغز سے روہیلکھنڈ (ہندوستان) گئے اور وہاں مقیم ہوئے۔

خدو خیل :۔ خدو بن سدو (جس کی اولاد خدو خیل سے مشہور ہیں) کے چھ بیٹے بام خیل، قاسم خیل، خواجہ ویس خیل، موسٰی خیل، عثمان خیل اور لال خیل ہیں۔ ان میں سرگین لال خیل مشہور اشخاص میں سے تھا، جس کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں ہو چکا ہے۔

بام بن خدو (جس کی اولاد بام خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے جو مدا خیل، جعفر خیل، کیہل خیل، یونس خیل اور بُدر خیل سے مشہور ہیں۔

مدا بن بام (جس کی اولاد مدا خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے جو خواجہ علی، سلیمان خیل، بلو خیل، جب خیل اور طاؤس خیل سے مشہور ہیں۔

جعفر بن بام (جس کی اولاد جعفر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے جو کربیگ خیل، ارادت خیل، سلطان خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں۔

یونس بن بام (جس کی اولاد یونس خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے جو سوکی خیل، یوسف خیل، عیدو یا ایدو خیل اور بازید خیل ہیں۔

بُدر بن بام (جس کی اولاد بُدر خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ہیں جو کہ پائندہ خیل، بیان خیل اور چینا خیل سے مشہور ہیں۔

قاسم بن خدو (جس کی اولاد قاسم خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے ترودی خیل اور علی خان ہیں۔ ترودی خیل کے دو ذیلی شاخیں منصور خیل اور سعید خان خیل ہیں۔ اور علی خان بن قاسم کے تین بیٹے ہیں جو میرد خیل، بابو خیل اور قدم خیل سے مشہور ہیں۔

موسٰی بن خدو (جس کی اولاد موسٰی خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے سرگند اور اللہ داد ہیں۔

لال بن خدو (جس کی اولاد لال خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے ہیں۔ جو کو کر خیل، اتاری خیل اور تیسرا سرگین تھا جو لاولد ہے وہ دوآبہ کی جنگ میں مرا تھا۔

عثمان بن خدو (جس کی اولاد عثمان خیل سے مشہور ہیں) کا ایک بیٹا ماموں تھا۔ ماموں کے دو بیٹے، اول بہاکو خان سربراہ یوسف زئی اور دوسرا سید خان جو اٹک کے پل کے اوپر جنگ میں قتل ہوا تھا۔ جس کی اولاد نہیں۔ اور بہاکو خان کے تین بیٹے زوجہ اول سے زین خان اور حیات خان، زوجہ دوم سے بہائی خان تھے۔ بہائی خان کے دو بیٹے احمد خان اور محمد اصلاح تھے۔ احمد خان کا ایک

بیٹا خان زمان اور محمد اصلاح کا بیٹا ایمل خان تھا۔ ان کی اولا موضع مخزانی، چلہ وغیرہ میں آباد ہیں۔

زین خان بن بہاکو خان کا ایک بیٹا محبت خان تھا۔ اور محبت خان کے چار بیٹے رحمت خان، افضل خان، بلند خان اور جمال شاہ تھے۔ رحمت خان کے دو بیٹے نامدار خان اور ہمت خان تھے۔ ہمت خان کا ایک بیٹا فیض اللہ خان تھا۔ اور نامدار خان کے چھ بیٹے الف خان، ابراہیم خان انور شاہ، کبیر خان، دلیل خان اور سرفراز خان تھے۔ جس کی اولاد مواضعات کتوزئی وصدر گڑھے دوآبہ تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں اور سرفراز خان کا ایک بیٹا سردار خان تھا۔

الف خان بن نامدار کے دو بیٹے فتح خان اور ناصر خان تھے۔ افضل خان بن محبت خان کے دو بیٹے اسلم خان اور اکرم خان تھے۔ اسلم خان کا ایک بیٹا اکبر خان تھا اور اکرم خان کے دو بیٹے پائندہ خان اور نوشیرے خان تھے۔ بلند خان کا ایک بیٹا حسن خان اور حسن خان کے بیٹے عزیز خان، کرم خان اور مسند خان تھے۔

حیات خان بن بہاکو خان کا ایک بیٹا بہادر خان تھا۔ اور بہادر خان کے دو بیٹے عظمت خان اور شاہ نواز خان تھے۔ (تفصیلی شجرہ نسب تواریخ حافظ رحمت خانی اشاعت سوم میں ملاحظہ فرمائیے)

مشہور قائد یوسف زئی بہاکو خان اسی قبیلے خدو خیل صدو زئی منڈر کے ذیلی شاخ عثمان خیل سے متعلق تھا اور اُن کا قبر علاقہ چملہ میں موضع کنکوئے کے جنوب مغرب قبرستان میں واقع اور مشہور ہے۔ اور ان میں ملک بام (جس کی اولاد بام خیل سے مشہور ہے) ایک بڑا بزرگ تھا۔ اس کا مزار سوات بالا میں مٹہ کے مشرق ایک قبرستان میں ہے۔

قبیلہ خدو خیل مواضعات باجا اور بام خیل میں اور بقایا ڈاگی،

طوطالی، مغزغشتی، خل کلے، چینگلئی، سواوی، سرپٹے، درگلئی، دکاڑہ پنجتار، نوگرام ہیگرڑے، جنگدرہ، تپہ خدو خیل میں قابض اور آباد ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کچھ گھرانے علاقہ چملہ کے خانانُ ڈھیری، مخزانئی، اور کوز کلے، بر کلے میں بھی آباد ہیں۔ ان میں مشہور اشخاص جو اپنے علاقہ میں ہر ایک اپنے اپنے وقت میں حکمران کا درجہ رکھتا تھا، بالترتیب یہ ہیں زین خان بن بہاکو خان پھر اس کا بیٹا محبت خان، اس کا بیٹا رحمت خان اس کا بیٹا نامدار خان، اس کا بیٹا الف خان پھر فتح خان اور آخر میں فتح خان کا بیٹا مقرب خان تھا۔ جس پر اس خاندان کا سلسلۂ امارت ختم ہوا۔ ان میں سے نامدار خان کا بھائی ہمت خان علوم فارسی و عربی میں ماہر اور کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ وہ ایک بڑا عالم گزرا ہے۔ دینی مسائل پر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ میر باز خان بن انور شاہ بن نامدار خان اور اس کا بیٹا مبارس خان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

خدو خیل نے مشترکہ طور پر اپنے حمایتی توغی افغان قبیلہ کو جنگدرہ میں آباد کیا تھا۔ یہ لوگ اخون سالاک کے ساتھ آئے تھے۔ اور قبیلہ پاپین اور سرکی افغان حمایتی قاسم خیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور یہاں کے علاوہ سرکی وغیرہ کے کچھ خاندان چھچھ اور دیر میں آباد ہیں مقرب خان بن فتح خان کی قبر موضع باجا کے قبرستان میں ہے۔

زین خان اور حیات خان پسران بہاکو خان کی قبریں موضع پنجتار تپہ خدو خیل کے قبرستان میں ہیں۔ اور اُن کی والدہ کی قبر بھی ان دونوں کے ساتھ متصل واقع ہے۔ میر باز خان کی اولاد چینگلئی میں اور ہمت خان کی اولاد بر کلے چملہ میں اور سردار خان بن سرفراز خان بن نامدار خان کی اولاد کتوزئی دوآبہ میں آباد ہیں۔ اور اپنے آپ کو سردار خیل کہتے ہیں۔

(۷) رزڑ بن منڈڑ یا منڈڑ یوسف زئی

(جس کی اولاد رزڑ سے مشہور ہیں)

رزڑ کے چار بیٹے مانے، ملک قاسم، اکو اور خوازے ہیں۔

مانی زئی :- مانے بن رزڑ (جس کی اولاد مانی زئی سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے بازید اور بہلول ہیں۔

بازید بن مانے (جس کی اولاد بازید کے نام سے مشہور ہیں) کے سات بیٹے جو ابراہیم، سرگت، سلیمان خیل، خدر خیل، ایدو خیل، احمد خیل اور نیم بالول ہیں۔ ابراہیم بن بازید کی اولاد ناصر خیل، دعوت خیل، ثبت خیل موسیٰ خیل، خان بیک، اور کوباٹ تھے۔ سرگت بن بازید کے دو بیٹے ازی خیل اور ضمن خیل ہیں۔

بہلول بن مانے کی اولاد مبارک خیل، صدیق خیل، زانکی خیل اور اللہ داد خیل ہیں۔

مبارک بن بہلول کی اولاد علی خیل، برہان خیل، حبابی (جو بابی خیل سے یاد ہوتے ہیں) اور عبدالحق ہیں۔

عبدالحق بن مبارک کے پانچ بیٹے ہیں : میر خیل، شاہ ولی خیل، نظر خیل، بات خیل، اور پچیری۔

علی خان بن مبارک کی اولاد یہ ہے، جمال خیل، عظمت خیل، ملک کالو خان، (جس کی اولاد کالا خیل سے یاد ہوتی ہے۔) جانم خیل، ولی بیگ، ولی بیگ بن علی خان کا ایک بیٹا جلال تھا اور جلال کے بیٹے یہ ہیں، دوران خیل، قبول خیل، سنڈی خیل اور مردان ہیں۔

صدیق بن بہلول کی اولاد ہمزہ خیل، سلطان خیل اور جونا خیل ہیں ہمزہ بن صدیق کے تین بیٹے بوبک، پاپاؤ اور سجن ہیں۔ جونا بن صدیق

کے دو بیٹے اختیار خان اور رحیم خان ہیں۔ اختیار خان کی اولاد بھی جونا خیل اور رحیم خان کی اولاد کو زجونا خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔

زانکی بن بہلول کے تین بیٹے مسمیان دریا، حسن اور حبیب ہیں۔

اللہ داد بن بہلول کے تین بیٹے مستمیان سرو، سعادت اور اختر ے ہیں۔

اور یہ لوگ مواضعات ڈاگئی، ترکی، ڈشکی، ترلانڈی، ادینہ اور پرمولی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ اس کے علاوہ کوگا علاقہ چملہ میں بھی آباد ہیں۔ ان میں مشہور اشخاص میں سے ملک کالو خان کا نام قابلِ ذکر ہے۔ ملک کالو خان سربراہِ مملکت کی قبر ترلانڈی اور چک نودہ کی سرحد پر کالو ڈھیر میں موجود ہے۔ دوم بابو جان افغان مانیزئی رزڑ منڈڑ جس کی قبر نوے کلی نزدِ مینگورہ میں بولا بابا کے مزار کے قریب موجود ہے اور جس کی اولاد آجکل مینگورہ میں آباد ہے۔ بابو جان کا تعلق مانے بن رزڑ بن منو بن منڈڑ کی ذیلی شاخ عظمت خیل سے ہے۔ اس کی اولاد مانیزئی سے مشہور ہے اس کی رہائش موضع کوگا علاقہ چملہ میں تھی جہاں سے کسی وجہ سے نوعمری کے زمانے میں ہجرت کر کے موضع زیدہ تحصیل صوابی میں رہائش پذیر ہوا اور کچھ مدت بعد سوات جاکر موضع کبل چندہ خورہ تپہ نیکپی خیل میں شادی کی۔ اس کا ایک بیٹا زمان شاہ تھا جس کے چھ بیٹے تھے۔ ان سب کی اولاد مینگورہ میں مقیم ہے جن کا ذیلی شجرہ نسب شامل کیا جاتا ہے۔

ملک زئی:- ملک قاسم بن رزڑ (جس کی اولاد ملک زئی سے
مشہور ہے) کے چار بیٹے تاج الدین یا تازہ دین، یونس (جس کی اولاد
یونس خیل سے مشہور ہیں)، بادین (جس کی اولاد بادین خیل سے مشہور ہے)
اور معروف (جس کی اولاد معروف خیل سے مشہور ہے)۔

تازہ دین کے چھ بیٹے ملک سلطان شاہ، بہرام، نیر الدین، ملک
سلیمان شاہ (سلیمان خابابا)، عیسٰی اور نیکبی خیل ہیں۔

سلطان شاہ کے تین بیٹے ہیں - اول ملک احمد (قائد یوسف زئی)
دوم محمد اور تیسرا میرک۔

ملک احمد کے چار بیٹے زوجہ اول سے اللہ داد اور میر داد - زوجہ
دوم سے اسماعیل اور کریم داد تھے جو بالترتیب اللہ داد خیل، میر داد
خیل، اسماعیل خیل اور کریم داد خیل سے مشہور ہیں۔

محمد بن سلطان شاہ کے تین بیویاں تھیں۔ دو بیویوں کی اولاد
انہیں کے نسبت سے شمشی خیل اور بائی خیل سے یاد ہوتے ہیں اور
زوجہ سوم سے اس کی اولاد سیدو اور کمال کے ناموں سے مشہور ہے۔

میرک بن سلطان شاہ کی اولاد میرا خیل سے مشہور ہیں۔

عیسٰی بن تاج الدین کے تین بیٹے اول پائندہ (جو باپ کی قائم
مقام تھا۔ اور اس کی اولاد اپنے بیٹے کی نسبت دوندار خیل سے یاد
ہوتے ہیں)، دوم بلڑ (جس کے دو بیٹے ہلال خیل اور بچہ خیل ہیں)
تیسرا مٹہ (جس کی اولاد مٹہ خیل سے مشہور ہے)

ملک سلیمان شاہ بن تاج الدین (جو سارے بھائیوں میں بڑا تھا)
کے بیٹے سید خان، محمد خان، طاؤس خان اور شاہ منصور تھے۔

شاہ منصور کا بڑا بیٹا میر جمال تھا۔ اور ایک بیٹی مبارکہ بی بی تھی۔
نیکی بن تاج الدین کے تین بیٹے تھے۔ جن کی اولاد مشرف خیل، لنگر خیل،

اور بہائی خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

ملک سلطان شاہ کا بیٹا قائد یوسفزئی ملک احمد بھی اس قبیلے سے متعلق تھا۔ ملک سلیمان شاہ (جو سلیمان خابابا کے نام سے مشہور ہیں) کے بیٹے طاؤس خان و شاہ منصور کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں کیا گیا ہے۔ جو بڑے نامور اشخاص گزرے ہیں۔ اور اس قبیلہ میں تاجک بن معروف بھی بہادر شخص گزرا ہے، اور نیز غازی[1] خان بن خان منڈر ملک زئی جو جنگ شیخ تپور میں مرا تھا، بہت نامور شخص تھا۔ اس کے نام سے اب تک غازی کوٹ موسوم ہے۔ جو یار حسین کے قریب جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہاں اس کا قلعہ اور رہائش تھی؛ یہ لوگ مواضعات یار حسین، یعقوبے، شیر درہ تحصیل صوابی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ اور کچھ گھرانے موضع کوگا چملہ میں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے موضع سوڈھیر اولاد قیاس قوم میانہ افغان کو بطور سیری دیا تھا۔ اور غازی کوٹ میں بھی اپنے حمایتی آباد کئے تھے۔

ملک احمد کے چار بیٹے ہیں، اللہ داد، میر داد، کریم داد اور اسمٰعیل۔ ملک احمد کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور وہ دو گروپوں میں منقسم ہو گئے۔ ان کی اولاد کے ان دو گروپوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ شجرۂ نسب میں ان دونوں ناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تحقیقات کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ موضع یار حسین میں ملک زئی کے ایک گروپ کا جرگہ کندے کریم داد خیل اور سلیمان خا کے درمیان پتھروں کے درمیانی احاطہ میں ہوا کرتا تھا۔ یہ پتھر ابھی تک موجود ہیں؛

---

[1] غازی خان کی اولاد موضع کوگا میں آباد ہیں۔ اور خان کور سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اور ملک زئی کا دوسرا گروپ تنگئی نالہ کے نزدیک جانب جنوب مغرب جس میں کندی بلاڑ خیل ابھی آباد ہیں۔ جرگہ کیا کرتا تھا۔ اس مقام کو اُس وقت زیدہ ڈھیری کہا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے پہلے گروپ کا نام خاتو اور دوسرے کا زیدہ ہوا۔ اور ان دو گروہوں کو خاتو خیل [illegible] خیل کے نام دیے گئے۔ واضح رہے کہ انگریز کے آنے سے کچھ قبل اور پھر انگریز کے وقت میں ملک زئی کا ملک ولیتہ اخونزادہ تھا۔

اکوخیل:۔ اکو بن رنڑ (جس کی اولاد اکوخیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے بابی اور منا تھے۔ بابی کی اولاد بابی خیل سے اور منا کی اولاد مناخیل سے مشہور ہیں۔

بابی بن اکو کا ایک بیٹا اسماعیل ہے اور اسماعیل کے چھ بیٹے قابل خیل، انکو (جس کو اُتی خیل کہتے ہیں)، نورالدین، مغدود خیل، یحیٰی اور مانے ہیں۔ انکو بن اسماعیل کا بڑا بیٹا عجب خان تھا۔ اور عجب خان کا ایک بیٹا نواد خان تھا۔ جس کی اولاد نواد خیل سے مشہور ہیں۔

منا بن اکو (جس کی اولاد مناخیل سے یاد ہوتے ہیں) کے چار بیٹوں کی اولاد بالترتیب ملک دین خیل، اموخیل، بکا خیل اور ابا خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

یہ لوگ اسماعیلہ، دھوبیان، سٹرہ چینہ، بازارگے، دولت، میرالی اور چند گھرانے کوگا علاقہ چملہ میں آباد ہیں۔ اکوخیل میں ابراہیم خان ولد لشکر خان بابی سکھوں کے خلاف جنگ میں مع ستر آدمیوں کے بمقام گیلہ کنڈاؤ شہید ہوا تھا۔ یہ مقام اسماعیلہ سے شمال کی جانب ہے اس کے بھائی اسماعیل خان نے سکھوں اور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ جس کے صلے میں انگریز نے اُسے خان رنڑ کا خطاب دیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد خادی خان کو رنڑ کا خان بنایا تھا۔ والیان جوناگڑھ صدرخانا

وادر بھی اس قبیلے اکوخیل کے بانی کے اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔

خوازے بن رزڑ:- اس کے تین بیٹے اوریا، میرک اور ولی ہیں جن کی اولاد بالترتیب اوریاخیل، میرک خیل، اور ولی خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ افغان جرگہ کے قانون کے مطابق کسی جرم کے تحت اُسے تپہ رزڑ کی تقسیم میں حصہ داری سے محروم کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اکو کو اس سے پیار و محبت تھا۔ اس لئے اکو نے اُسے اپنے حصہ میں سے کچھ حصہ دیا۔ اور وہ اُن کے ساتھ موضع اسماعیلہ وغیرہ میں رہائش پذیر ہوئے

(۸) خضر بن منداڑ

خضر:- (جس کی اولاد کو خضرزئی کہتے ہیں) کے چار بیٹے شموزئی، یوسف خیل، عمرزئی اور گدائی خیل ہیں۔

شمو بن خضر (جس کی اولاد کو شموزئے کہتے ہیں) کے تین بیٹوں کی اولاد بالترتیب یارہ خیل، بارن خیل اور احمد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یارہ بن شمو کے چار بیٹوں کی اولاد ابراہیم خیل، چورہ خیل، غلام خیل، اُڈدکی کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ بارہ بن شمو کی اولاد چورہ خیل، غلام خیل سید خیل اور پائندہ خیل ہیں۔ احمد بن شمو (جس کی اولاد احمد خیل ہیں) کے تین بیٹے اول عمرخان (جس کی اولاد کو عمرزئی کہتے ہیں) دوم سعدی (جس کی اولاد کو سعدی خیل ہے) اور سوم نجابت جس کی اولاد کو نجابت خیل کہتے ہیں۔

یوسف بن خضر (جس کی اولاد کو یوسف خیل کہتے ہیں) کے چار بیٹے ہیں۔ شیخ فاضل جس کی اولاد شیخان سے یاد ہوتی ہے۔ احمد جس کی اولاد احمد خیل سے مشہور ہے۔ سیدی جس کی اولاد کو سیدی خیل کہتے ہیں۔ اور موچی جس کی اولاد کو مچہ خیل کہتے ہیں جو اس وقت نہ ہونے کے برابر

ہیں۔

گدائی بن خضر جس کی اولاد کو گدائے خیل کہتے ہیں۔

عمر بن خضر (جس کی اولاد کو عمرزئے کہتے ہیں) کے چار بیٹوں کی اولاد بازید خیل، منان خیل، ماماخیل اور لوداخیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

بازید بن عمر کے بیٹے اخون بالول، شیخ حق اور شمشاد ہیں۔ اخون بالول کے تین بیٹے ملا ایمل، کیمل اور کلو ہیں۔ اور شمشاد کا ایک بیٹا ابراہیم پھر سید احمد جس کے دو بیٹے تاج محمد اور زوتے ہیں۔ تاج محمد کی اولاد تاجہ ٹل اور زوتے کے بیٹے ہیبت کے نام ہیبت خیل سے یاد ہوتے ہیں شیخ حق بن بازید کے ذیلی تین شاخیں رسول خیل، وردگ اور عثمان خیل ہیں۔

منان بن عمر (جس کی اولاد منان خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے احمد، عیسٰی، اکو جس کی اولاد بالترتیب احمد خیل، عیسٰے خیل اور اکوخیل سے یاد ہوتے ہیں۔ احمد بن منان کے دو بیٹے رحیم داد اور اُذر خیل ہیں۔ اور عیسٰی خیل ہیں بھی دو گھرانے رستم اور سید الی کے نام سے ہیں۔ واضح رہے کہ رحیم داد بن احمد کی اولاد احمد خیل سے مشہور ہیں۔

ماما بن عمر (جس کی اولاد ماماخیل سے یاد ہوتے ہیں) کی اولاد سلیمان خیل، فاطمہ خیل، سروال خیل اور معروف خیل ہیں۔

لودا بن عمر (جس کی اولاد لوداخیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے تازہ خیل، میراخیل اور عیسٰی خیل ہیں۔

یہ سب لوگ مواضعات کالوخان، شیرہ غونڈہ، مداخیلہ اور شیوہ میں آباد ہیں۔ اور خلیل سنبٹی، تختہ بند، نصف امان کوٹ کے مالک بھی ہیں۔ موضع خلیل میں ان کے ہاں قبیلہ کنڑ آباد ہے۔ اس گاؤں

میں ان کو حصہ ملا تھا۔ حمزہ ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی۔ جسے انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام میں سید حسین میاں کو دیا تھا۔ سید حسین میاں نے اورنگزیب مغل کے خلاف لنگر کوٹ کے جنگوں میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ نیز قبیلہ خلجی افغان اور چند گھرانے اوان قوم کے بھی ان کے پاس شیوہ میں آباد ہیں اور ان کو تقسیم میں حصہ ملا تھا شیرہ غونڈ میں خضرزئی کے علاوہ ملک مجد اور اجی بابا کی اولاد جو اخون زادگان کہلاتے ہیں، بھی آباد ہیں۔ یہ نسلاً افغان اور اتمان میں کنازئی کی بارہ خیل سے ہیں۔ ملک مجد شیرہ غونڈ میں اور اجی بابا ترکئی میں مدفون ہیں۔ مجد جو بڈا بابا سے مشہور ہے اخون اورخان زرزڑ تھا۔ دلزاک کے چند گھرانے کالوخان میں اور تختہ بند میں بھی چار افغان خاندان اُن کے پاس آباد ہیں۔ یعنی بونیر وال جو توری زئی ہیں سوگا والے جو مانی زئی رزڑ ہیں۔ اخونزادگان جو کلا ایل خضرزئی کی اولاد ہے اور دلزاک، جس پر وہ قابض ہے۔

واضح ہو کہ خضرزئی کے علاوہ سید حسین میاں اور ان کے ساتھیوں کو قبیلہ مانی زئی نے موضع غلا ماں، قبیلہ امان زئی نے موضع جلال دناجہ، قبیلہ خدوخیل نے موضع نوگرام، قبیلہ کمال زئی نے موضع محب بانڈہ اور اکوخیل قبیلہ نے موضع نذر بانڈہ بطور صلہ خدمات انعام میں دیے تھے۔ خضر بن منڈر کی اولاد میں مشہور اشخاص رحیم داد ولد احمد بن منان شیخ فاضل، جس کی اولاد موضع شیوہ میں شیخان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ شموزئی کے عمر خان بن احمد جس کی اولاد موضع شیوہ میں عمرزئی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اخند اور مشکار جنہوں نے سید احمد شاہ کے ساتھ تحریک میں شمولیت کی تھی۔ سب قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ خضرزئی موضع اگاری چملہ میں

بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور ان میں سے عمرزئی شاخ کے چند گھرانے چھچھ میں بھی آباد ہیں۔

(۹) محمود بن منڈر

محمود یا مامو بن منڈر (جس کی اولاد ماموزئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اکا، بوبا اور بدین المعروف خانے، کے ناموں سے ان کی اولاد بالترتیب اکاخیل، بوباخیل اور خانی خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اکاخیل:۔ اکا بن محمود کے تین بیٹے نیک خیل مترک اور ولی خیل ہیں۔ اور اولاد مترک کے علاوہ باقی دونوں خیل موضع اسوٹا میں رہتے ہیں۔ موضع کانگو ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی مگر انہوں نے جہانگیر خان بلوخیل ساکن زیدہ کو انعام میں دیا تھا جس پر اس کی اولاد آباد ہیں۔ روایت ہے کہ ولی خیل زیادہ تعداد میں دریائے سندھ پار کر گئے تھے۔ واضح ہے کہ نیک خیل کے ایک ذیلی شاخ کمال خیل ہے۔

مترک بن اکا کا ایک بیٹا کدو تھا جو ماموزئی قبیلے کا سربراہ تھا اور کدو کے نام کی نسبت سے موضع کدوزئی یا کتوزئی موسوم ہوا ہے ابتدائی دور میں اس مقام پر دوآبہ میں ماموزئی آباد تھے۔

بوباخیل:۔ بوبا بن محمود کے چار بیٹے احمد خیل، علی شیر خیل، قرہ خیل اور نکو خیل ہیں۔ بوباخیل موضع شیخ جانہ و اگاری میں آباد ہیں۔

احمد خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں دور خیل، ستا خیل اور پایندہ خیل۔

علی شیر خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں سیف الدین خیل، شاہی خیل اور اسماعیل خیل۔

قرہ خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں محمدی خیل، ساندی خیل، اور سلطان خیل ہیں۔

بکو خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں ، بہرام خیل اور یحییٰ خیل۔

ماموزئی بوباخیل کے ایک نامور شخصیت اسوٹا باباجی

ان کا نام حمید اللہ اور والد کا نام شرف شاہ بن قطب شاہ بن مسعود شاہ ہے ۔ ان کا شمار نامور بزرگوں میں ہوتا ہے ۔ تعلیم کے مدارج سے فارغ ہو کر انہوں نے ساری زندگی تبلیغ اور اصلاح میں گزاری اور ۱۳۰۳ھ میں بمقام اسوٹا وفات پائی اور وہیں ان کی زیارت ہے اُن کی تقدس کی وجہ سے اسوٹا شریف کہا جاتا ہے ۔ وہ نسلاً افغان اور قبیلہ ماموزئی کے ذیلی شاخ بوباخیل میں طل علی شیر خیل سے متعلق ہے ۔ جدی گاؤں بمطابق تقسیم شیخ ملی موضع شیخ جانہ تھا ۔ اُن کا جدِ امجد مسعود شاہ بڑا عالم فاضل شخص تھا ۔ جس کو موضع اسوٹا کے لوگوں نے مجبور کر کے اپنے پاس رہائش پذیر کیا تھا ۔ اور ان کی گزرِ اوقات کیلئے اراضیات وغیرہ بھی وقف کر دی تھی ۔ ساکنانِ اسوٹا ان کے عزیز دار یعنی اکا خیل ماموزئی تھے جس کے سبب وہ وہاں منتقل ہو جانے اور مستقل سکونت پر راضی ہو چکے تھے ۔

مسعود شاہ کے تین بیٹے تھے وہ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلے ۔ ان کا بڑا بیٹا قطب شاہ تھا ۔ جس کا پوتا حمید اللہ المعروف اسوٹا باباجی ہے ۔ جن کی اولاد باچہ گان سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ اور وہ عبدالغفور اخوند سوات کے معتقد اور شیخ محمد شعیب تورڈھیر کا مرید تھا ۔

مسعود شاہ کا دوسرا بیٹا مہدی شاہ اور تیسرا محسن شاہ تھا ۔ مہدی شاہ کا پہلوٹا بیٹا قاضی صفی اللہ تھا ۔ جس نے تعلیم کے مدارج مختلف علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد موضع پرمولی میں سکونت اختیار کی ۔ بعد میں اس کا ایک بیٹا حافظ عبدالجلیل موضع اسوٹا میں

جا کر آباد ہوا اور اس کی اولاد حافظان قرآن سے مشہور ۔ اور قاضی صفی اللہ کا دوسرا بیٹا قاضی عبدالمجید موضع پرمولی میں رہا ہے ۔ جس کی اولاد قاضیان پرمولی سے یاد کئے جاتے ہیں جن میں قاضی حبیب الحق صاحب جو کہ ایک مخلص قومی کارکن ہے ۔ بقید حیات ہے ۔ محسن شاہ بن مسعود شاہ کے دو بیٹے محمد شعیب اور نور اللہ تھے جو موضع اسوٹا میں آباد تھے ۔ ان میں بڑے بڑے علماء اور قاضیان ہیں اس وقت بھی یہ پورا خاندان علمی گھرانہ ہے ۔

خانی خیل :۔ بدین المعروف خانے بن محمود یا ماموا (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں ۔

زوجہ اول سے جان محمد ، زوجہ دوم سے لوٹے سدین ، زوجہ سوم سے خوور اور زوجہ چہارم سے دو بیٹے سدین وڑو کے اور خواجو ویس ہیں ۔

جان محمد بن بدین المعروف خانے (جس کی اولاد جان محمد خیل سے مشہور تھی) کے تین بیٹے ہیں ۔ زوجہ اول سے سرگن اور زوجہ دوم سے خماری اور شمشو (جن کی اولاد بالترتیب خماری خیل اور شمشو خیل کے نام سے یاد ہوتے ہیں اور شمشو خیل کی ایک ذیلی شاخ شانور خیل بھی ہے جو نارنجی میں آباد ہے ۔

سرگن بن جان محمد کے چار بیٹے ہیں جو کہ زوجہ اول سے تین بیٹے بابا علی (جس کی اولاد بابا علی خیل سے مشہور ہیں) ، حیدر (جس کی اولاد اس کے بیٹے سید خان کے نام سے سید خانی سے یاد ہوتے ہیں) اور ستار خان ہیں ۔ اور زوجہ دوم سے کرم ہے ۔

کرم بن سرگن کے تین بیٹے مست ، موزہ خان اور حسن علی ہیں مست کے بیٹے کاچو کے نام سے اس کی اولاد کو کاچو خیل کہتے ہیں ۔

اور حسن علی کے بیٹے بہادر کے نام سے اس کی اولاد کو بہادر خیل کہتے ہیں۔ اور اولاد موزہ خان بن کرم نارنجی میں بوہ خونہ کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔

خودو بن خانے (جس کی اولاد خودر خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹوں کی اولاد بالترتیب ہیبت خیل، ہمزہ خیل اور بلی خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

سید خان اور سارخان کی اولاد کا غذاتِ مال میں کندی بابا علی خیل کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سارخان کی اولاد ٹھکہ کور سے نارنجی اور موضع اگاری میں مشہور ہے۔ کرم کی اولاد پہلے وقتوں میں کرم کور سے یاد کیے جاتے تھے۔ مگر اب اس کی اولاد اس کے پوتوں (یعنی کاچو اور بہادر) کے ناموں سے کاچو خیل اور بہادر خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خانی خیل نواں کلی اور نارنجی میں آباد ہیں اور ماموزئی مشترکہ طور پر چند خاندان موضع اگاری چملہ میں بھی مالکانہ حیثیت سے رہتے ہیں۔ ماموزئی کے تینوں ذیلی شاخوں سے چند گھرانے موضع شینکئی علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہوئے تھے۔ موضع منصب دار خانی خیل کی ملکیت تھی جسے انہوں نے اولاد میاں اللہ داد کو بطورِ صلہ خدمات، انعام میں دیا تھا۔ جو اورنگزیب مغل کے خلاف جنگ لنگر کوٹ میں بونیر سے آکر شامل ہوئے تھے نصف موضع امان کوٹ ماموزئی کی مشترکہ ملکیت تھی۔ اسی طرح وہ بھی سید حسین میاں کو انہوں نے بطورِ صلہ خدمات انعام دیا تھا ماموزئی میں مشہور و نامور اشخاص ملک کدو اکاخیل، بابا علی اور ملک کاچو خانی خیل، ظریف اکاخیل، موزہ خان بوبا خیل اور رحیم خان

خانی خیل گزرے ہیں۔ رحیم خان کے متعلق کتاب حیات افغانی میں صفحہ ۱۶۹ پر درج ہے کہ:۔

"رحیم خان راست گو آدمی ہے۔"

اور اسی طرح خوانین طورو نے اس کو دانشمند رزڑ سے یاد کیا کرتے۔

یہ تھا شجرۂ نسب خانی خیل ماموزئی منڈر یوسف زئی کا ذکر۔

راقم الحروف روشن خانؒ کا نسبی تعلق بھی اسی قبیلہ ماموزئی سے ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اس مقام پر میں اپنا شجرۂ نسب بھی درج کر دوں جو ذیل میں ہے:۔

"روشن خان بن محمد لعل خان بن غلام محمد خان بن نواب خان بن منصور بن اعظم بابا بن محمد نور بن بلال بن جلال بن ابدال بن کمال بن بابا علی بن مرگن بن جان محمد بن بدین معروف خانے (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) بن محمود معروف ماموؔ (جس کی اولاد ماموزئی سے یاد ہوتے ہیں) بن منڈر یوسف زئی بن عمر بن مندے بن خخے یا خشئے بن کند بن خرشبون بن سڑہ بن جبس کا اعزازی باپ قیس عبدالرشید بن عیص ہے۔ جو حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی نسل سے تھا۔"

مخفی نہ رہے کہ راقم الحروف یعنی مؤلف کی تاریخ پیدائش ۱۳۲۷ ہجری ہے

تپہ رزڑ

جیسا کہ ہم نے یوسف اور منڈر کے سلسلہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ افغان قوم میں یہ ایک رسم تھی کہ چھوٹے بھائی یا بھتیجے کی اولاد بڑے بھائی یا چچا کے نام سے یاد ہوتی رہی۔ بعینہٖ اس رسم کے مطابق رزڑ میں ماموزئی اور خضر زئی کی اولاد بھی بڑے بھائی رزڑ

کے نام سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ انگریز کے بندوبست اراضیات ۱۸۷۰ء میں تپہ رزڑ کے جرگے کا ایک فیصلہ صوابی تحصیل کے محافظ خانہ میں محفوظ ہے۔ جس کی نقل ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ بیان میں اس تپہ کو بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس سے اس کے شجرہ اور تقسیم اراضی اور خانگی رواداری کا بھی صحیح پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ۔

" درمیان ہم مالکان تپہ کے ذیل تپہ جات مندرجہ ماتحت بر، مانی زئی، ملک زئی، اکوخیل، خضرزئی، محمود زئی، قطعہ فنڈ تقسیم بوجہ رسمی ہو رہی ہے۔ وجہ رسمی ہونے کی یہ ہے کہ رزڑ، خضرہ، محمود، ہر سہ برادران یعنی مورثیان تھے۔ تپہ کو سلسلہ وراثت کی رو سے تینوں بھائی برابر کے حصہ دار اور مستحق تھے۔ لیکن رزڑ کی وفات تک عمل بالاجمار رہا تھا۔ بعد فوتیدگی رزڑ کے خضرو محمود نے ہمراہ مستیان مانے، ملک (قاسم) اور اکو پسران رزڑ کے حسب رضامندی پانچ جگہ پر حصہ مساوی تقسیم کرلی۔ خوازے ولد رزڑ کو تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا۔ اکو نے اپنی خوشی سے اس کو اپنے حصہ میں شریک کرلیا تھا۔"

شجرہ نسب بایزید انصاری پیر روشن ماخوذ از خیر البیان صہ ۴

محمد شیخ

عبدالرحمن — قاضی عبداللہ — خداداد

محمد یعقوب — بایزید (پیر روشن) — اسماعیل — محمد کمال

محمد علی — شیخ سلطان — زوجہ بی بی شمسو — زوجہ نور سے اوتی — زوجہ دقی

سکندر (زوجہ مریم خاتون) — دولت — اللہ داد

وحدت علی

میاں داد

دختر مرزا خان (الغاسکی) — شیخ عمر — خیر الدین — نور الدین — کمال الدین — جلال الدین — کمال خاتون

احداد — ولی داد — مرزا خان — پیرداد — زوجہ علی خان — محمد زئی (محمد زئی)

مرزا خیر اللہ — مرزا اسحاق

زوجہ بی بی الٰہی

عبدالکریم — عبدالقادر — دریا خاتون

زوجہ محمد زمان

دختر (زوجہ عبداللہ خان) — دختر زوجہ مہیداد — عبدالواحد

زوجہ نور خاتون دختر جلال الدین — خداداد — عبدالحکیم — عبدالغنی — نیخ خاتون — سلیم خاتون زوجہ جہاں داد پسر وحدت علی — زوجہ رشید خان — مریم خاتون زوجہ سکندر

محمد زمان — شاہ زمان زوجہ دختر قتلاقان بمادر جلال کا نیک بخت — ولی محمد

خداداد — مہیداد

اللہ داد خان (رشید خان اول) — بادی داد خان — بی بی الٰہی زوجہ احداد — نور خاتون زوجہ مرزا خان — عالم خاتون — کریم داد — میاں داد — صاحب خاتون

صاحب داد — اسد اللہ — الہام اللہ (رشید خان ثانی) — عبداللہ خان — نور اللہ — حبیب اللہ

عبدالکریم — عبدالسبحان — عبدالرحمٰن — فاطمہ — رابعہ

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ

★

باب (۱۲)

تحریکِ احیائے قومی کا ایک اہم باب

تحریک روشنائی

یوسف زئی قوم کی سرگزشت کا ایک اہم باب احیائے قومی کی وہ تحریک ہے جو تاریخ میں تحریک روشنائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس سرگزشت کی تکمیل و جامعیت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اس تحریک کے پس منظر، آغاز، ارتقاء اور اس کے نتائج پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

تحریک روشنائی کے قائد

بایزید انصاری المعروف پیر روشن یا پیر روخان

بایزید انصاری کے: والد کا نام عبداللہ قاضی، نسلاً پختون اور قبیلے کے لحاظ سے اُرمڑ یابرکی تھا جو سڑہ بن افغانوں میں شامل ہے۔ مکمل شجرۂ نسب بقول عبدالاکبر خان محمد زئی اشنغر یوں ہے:

"بایزید انصاری بن عبداللہ قاضی بن بایزید اول (بابا شہباز) بن شیخ محمود یا محمد شیخ بن شیخ سراج الدین بن ابراہیم دانشمند۔ بایزید کے (زوجہ

بی بی شمسو کے بطن سے) پانچ بیٹے تھے۔ شیخ عمر، نورالدین، خیرالدین، کمال الدین اور جلال الدین۔ باپ کے مرنے کے بعد شیخ عمر اس کا جانشین ہوا۔"

قبیلہ اُرمڑ یا برکی کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ جس وقت ان کے آباء و اجداد بخت نصر کے ہاتھوں شام سے جلاوطن ہوئے تو آرمینیہ میں آباد ہوگئے اور شہر کا نام برکی رکھا۔ یہ لوگ شمالی شام جو اس وقت ترکوں کے قبضہ میں ہے، کے برکی نامی شہر سے آئے تھے۔ اور بورک یا بورق ان کے جدّاعلیٰ کا نام تھا جو ایک اسرائیلی پیغمبر گزرے ہیں۔ ۳۲۲ء میں آرمینیہ میں جب جلاوطن اسرائیلی عیسائیوں نے سہاک اور وادان کی سرکردگی میں ایرانی مجوسی زرتشتی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی، اور آرمینیہ کے دارالسلطنت "آرتاکستا" پر قبضہ کرلیا تو ان عیسائی افغانوں نے وہاں کے آتش کدوں کی آگ بجھائی جس میں پہل برکی قبیلہ نے کی۔ اُس وقت سے وہ اُرمڑ یعنی آگ بجھانے والے مشہور ہوئے اور وہ شہر اُرمیہ کے نام سے مشہور ہوا اُس کے مشرق جانب ایک جھیل ہے جسے جھیل اُرمیہ کہتے ہیں، یہ بھی اُن کے نام سے مشہور ہوا۔ کافی عرصہ بعد یہ لوگ وہاں سے بھی اپنے عزیزوں سمیت ملک بدر کئے گئے اور وہ برکی دریائے سیحوں کے بالائی حصّہ کے کنارے آباد ہوگئے۔ اُس جگہ کا نام برکی مشہور ہوا۔ اس وقت یہ شہر روس کے قبضہ میں ہے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ ایران اور موجودہ افغانستان کے درمیان دشت لوط کے مشرقی پہاڑوں پر آباد نظر آئے اور پھر شیخ حمید کے زمانہ میں غزنی کے اردگرد آباد ہوگئے۔ اس وقت بھی اُن کے کچھ لوگ وہاں آباد ہیں۔ شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ میں یہ لوگ کانیگرام آئے اور اب تک وہاں آباد ہیں۔

قبیلہ اُرمڑ یا برکی کے ذیلی شاخوں میں ایک شاخ انصار کی ہے۔ آرمینیہ کا پہلا بادشاہ سہاک وہ ہے جس کی نسل سے غوری خاندان چلا آتا ہے جس طرح پٹہ خزانہ مطبوعہ کابل نے غوریوں کے جدّاعلیٰ کا نام سہاک دکھایا ہے۔ اس کا ذکر ہم اپنی کتاب حواشی بر تواریخ حافظ رحمت خانی میں کرچکے ہیں۔

بایزید انصاری کی پیدائش جالندھر میں ۹۳۱ھ میں ہوئی۔ اس کی والدہ کا نام آمنہ بنت حاجی ابوبکر قوم سے افغان تھیں۔ والد قاضی عبداللہ جالندھر میں ابراہیم لودی کے قاضی تھے۔ جب ابراہیم لودی نے بابر سے شکست کھائی تو افغان سراسیمہ ہوئے۔ کچھ بہار کی جانب بھاگ نکلے اور کچھ اپنے آبائی وطن واپس آئے اُن میں قاضی عبداللہ بھی اپنے آبائی وطن چلے آئے۔

بایزید جو بعد میں پیر روشن اور مخالفین کے زبانی پیر تاریک سے مشہور ہوئے۔ اسی قبیلہ اُرمڑ کے ذیلی شاخ انصار سے متعلق تھے۔ جو اسی قبیلہ انصار کی نسبت سے وہ بایزید انصاری سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد شفیع جن کے کتب خانہ میں حالنامہ اور مقصود المومنین بیان کی جاتی ہیں، بایزید کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"اپنے خاندان کے نامساعد حالات کے باوجود جب کبھی اسے موقع ملتا وہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوجاتا۔ لیکن وہی علوم حاصل کرتا جن کا تعلق عبادۃ اللہ سے ہوتا۔ اُس کی تمام تر توجہ دینی اعمال اور مذہبی فرائض کی تفصیلات معلوم کرنے پر مرکوز رہی اور اُس نے بڑی پابندی سے سرانجام تک پہنچایا۔" (بحوالہ یوسفی)

سید علی المعروف بہ پیر بابا صاحب بونیر

پیر بابا کا نام سید علی اور والد کا نام قمر علی ۔ قوم کے ترمذی سیّد اور اخون درویزہ کے پیر تھے ۔ وہ ایک مشہور پیشوا گزرے ہیں۔ آج تک کئی لوگ ان کی زیارت پر فاتحہ پڑھنے کیلئے جاتے ہیں ۔ اُن کا شجرۂ نسب بقول اخون درویزہ' یوں ہے :- قمر علی بن سید احمد یوسف بن احمد نور بخش بن سید نعیم بن احمد نداف بن احمد مشتاق بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن اسحاق بن عثمان بن جعفر بن محمد بن حسام بن شاہ ناصر بن سید جلال گنج علم بن سید امیر بن عبد الرحیم بن سید محمود مکی بن محمد مہدی بن حسن عسکری بن علی نقی بن امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین بن امام علی اصغر بن امام حسین بن بی بی فاطمہ زہرا منکوحہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ۔

اخون درویزہ اپنی تصنیف تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھتے ہیں کہ:-

"پیر بابا مغلیہ گھرانے کا بھانجا تھا۔ ان کے والد قمر علی کا تعلق سلاطین مغلیہ سے تھا۔ اُس نے دنیاوی منصب اختیار کیا حتیٰ کہ وہ امیر نظر بہادر کے خطاب سے نوازا گیا"

زیارت پیر بابا کے امام مسجد مولوی عبد الغفور اپنی تصنیف "حیاۃ طیبہ پیر بابا" میں لکھتے ہیں کہ :-

"بابر نے اپنی لڑکی سید قمر علی کو جو اُس کے فوجی مشیر تھے، دی تھی جس کے بطن سے پیر بابا پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ بابر کے نواسے اور ہمایون کے بھانجے ہوتے ۔ پیر بابا کی پیدائش ۹۰۸ ھ بمقام ترمذ اور وفات

۹۹۱ھ ہے ۔ مزار شریف علاقہ بونیر کے موضع پاچا کے شمال میں ہے ۔ انہوں نے بونیر کے یوسف زئی گھرانے میں شادی کی ۔ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام سید حبیب اور دوسرے کا نام مصطفیٰ تھا ۔ سید حبیب پیر بابا کے ساتھ مغرب کی طرف دفن ہیں ۔ ان کی کوئی اولاد نہیں سید مصطفیٰ کونڑ میں دفن ہیں ۔ ان کے تین لڑکے سید حسن قاسم اور عبداللہ تھے ۔ ان سے پیر بابا کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا ۔ پیر بابا کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب ہمایوں کو شکست ہوئی تو پیر بابا پنجاب ہوتے ہوئے علاقہ پشاور آ گئے ۔ یہاں تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی ۔ ہر علاقے میں جاکر لوگوں کو جمع کیا اور مسجدوں میں تدریس کا کام عالموں کے سپرد کیا ۔ یہاں پر پیر بابا کی معیت میں بہت اچھے عالم دین شامل ہوگئے ۔ ان میں ایک اخون درویزہ صاحب بھی تھے جو پیر بابا کے راز دار بن گئے ۔ کچھ عرصہ بعد یعنی اکبر بادشاہ کے زمانے میں پیر بابا بونیر میں تشریف لائے یہاں کے لوگ بہت بڑی جہالت میں مبتلا تھے اور ایک بہت بڑا منافق جو پیر روشن کے نام سے مشہور تھا ، اسلام کے نام پر بے اسلامی پھیلا رہا تھا ، اور بڑی گمراہی میں لوگوں کو ڈال دیا تھا ۔ پیر بابا نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ یہ روشنی نہیں پھیلاتا بلکہ "تاریکی" پھیلاتا ہے ۔ چنانچہ ابھی تک پیر روشن کو پیر تاریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ پیر بابا نے پیر تاریک کے ساتھ بہت مقابلے کئے کیونکہ پیر تاریک کا لوگوں پر بہت اثر ہوگیا تھا ۔ اور اس اثر

کو بغیر سخت مقابلے کے نہیں دور کیا جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ پیر بابا کو پیر تاریک کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرنی پڑی جس میں پیر تاریک کو شکست ہوئی تب جاکر وہ اثر زائل ہوا۔"

اخون درویزہ کا نسب و احوال (ماخوذ از مخزن و تذکرہ)

اخون درویزہ ملا زنگی پاپنی کا شاگرد، پیر بابا کا خلیفہ اور نسلاً ترک تھا۔ پیدائش ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۳۳ء اور وفات ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء ہے۔ پشاور میں ۱۰۸ سال کی عمر میں وفات پاکر شہر کے قریب ہزار خوانی کے قبرستان میں دفن ہوا۔ اُن کا مکمل شجرۂ نسب یہ ہے اخون درویزہ بن گدائی بن سعدی بن درغان بن احمد بن متہ بن جیون بن جنتی۔

درغان ننگرہار میں پاپنی کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ جہاں اُن کا بیٹا سعدی جوان ہوا اور ۸۸۰ھ مطابق ۷۵-۱۴۷۴ء میں جب یوسف زئی مرزا الغ بیگ سے خفا ہوکر ننگرہار آئے تو وہ اُن کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور اُن کے ہمراہ خیبر کے راستے پشاور آیا سعدی کی معیت میں پاپنی کے کئی اور لوگ بھی اس سفر میں شامل ہوکر آئے تھے جو یوسف زئیوں کے ہر تکلیف و راحت میں ان کے ساتھ رہے۔ جب سوات بونیر وغیرہ فتح ہوئے اور شیخ ملی نے اراضیات کی تقسیم کی تو سعدی کو بھی اُن کی خدمات کے سلسلے میں بطور انعام تیس (۳۰) آدمیوں کا حصّہ ملا اور یہ حصّہ ان کو قبیلہ ملی زئی کے ذیلی شاخ منڈی زئی کے ساتھ دیا گیا۔

پاپنی غیر افغان اور سعدی کے تعلقدار تھے۔ اور موضع پاپن علاقہ

ننگرہار میں سکونت کی نسبت سے پاپنی مشہور ہوئے۔ قوم پاپنی میں اخون درویزہ کے معاون مشہور اشخاص یہ ہیں:۔ حاجی محمد المعروف بہ ملا زنگی، ملا سنجر، ملا مصر احمد۔ یہ صاحبان اخون درویزہ کے اساتذہ بھی تھے۔ سعدی نے اپنے بیٹے گدائی کی شادی پاپنی خاندان میں کرائی تھی جو اخون درویزہ کی والدہ تھی۔ جس کا نام مسمّاۃ قراری قوم پاپنی اور شجرہ نسب یوں ہے۔ مسمّاۃ قراری بنت نازو بن کلان بن پائی بن بابو بن سلطان قمرزان بن سلطان خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان بہرام بن سلطان کھجاسن (یا کبھی سن) بن سلطان ہندو بن سلطان جرجس بن سلطان جماد سلطان جمار سلطان شموس کی اولاد میں سے ہے اور سلطان شموس سلطان سکندر یونانی کا بیٹا تھا۔

اخون درویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں اپنی ماہیت اور نسب کے بارے میں خود لکھتا ہے کہ:۔

"جیون بن جنتی لغمان سے ننگرہار کے درہ مہمند میں آیا۔ اور وہاں اہل و عیال کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ اور اس کا سلسلہ نسب قوم ترک سے ملتا ہے۔ اور اس کی قرابت مادری سلاطین بلخ سے تھا۔ اس وجہ سے سلاطین بلخ نے اس کی حمایت کی۔ اور مردم مہمند کو حقیر و ذلیل بنایا اور ان کی ریاست و مملکت اس کو تفویض کیا۔ جیسا کہ مہمند غضب اور تعصب سے مشہور ہیں۔ وہ لوگ اپنے قبیلے سے الگ ہوکر دوسرے مقامات میں منتشر ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ پھر اپنے ہم قوم مہمند میں واپس آکر شامل ہوئے۔ اس تذلیل کا قصّہ یہ ہے کہ جیون سفید ریش کثیف اللحیہ وکثیر المال اور سخی تھا جب اس نے مردم مہمند میں سکونت اختیار کی

توچند دنوں بعد ایک جشنِ عظیم منعقد کرکے عام دعوت کی۔ ان ازلی بدبختوں کو چاہیے تھا کہ احسان و الطاف سے پیش آتے۔ لیکن اُس کے برعکس وہ ایذا رسانی، ظلم اور عناد سے پیش آئے اور کھانا کھانے کے بعد سالن آلودہ ہاتھوں سے اُن میں سے ایک شخص نے اُن کی داڑھی کو ہاتھ لگایا اور اُس کی سفید لمبی داڑھی پر اپنا ہاتھ صاف کیا۔ جیون نے اس حرکت سے خفا ہوکر سلاطین بلخ کے ہاں جاکر فریاد کی تو انہوں نے مہمندوں کو واجبی سزا دے کر اس علاقے کو اپنی حکومت میں ملایا۔ اور قوم مہمند کی وہ ریاست آج تک جیون کی اولاد کے تصرف میں ہے اور جیون کے سات بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام درغان بن احمد بن متہ تھا اور یہی درغان بعد میں قوم مہمند سے نکل کر مردم پاپی کے پاس موضع پاپن میں متوطن ہوا۔ اُس وقت سے آج تک ہمارے اور پاپی کے آپس میں اچھے تعلقات ہیں۔ درغان سے ایک بیٹا سعدی نام تھا جس کے وقت میں اُولس یوسفزئی ننگرہار میں آئے اور ننگرہار سے ہوتے ہوئے اس موجودہ علاقہ میں آرہے تھے تو سعدی مع اہل وعیال اُن کے ہمراہ ہوکر آئے۔"

اخون درویزہ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں دو کتابیں "مخزن الاسلام" اور "تذکرۃ الابرار والاشرار" زیادہ مشہور ہیں جو بایزید انصاری کی لکھی ہوئی کتابوں کے جواب اور رد میں ہیں۔ ان کتابوں میں شرعی مسائل کے علاوہ تاریخی واقعات بھی ہیں۔ چنانچہ اخون درویزہ مخزن اسلام نامی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اما بعد سبب تالیف ایں کتاب:۔ معلوم رہے کہ ہمارے زمانہ میں یوسف زئی افغانوں میں ایک زندیق پیدا ہوا تھا۔ کہ وہ کبھی اپنے آپ کو خدا کہتا اور کبھی پیغمبر، وہ منکرِ بعث تھا اور اُس نے اس وقت زیادہ شہرت پائی۔ اس کا نام بایزید تھا اور لقب پیر روشن تھا۔ اور میں نے اس کے لقب کو پیر تاریک کیا۔ وہ ملعون افغانی (یعنی پختو) زبان میں شعر بولتا اور ظاہری طور طریقہ شرع و علم و علماء کرتا۔ لایعنی اشعار افغانوں کو سُناتا اور سکھاتا۔ اس وجہ سے میں نے اُس کے خلاف افغانی (یعنی پختو) زبان میں اشعار شروع کیے حتیٰ کہ میں نے شاعری میں اُس کے آگے قدم رکھا اور اکثر لوگوں کو اس کے مطابعت سے ہٹایا۔ یقین کریں اگر میں اس دوران نہ ہوتا تو یوسف زئی افغانوں میں کوئی مسلمان نہ رہتا اس خبیث ملعون کا ذکر کتاب کے آخر میں کروں گا۔"

تذکرۃ الابرار والاشرار میں اخون درویزہ بایزید کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"ایں ملعون کتابے را تصنیف کردہ بعضے کلمات او را بہ زبانِ عربی بلا ادراک ترکیب و ترتیب جمع آورد و بعضے را بہ زبانِ فارسی و بعضے را بزبانِ افغانی و بعضے را بزبانِ ہندی اما ہر کدام ازیں کلمات ناموزوں و ناموافق افتادہ بحدے کہ طباع مجع اہل علم ازاں متنفرے گردد۔ و آں را خیر البیان نام بردہ۔ و چوں جملہ از کفر و الحاد و مشحون از افتراء و فساد بودہ فقیر آں را شر البیان نامیدہ و اگر خر البیان نامند ہم مناسب است و دعویٰ نمودہ کہ ایں موافق مدعائے من از

جانب اللہ تعالیٰ نزول یافتہ نعوذ باللہ من کفر ہم ۔ و اتباع اوایں عقیدہ را دل مستحکم گردانیدہ و جہلائے ایام ہنوز در کفر ایں مردم شک مے دارند ۔ معلوم است کہ بواسطہ شک در کفر ایشاں جہلا نیز کافر گردند از عقل ناقص خود چیزے گفتہ تاکہ تمام خود تصنیف نکردہ بل بعضے از ملا ارزانی شاعر ملحدے تالیف نمودہ بعضے را ایں ملعون جمع آوردہ قصہ ارزانی آنکہ ایشاں سہ برادراں بودند از افغاناں خویشکی ۔ یکے ارزانی نام دوم ملا عمر سوم ملا علی "

اس کا مفہوم یہ ہے کہ :۔

"پیر تاریک ملعون نے ایک کتاب تصنیف کی جس کے بعض جملے عربی زبان میں ہیں لیکن وہ بھی لاعلمی کے سبب سے ترکیب اور ترتیب میں نہیں ۔ اور بعض فارسی زبان میں اور بعض پشتو زبان میں اور بعض ہندی زبان میں ۔ لیکن ہر طرح سے تحریر کے یہ جملے اتنے ناموزوں اور ناموافق ہیں کہ اہل علم اس سے نفرت کرتے لگے اور پیر تاریک نے اس کتاب کا نام خیر البیان رکھا تھا ۔ چونکہ یہ پوری کتاب الحاد و کفر اور افتراء و فساد سے بھری ہوئی ہے ۔ اس لئے میں نے اس کا نام شر البیان رکھا اور اگر اس کتاب کو خر البیان نام دیا جائے تو بھی زیادہ مناسب ہوگا ۔ اور پیر تاریک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ کتاب میرے مدعا کے موافق اللہ تعالیٰ کے طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے ۔ نعوذ باللہ من کفر ہم ۔ اور اس کے مریدوں اور چاہنے والوں کے عقیدے اس کتاب پر خلوص دل سے مستحکم ہیں اور جہلائے زمانہ بھی ان لوگوں کے کفر میں شک و شبہ کرتے ہیں حالانکہ

ان کے کفر میں شک و شبہ کرنے سے وہ جاہل لوگ بھی کافر ہوگئے پیر تاریک نے اپنی ناقص عقل سے یہ کتاب بنائی پھر بھی اس نے پوری کتاب نہیں لکھی بلکہ بعض حصے اس کتاب کے ملا ارزانی شاعر ملحد نے تالیف کیے ، ارزانی کی تعارف یہ ہے کہ یہ تین بھائی تھے ۔ اور افغانوں کے قبیلہ خویشکی سے تھے ، ایک کا نام ارزانی دوسرے کا ملا عمر اور تیسرے کا ملا علی تھا "

واضح رہے کہ بعض مؤرخین بایزید انصاری اور اُس کے مخالفین اخون درویزہ اور پیر بابا کے اختلافات کو سیاسی سمجھتے ہیں نہ کہ مذہبی ۔ مثال کے طور پر چند ایک کے خیالات اس بارے میں پیش کیے جاتے ہیں ۔ ابراہیم عطائی مصنف " د پختونستان مسئلہ " مطبوعہ کابل ۱۳۴۶ھ ص ۱۱ پر لکھتا ہے کہ :۔

" سید علی (پیر بابا) اور اخون درویزہ اور کچھ مزید بارسوخ روحانی لوگ یہاں (علاقہ یوسف زئی میں) موجود تھے ۔ جن کے پاس اپنی انفرادی قوت کے علاوہ مغلیہ دربار کی طاقت اور امداد بھی موجود تھی ۔ حالات ایسے تھے کہ پیر روخان (پیر روشن) مغلوں کے ساتھ برسر پیکار رہا اور چاہتا تھا کہ اُن کا اقتدار افغانوں کے سروں سے ختم کردے ۔ لہذا پیر روخان مجبور تھا کہ افغانوں کو روحانی طاقت سے جمع کرکے اپنے سیاسی مسئلہ کو مذہبی رنگ دے تاکہ وہ اُسے جلدی اور باآسانی قبول کرسکیں "

یہی مصنف آگے چل کر ص۲۳ پر یوں لکھتا ہے کہ :۔

" مغلوں کی طرف سے سید علی ترمذی (پیر بابا) اور اخون

درویزہ افغانوں کے درمیان ایسے لوگ تھے جن کی مغلوں کے ساتھ قدیمی دوستی اور نسلی تعلق بھی رہا تھا اور وہ ان کی حکومت کے طرفدار بھی تھے۔ چنانچہ طبعی طور پر اُن کو پیر روخان (پیرروشن) کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ افغان پیر روخان کی طرف اور کچھ اخون درویزہ کے طرف ہوگئے اور داخلی جنگ شروع کی۔ ان جنگوں میں ہزاروں افغان آپس میں مارے گئے۔ اور مغلیہ حکمرانوں کا جو مقصد تھا وہ انہیں بخوبی حاصل ہوگیا۔"

پروفیسر ش ضمیٰ ایم۔ اے اسسٹنٹ ڈائریکٹر شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ یونیورسٹی آف کراچی لکھتے ہیں کہ:۔

"پٹھانوں میں پیرروشن یا پیرِ تاریک کا نام بہت مشہور ہے لیکن اس کے حالات سے واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے یہ تحریک بایزید انصاری نے اس وقت شروع کی تھی کہ جس وقت ہندوستان میں مغل حکومت کی داغ بیل ڈالی جارہی تھی۔ قطع نظر بایزید کے مذہبی عقائد کے اُس نے پٹھانوں کے مختلف قبائل کو بڑی حدتک ایک منظم قوم کی شکل دینے کی کوشش کی تھی اور اس میں اُسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ وہ عوام میں پیرروشن پکارا گیا اور اس کی تحریک نے تاریخ کے اوراق پر تحریک روشنائی کے نام سے جگہ حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہوجاتی تو شاید ہندوستان میں مغل اقتدار قائم نہ ہوسکتا۔ مذہب کے نام سے جو تحریک شروع ہوئی تھی مذہب کے نام سے ہی اس کی مخالفت ہوئی اور اس شدت سے ہوئی کہ تحریک کو

علاقہ یوسف زئی میں کلیتًا دفن کردیا گیا۔ اس تحریک کا کوئی حسن بیان کرنے کو نہ رہا اور مخالفین نے عیوب کا وہ انبار لگا دیا کہ پیرروشن پیرِ تاریک پکارا جانے لگا۔ یکطرفہ ڈگری دے دی گئی کہ بایزید ملحد اور کیا کچھ نہ تھا۔ آج اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک روشنائی اور مخالفتِ روشنائی دونوں سیاسی تحریکیں تھیں۔ دونوں کو مذہبی رنگ دیا گیا اور ایسا رنگ دیے بغیر کوئی تحریک اس علاقہ میں نہ کامیاب ہوسکتی تھی اور نہ ہوسکتی ہے۔ روشنائیوں کا مقصد اپنی آزادی قائم رکھنا تھا لیکن مرزا حکیم (شاہ کابل) اور اکبرِ اعظم کی تگ ودو اپنی سلطنت کو وسعت دینا تھی اور اس آزاد قوم کے گلے میں اپنا طوق غلامی ڈالنا تھا اور اسی زنجیر غلامی کی کڑی کو مضبوط کرنے کیلئے اخون درویزہ اور اس کے رفقاء سرگرم عمل تھے۔"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:۔

"اخون درویزہ کے بیان کو بہت ہی احتیاط سے پرکھنا چاہیئے؛ کیونکہ وہ بایزید کی تعلیمات کا عقیدتًا مخالف تھا۔"

خیرالبیان تصنیف بایزید انصاری۔

حافظ محمد عبدالقدوس قاسمی خیرالبیان مطبوعہ پشتو اکیڈیمی پشاور کے مقدمہ میں صفحہ پر زیر عنوان خیرالبیان لکھتے ہیں کہ:۔

"بایزید کی تصانیف میں زیادہ مشہور اور لائق اہتمام کتاب خیرالبیان ہے۔ یہ اس لئے کہ ہماری موجود معلومات کے سلسلہ میں بایزید نے اپنی تحریر کی ابتدا اسی کتاب سے کی تھی اور اس کی مخالفت کی وجہ بھی اس کتاب کی تالیف تھی ....

اس کا بڑا مخالف اخون درویزہ صاحب تھا۔ وہ بایزید کی کسی دوسری تصنیف کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ خیر البیان کا ذکر شد و مد کے ساتھ کرتا ہے اور اس تصنیف کی وجہ سے ہی اُسے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اخوند درویزہ صاحب کہتے ہیں کہ :۔

"اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے کچھ کلمات عربی زبان میں جمع کئے ہیں۔ بلکہ اس کی ترکیب و ترتیب پر وہ نہیں سمجھتا۔ کچھ فارسی میں کچھ پشتو میں اور کچھ ہندی میں جمع کئے ہیں۔ ان تمام کلمات کی کچھ تُک نہیں ہے اور آپس میں اس قدر متضاد ہیں کہ علماء اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اُس نے اس کتاب کا نام خیر البیان رکھا ہے۔ چونکہ کفر بے دینی، خود ساختہ جھوٹ اور فساد سے بھرا ہوا ہے اس لئے میں نے اس کا نام شر البیان رکھا ہے بلکہ خر البیان کہا جائے تو بھی مناسب ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ میرے مدعا کے موافق خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے۔ ان کے کفر سے ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں"۔

پھر آگے یوں درج ہے کہ :۔

"اس قسم کی مخالفت اپنے وقت میں ایسے لوگوں نے بھی کی تھی۔ جنہوں نے اس کی شکایت مرزا حکیم (ابن ہمایون) کو کی تھی اور وہ ان کے کہنے پر اُس کے دربار میں کابل طلب کیا گیا وہاں قاضی خان نے جو سوالات اس پر کیے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ :۔

قاضی خان :۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم پر وحی نازل ہوتی ہے اور ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کے چالیس سپارے

ہیں ؟

بایزید :۔ مدعیان جو کچھ کہتے ہیں سب غلط ہے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کے ذریعہ کتاب کا نزول کیا ہے جس کا نام خیر البیان ہے۔ اس میں چالیس بیانات ہیں۔ مگر عوام الناس وحی اور الہام میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے وحی کا نام لیتے ہیں۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے بات کو بدل کر الہام کو وحی کہتے ہیں۔

پھر آگے ص ۴۷ پر یوں درج ہے کہ :۔

قاضی خان :۔ اے شیخ ! لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنے تئیں مہدی سمجھتے ہیں یہ سچ ہے یا جھوٹ ؟

بایزید :۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں ہادی یعنی راہ دکھانے والا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا راستہ دکھاتا ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے علم پر لوگوں کو درس دیتا ہوں۔ مریدوں کو توحید کے راستہ کی ہدایت کرتا ہوں اور گمراہی، ناسمجھی اور شرک سے ان کو منع کرتا ہوں۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے مجھے ہادی کی جگہ مہدی بولتے ہیں اور ولی کی جگہ مجھے نبی بولتے ہیں۔ یہ طنزیہ القاب ہیں۔

قاضی خان :۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے ؟

بایزید :۔ یہ غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر الہام ہوتا ہے اور غیب سے آواز سنتا ہوں۔

قاضی خان :۔ وسوسہ، الہام، خدائی آواز اور شیطانی آواز میں آپ فرق کس طرح کرتے ہیں!

بایزید :- الہام ، وسوسہ ، خدائی آواز اور شیطانی آواز میں تمیز آیت ، حدیث اور بزرگوں کے اقوال کے ذریعہ کرتا ہوں ۔ ہر ندا اور الہام جو ان سے موافقت رکھتا ہو وہ خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور اُسے الہام میں شمار کرتا ہوں جو آیت اور حدیث سے موافق نہ ہو اُسے وسوسہ اور شیطانی آواز سمجھتا ہوں اور اُسے اعوذ باللہ پڑھ کر رد کر دیتا ہوں ۔

قاضی خان :- لوگ کہتے ہیں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ پر وحی کے طور پر ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کے چالیس سپارے ہیں!

بایزید :- مدعیان جو کچھ کہتے ہیں سب غلط ہے اس لئے کہ میں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے طور پر میرے دل پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے اس کا نام خیر البیان ہے اس میں چالیس بیانات ہیں ۔ جس طرح غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی پر الہام کے طور پر غوثیہ نازل ہوئی تھی ۔ مگر عوام الناس وحی اور الہام کے درمیان فرق نہیں کر سکتے ۔ اس لئے اُسے وحی کہتے ہیں ۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے طعنہ دیتے ہیں اور الہام کی بجائے اُسے وحی کہتے ہیں ۔

بقول اخون درویزہ

" بایزید کے ان جوابات سے قاضی صاحب اور اُس کے ساتھی علما اور سب درباریوں کی تسلی ہوگئی اور بایزید کو رخصت کر دیا گیا ، اگرچہ اخون درویزہ وغیرہ بایزید کے حق میں فیصلہ دینے پر راضی نہیں تھے جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے "

الہام :- مولانا سربلند خان صاحب ساکن نواں کلی اپنے درس و تدریس میں الہام کے متعلق یوں تشریح کرتے ہیں :-

" اِلْقَاءُ الْخَيْرِ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بِلَا كَسْبٍ "
اللہ کی طرف سے مؤمن کے دل میں نیکی کے کسی کام کو ڈالنا بغیر محنت و مشقت کے ....

یعنی جس کسی نیک آدمی پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو جائے اور اس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اس کے دل میں القاء ہوتا ہے جس کا دوسرا نام الہام ہے "

عہد جہانگیر کے ایک مشہور رئیس و امیر شیخ فرید بھکری اپنی کتاب " ذخیرۃ الخوانین " میں جو ۶۱ - ۱۰۶۰ ھ میں لکھی گئی تھی بایزید اور اس کے خلفاء کے سلسلہ میں اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

" بایزید نے افغانوں میں پہنچ کر اس جگہ کے اکثر افغانوں کو اپنا مرید بنایا اور جس نے اُس کی شکل دیکھ لی گرویدہ ہو گیا ۔ اس نے پشتو زبان میں خیر البیان کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی ۔ اُسے ان لوگوں میں نشر کیا یہ مسئلہ وحدت الوجود پر مدلل کتاب ہے ۔ اس میں دلائل و براہین قاطع از روئے نص (قرآنی) اور احادیث و بزرگان سلف کی تاویلوں سے کام لیا ہے ۔ اور حقیقتاً یہ کتاب ایسی نادر ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص انصاف کی نظر سے غور کرے تو اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے ۔ وہ خود جس پر نظر ڈالتا اُسے اپنا مطیع بنا کر مبدا تک پہنچا دیتا تھا ۔ صاف دل باشندگانِ کوہستان اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ہوئے اور تادمِ حیات عبادتِ حق اور ترویج سنتِ نبویؐ برحق کرتے رہے ۔ امر بالمعروف اور نہی سے انکار نہ کرتے تھے اور ان لوگوں (یعنی افغانوں) کو جوحدِ شمار سے

باہر تھے۔ اُس نے دین نبوّتی پر قائم رکھا اور اکثروں کو واصل حق کردیا۔ اُس کے سلسلہ کی برکت اِس وقت تک باقی ہے۔ اُس نے داعیٔ اُجل کو لبیک کہا تو اپنے پیچھے خلفائے موّحد چھوڑ گیا کہ ان میں ہر ایک اسلام کا ستون ہے اور اس وقت تک اُن سے ایک دنیا ہدایت حاصل کر رہی ہے۔"

(بحوالہ یوسفی)

اخون درویزہ بھی بایزید کی طرح الہام کا قائل تھا۔ ملاحظہ ہو اخون درویزہ کی تصنیف مخزن مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی مقدمہ ص د زیرِ عنوان اخون درویزہ

(۱) "شیخ گدائی (والد اخون درویزہ) نے خود تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اس لئے اُسے علماء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اپنے علاقہ کے بزرگوں میں سے تھا۔ علماء کے ساتھ اُسے محبت تھی اور ہمیشہ اُن کیلئے اپنا دسترخوان کھلا رکھتا تھا۔ اخون درویزہ نے اُسے اُس کی وفات کے بعد ایک دن خواب میں دیکھا کہ چوتھے آسمان پر دانشمندوں کے ساتھ پھرتا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ اے خدا! وہ تو دانشمند نہیں تھا اُن کے ساتھ کیسے شامل ہوا۔ ایک آواز آئی کہ ہاں! دانشمند تو نہیں تھا لیکن ان کا دوست تھا۔"

(بحوالہ ارشاد الطالبین صفحہ ۳۳)

(۲) بی بی قراری (والدہ اخون درویزہ) بہت پاکدامن خاتون تھی۔ اپنی زندگی میں کبھی اس نے تہجد کی نماز قضاء نہیں کی تھی۔ اخون درویزہ نے لکھا ہے کہ:۔

"ایک دن صبح جب میں نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی تو اُس

کی دائیں آنکھ بالکل سبز تھی۔ میں نے پوچھا کہ امی یہ کیا ہے؟ اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میرا والد زاہد سحر خیز تھا جب سے میں نے نماز پڑھنی شروع کی ہے تو تہجد کی نماز ان کے ساتھ ادا کی۔ رات کو تمہاری لڑکی میری گود میں تھی۔ جب صبح اُٹھی تو وہ رونے لگی۔ میں آہستہ آہستہ اُسے چپ کرواتی رہی اور میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس حال میں میں نے ایک انگلی دیکھی آدمی کوئی نظر نہ آیا۔ وہ انگلی آئی اور میری آنکھ میں گھس گئی۔ غیب سے آواز آئی اٹھو! کیا آنکھیں بند کر رہی ہو۔ تمہاری زندگی کے چار سال باقی رہ گئے ہیں۔ اور چار سال بعد جب وہ فوت ہوئی تو اُس کی وہ آنکھ بدستور سبز تھی۔" (بحوالہ ارشاد الطالبین صفحہ ۱۶۱)

اخون درویزہ کی تصنیف "مخزن" مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور مقدمہ کے آخر میں سید تقویم الحق کاکاخیل لکھتے ہیں کہ:۔

"اخون درویزہ صاحب کی آخری عمر اپنے سلسلے کے بڑے بزرگوں کی طرح مشاہدہ جمال اور استغراق میں گذری ہے وہ اکثر اپنے تئیں اور اپنے ماحول سے بے خبر رہتا تھا۔ "اخبار الاولیا" میں لکھا ہے کہ ایک روز اخون درویزہ صاحب کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک عورت کے سر پہ گھڑا دیکھا، اُسے آواز دی کہ بیٹی یہ پانی دے دو مجھے پیاس لگی ہوئی ہے۔ اُس عورت نے حیا سے بات نہ کی اور گھڑے کو اس کے سامنے رکھدیا۔ اخون صاحب نے گھڑے پر منہ رکھدیا اور جب سارا گھڑا پی لیا تو منہ کے ذائقہ سے اُسے یہ احساس ہوا کہ گھڑے میں پانی نہیں

بلکہ تیل تھا، جو وہ سب پی گیا تھا۔"

افضل خان خٹک اپنی تصنیف "تاریخ مرصع" میں لکھتا ہے کہ:۔

"جب تک اخوند صاحب کا ہاتھ کھانے سے نہ روک لیا جاتا وہ کھاتے ہی رہتے۔ ان کے مصاحبین کو اُن کی یہ عادت معلوم تھی۔ لیکن نواب مہابت خان (مغل صوبیدار) کو جنہوں نے (پشاور میں) ایک رات اخوند صاحب کو کھانے پر بُلایا تھا، یہ عادت معلوم نہ تھی۔ اس لئے اخوند صاحب حد سے زیادہ کھا گئے اور بدہضمی کی وجہ سے صبح کو وفات پا گئے۔"

عبدالاکبر خان اکبر محمد زئی اشنغری اپنی تصنیف "روخانیان د مغلو تاریکیانی" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"قطع نظر تعصب اور لالچ اگر انسان اُس وقت کے واقعات اور تاریخی حالات پر نظر ڈالے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جو علماء و مشائخ مغل حکومت کے خلاف تھے وہ اکثر اصل نسب سے افغان تھے۔ وہ غیر افغان علماء اور مشائخ کے نظر میں اچھے مسلمان نہیں تھے اس لئے کہ بادشاہانِ وقت کے مخالف تھے۔ تمام افغان علماء اور مشائخ بلکہ سب افغان مغلوں کے خلاف تھے اور پیر روخان کے حامی اور مرید تھے۔ اخون درویزہ بھی اپنی نسل ازبک ترک ثابت کرتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ میرے جدِ اعلیٰ کے ساتھ افغانوں نے بہت برا سلوک کیا تھا اور اُس کی بے عزتی کی تھی اور بلخ کے ازبک نے اُن افغانوں سے اس کا بدلہ لیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغانوں کے خلاف اخون درویزہ کے دل میں یہ ذاتی جذبہ کارفرما تھا۔ اور اُس کے انتقام لینے

میں تمام عمر کوشاں رہا۔ وہ افغانوں کے ہر قول و فعل کا مخالف رہا۔ سوائے نسل کے کہ وہ بھی اس سے متفق تھا کہ افغان قوم بنی اسرائیل ہے۔ تاہم نسل کے بارے میں بھی اس نے تعصب اور عناد سے کام لے کر افغانوں کے کئی قبیلوں کو داغدار اور حرام زادہ وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ افغانوں میں کوئی بھی اس کے کفر و الحاد سے بچ نہیں سکا۔"

اخون درویزہ خشی قبیلہ کے جدِ اعلیٰ شیخے یا خشے اور اُس کے ذیلی شاخ ترکلانی کے متعلق تذکرہ میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے کہ:۔

"شیخے (خشی) کی بیوی کا نام مرجان تھا جس کے بطن سے مندے (یوسف زئی) و ملہ (گگیانی) پیدا ہوئے۔ مسماۃ مرجان کی ایک بہن تھی جس کا نام بسو تھا جو بے دین اور بددیانت تھی۔ وہ شیخے کے گھر آئی اور اُسے خاوند بنانے کے ارادے سے گھر میں بیٹھ گئی جیسا کہ افغانوں کا یہ دستور ہے کہ جو عورت ان کے گھر آئے اُسے وہ اپنے قبضہ میں لے آتے ہیں خواہ باکرہ ہو یا منکوحہ۔ اگرچہ یہ معاملہ قتل و غارت تک پہنچ جائے۔ یہ ان کی جہالت اور ضلالت کی دلیل ہے۔ کہ ایسی عورت کو وہ واپس نہیں جانے دیتے بلکہ مرد کے تمام قرابت دار اس کافرانہ روش میں اُس کے حامی بن جاتے ہیں غرضیکہ اُس عورت مسماۃ بسو کو شیخے نے ناجائز طور پر اپنے قبضہ میں رکھا اور اس طرح وہ کفر تک کا مرتکب ہوا۔ اس عورت کے بطن سے ترک پیدا ہوا جس سے ترکلانی نسل پیدا ہوئی۔ یہ ترکلانی یا ترکانی اس وقت بھی پیر تاریک کے سخت

عامی ہیں اور سب حرام خور ہیں"۔

مذکورہ مرجان و بسو جنہیں اخون درویزہ ایک دوسری کی سگی بہن بتاتا ہے، کی تردید میاں عمر صاحب چمکنی غوث الافغان نے نہایت مہذب طریقے سے کی ہے وہ اپنی تصنیف "خلاصہ کیدانی افغانی" بشرح نظم میں بغیر نام لیے ہوگئے، اخون درویزہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"تمہیں چاہیے تھا کہ مرجان اور بسو کے مقابلہ میں بہتان تراشی اور افتراء سے کام نہ لیتے اور نہ اس قدر بدگمانی کرتے۔ کیونکہ آپ جیسے مقتداء سے اس قدر دروغگوئی کی توقع کرنا بعید از قیاس ہے اور ایسی دروغگوئی و غلط بیانی سے انسان دنیا میں خوار و ذلیل ہوتا ہے اگر بسو مرجان کی بہن تھی تو یوں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ مرجان کی فوتیدگی کے بعد اس کی بہن بسو سے نکاح جائز تھا اور بقول آپ کے اگر بسو نے مرجان کی زندگی ہی میں نکاح کیا تو میں تاریخ کی روشنی میں اس کی اصلیت کو آپ پر واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ ان دونوں کے شجرۂ ہائے نسب سے ظاہر ہے جو اس طرح ہے:۔

مرجان کی والدہ کا نام سلطانہ:۔ مرجان بنت جلال بن جمال بن کمال بن خالو بن زکریا جن سے زکریا زئی قبیلہ بنا۔ بسو کی والدہ کا نام مہرانہ: بسو بنت خالق داد بن جلال بن برہان بن حسین جن سے حسین زئی قبیلہ بنا"۔

میاں عمر صاحب کے یہ آخری دو اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:۔

بد د افتراء دہ چہ نی ځوک پہ نسب وائی
بد د افتراء دہ چہ نی ځوک پہ حسب وائی
ځوک چہ مقتدا وی ھغہ نہ وائی دروغ
دا دروغ تہ پوہ شہ پہ عالم کبن دی ناروغ

(میاں عمر)

سرفراز خان عقاب اپنی تصنیف "پیر سباک" صـ۱۲۹ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ (یعنی اخون درویزہ) نے اپنے عصر کے پیروں مثلاً بایزید عرف پیر روشن جنہیں اخون صاحب پیر تاریک کہتے ہیں کے نامشروع اعتقادات اور معمولات کے خلاف تصانیف اور مباحثے کی ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے کئی لوگ اُسے اپنے عہد کا مجتہد سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ پیر روشن اپنی سلطنت کے قیام کے زعم میں پشتونوں کو مغلوں کے اقتدار سے بھی چھڑا رہا تھا۔ اور مغل فوجوں سے برسرپیکار رہتا تھا اس لئے بعض لوگ اخون درویزہ صاحب سے بدظن ہیں کہ پیر روشن کی مخالفت سے وہ مغل اقتدار کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی ترک اور مغل بادشاہوں کے قرابت دار تھے"۔

اور پھر آگے صـ۱۳۰، ۱۳۱ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"اخوند صاحب کی تصانیف میں باوجود اُن کے وسیع المطالعہ ہونے کے بہت سی باتیں قابل گرفت ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ کی تخصیص کیے بغیر یہ لکھنا: اگر کسی مرد نے اپنی لڑکی کا نکاح بلا استحضارِ گواہان کرایا اور کہا کہ خدا اور رسُول اور فرشتے گواہ ہیں تو وہ کافر ہوگیا"۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :۔

"اخوند درویزہ صاحب کا علم عمیق نہ تھا۔ مسائلِ فقہ میں وہ خان (خوشحال خان) سے بھی شکست کھا گیا تھا"۔

بایزید کی تصنیف "صراط التوحید"

۱۹۴۹ء میں صوبہ سرحد کے اندر آثارِ قدیمہ اور نایاب کُتب کی ایک نمائش ترتیب دی گئی۔ مختلف علاقوں سے نادرات جمع کیے گئے۔ ان میں الحاج فضل حمدانی ناظم مدرسہ رفیع الاسلام پشاور نے اپنے کتب خانہ سے چند مخطوطات بھی نمائش کیلئے عنایت کیے تھے۔ ان میں ناظم نمائش کی نظر ایک ایسی کتاب پر پڑی جس کی قدر و قیمت کچھ طالبانِ علم تاریخ ہی جان سکتے ہیں۔ اس کتاب کا نام توصدیوں سے سُنا جاتا رہا لیکن اس کی شکل دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہ بایزید کی مشہور تصنیف "صراط التوحید" ہے۔ اس میں بایزید نے اپنے عقائد کو بالوضاحت پیش کرنے کے ساتھ اس کی نقول وقت کے حکمرانوں، اُمراء اور رؤساء کو بطورِ دعوت تبلیغ روانہ کی تھیں۔ عبدالشکور ناظم عجائب گھر پشاور نے ۱۹۵۲ء میں ادارہ اشاعتِ سرحد پشاور کے توسط سے اس نایاب کتاب کو شائع کر دیا تھا اور حافظ محمد ادریس نے اس کا تعارف لکھا ہے۔ صراط التوحید کے منظرِ عام پر آجانے کے بعد بایزید کے عقائد سے وہ تمام پردے اٹھ جاتے ہیں کہ جو مخالفین اس پر ڈالتے رہے، چنانچہ حافظ محمد ادریس اس کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ :۔

"یہ کتاب اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس سے بایزید کے حالات اور خیالات دونوں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں اپنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات

لکھے ہیں۔ طلبِ علم، تلاشِ حق، تلاش مرشد، ریاضت شاقہ، زہد و ورع، رؤیا اور الہامات کا ذکر کیا ہے۔ پھر اصل کتاب میں "اسلامیات" کے بنیادی مسائل کی تبلیغ کی ہے۔ اور اور اپنی وسعت کے مطابق مسئلہ وحدت الوجود کو لوگوں کے اذہان سے قریب تر لانے کی کوشش کی ہے"۔

عبدالشکور مہتمم گورنمنٹ عجائب گھر پشاور دیباچہ صراط التوحید میں لکھتے ہیں کہ :۔

"بیسویں صدی کے اکثر محققین و روشن خیال مفکرین کا خیال ہے کہ بایزید انصاری درحقیقت ایک صحیح مبلغ، رہنما، سیاست دان اور ادیب تھا۔ حضرت اخون درویزہ نے مذہبی تعصب ذاتی عناد اور سیاسی اختلافات کی بناء پر انہیں ملحد اور زندیق ٹھہرایا"۔

(بحوالہ اللہ بخش یوسفی یوسفزئی پٹھان طبع چہارم ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۸۹)

اللہ بخش یوسفی نے اپنی تصانیف "یوسف زئی افغان اور یوسفزئی پٹھان" میں ایک مضمون کے شکل میں یوں لکھا ہے کہ :۔

بایزید یا پیر روشن :۔ بایزید کا خاندان کانیگرام (وزیرستان) سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا والد شیخ عبداللہ گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں افغانستان سے ہندوستان آیا۔ اور جالندھر میں مقیم ہو گیا۔ اس جگہ ۱۵۲۵ء میں بایزید نے جنم لیا۔ بایزید قابل، ہوشیار، مدبر اور علم و ادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ اُسے مختلف مذاہب کے علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ فطرتاً مغل حکومت کے خلاف تھا اور بالآخر ایک تحریک کا اجراء کیا جو "روشنائی" کے نام سے

سے یاد کیجاتی ہے خود بایزید پیر روشن پکارا جاتا رہا۔ جسے
مخالفین نے بعد میں "پیر تاریک" کے نام سے یاد کیا۔ پشتو
تحریک کو حقیقتاً اسی کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ خود وہ عربی، فارسی
پشتو اور ہندوستانی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ اور انہی زبانوں
میں اس نے تصانیف کیں۔ چنانچہ ایک کتاب مقصود المؤمنین
عربی زبان میں تھی تو خیر البیان فارسی، عربی، پشتو، اردو چار
زبانوں میں منظرِ عام پر آئی۔ کہا جاتا ہے کہ حالنامہ نامی کتاب
میں اُس نے اپنے حالات کے ساتھ رموز قرآن شریف پر
ایسی بحث کی تھی کہ اُس کے مخالفین بھی حیران و پریشان تھے
بایزید کی مشہور تصنیف صراط التوحید ہے۔ دورِ زیرِ بحث
میں طباعت وغیرہ کا تو کوئی خاص انتظام تھا نہیں۔ اس
وجہ سے قلمی نسخے تقسیم کئے جاتے تھے۔ بایزید کے مخالفین
نے ان کتابوں کا نام و نشان تک باقی نہ چھوڑا اور آج ان
میں سے کوئی ایک بھی دکھائی نہیں دیتی اور اگر حُسنِ اتفاق
سے کسی نہ کسی جگہ اُن کے کچھ اوراق ہوں بھی تو وہ ابھی
تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔"

بایزید نے اپنی تحریک کو بڑی ہمت، استقلال اور علمیت سے چلایا
تھا۔ فنِ مناظرہ میں تو اس کا کوئی مخالف اُسے شکست نہ دے سکا
حتیٰ کہ اخون درویزہ جیسا شدید ترین مخالف بھی لکھتا ہے کہ:۔

"علماء اُس کے عقلی استدلال کے سامنے بے بس تھے۔ ہمیں
عقلی و نقلی دلائل سے اُس نے زچ کر دیا تھا۔"

افغانوں کے مختلف علاقوں میں تحریک روشنائی کی ہمہ گیر مقبولیت
سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب کے نام پر بایزید نے پٹھانوں کو ۔۔۔

کرنے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ قبائلی اور علاقائی تمام اختلافات
کو عوام و خواص نے یک قلم نظر انداز کر دیا۔ سب ہی پٹھان کی حیثیت
سے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اطاعتِ امیر کا صحیح نقشہ آنکھوں کے
سامنے تھا۔ اس نے گوشہ نشینی یا دُنیا سے قطع تعلق کی کوئی تعلیم نہ
دی تھی بلکہ ہر رکنِ تحریک مردِ مجاہد نظر آرہا تھا۔ اس نے مغلوں سے
مکمل توان کے چھکے چھڑا دیئے اور اس کی یہ تحریک علاقہ یوسف زئی سے
کچھ عرصہ تک ناکام ہوجانے کے بعد بھی ایک زندہ تحریک کی حیثیت
سے دکھائی دیتی ہے۔ اُس کی اولاد بھی اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے
مغلوں سے معروف جنگ رہی۔

بایزید کو یوسف زئی، محمد زئی، آفریدی، اورکزئی، بنگش، خلیل،
مہمند، شنواری، داؤد زئی۔ مختصر یہ کہ تمام افغان قبائل میں ہر دلعزیزی
حاصل ہوئی اور اس نے اتنی طاقت اور قوت حاصل کر لی کہ ہر طرف اس
کے منظم لشکر دکھائی دینے لگے۔ وہ مرنے مارنے کو ہمہ تن تیار نظر
آتے۔ اس کی ابتدائی جنگیں گورنر کابل سے لڑی گئیں اور بالآخر
ننگرہار کے قریب بارو کے مقام پر محسن خان مغل جرنیل کے ہاتھوں
شکست کھائی تو اُس کے بعد بیمار ہو کر بمقام کلپانی علاقہ یوسف زئی
میں شش‌ہزار کے تنگ بھنگ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بایزید سے عوام کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ
مرنے کے بعد اُس کے لڑکے اُس کی لاش کو ایک تابوت میں ساتھ لئے
پھرتے رہے گویا اُس کا مقدس مزار معتقدین کے کندھوں پر سوار رہا۔
بالآخر عہدِ اکبر میں جب بایزید کا لڑکا شیخ عمر گرفتار ہو کر قتل ہوا اور
یہ تابوت مخالفین کے ہاتھ لگا تو اخون درویزہ کے حکم سے لاش کو
جلا کر اس کی راکھ دریائے سندھ میں ڈال دی گئی تھی۔ لیکن لاش کے جاتے

جانے کا حکم یا فتویٰ محلِ نظر ہے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اس کا جواز دکھائی نہیں دیتا۔"

آگے لکھتا ہے کہ :-

"تحریکِ روشنائی کا انجام

تحریکِ روشنائی اور اس دور کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً یہ ایک سیاسی تحریک تھی جو مذہب کے نام پر شروع ہوئی اور اس ایک تحریک پر کیا منحصر ہے صوبہ سرحد میں ہر تحریک مذہب ہی کے نام سے چلائی جاتی رہی۔ مثلاً تحریکِ مجاہدین، تحریکِ مخالفت رولٹ ایکٹ بل، تحریکِ ہجرت، تحریکِ خلافت، تحریکِ آزادیٔ وطن خدائی خدمتگار اور ان میں کوئی ایک بھی تو ایسی نہ تھی۔ جسے مذہبی رنگ نہ دیا گیا ہو۔ مختصر یہ کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے مذہبی رنگ دینا ضروریاتِ وقت سے تھا۔ بایزید نے اس سے فائدہ اٹھایا اور پٹھانوں کو بحیثیت قوم منظم کرنے میں قابلِ ذکر حد تک کامیاب رہا۔

بایزید خود نسلاً پٹھانوں سے تعلق رکھتا تھا اور اسے عام طور پر "بایزید انصاری" لکھا جاتا ہے اور اس لفظ انصار کے سبب سے انہیں پٹھان خیال نہیں کیا جاتا اور اُن کا تعلق انصارِ مدینہ سے ظاہر کیا جاتا ہے لیکن بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ بایزید نے جو نسلاً تو قبیلہ اُرمڑ سے تعلق رکھتا تھا اپنے نام کے ساتھ انصار کے اضافہ سے پٹھانوں میں قربِ مدینہ شریف کی وجہ سے اہمیت حاصل کرنے کی کوشش

کی تھی۔ تحریکِ روشنائی ابتداً مذہب کے نام سے شروع ہوئی تھی اور بلاشبہ لفظ انصار قیادت کی اہمیت پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ اُسے مغلوں کی شخصی حکومت ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنی قوم کو زندہ، فعّال اور حکمران دیکھنے کا متمنّی تھا اور فطرتاً اس کی یہی خواہش رہی ہوگی کہ پٹھان جو ابتداً آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کا طوقِ غلامی زیبِ گلو نہ کریں مغل حکمران کسی ایسی تحریک کو برداشت نہ کر سکتے تھے خصوصاً ان حالات میں کہ خود سرزمینِ ہندوستان پر پٹھان اپنی ہستی منوا رہے تھے۔ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں تنگ آ کر ہمایوں ملک بدر ہو چکا تھا۔ پھر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو کوئی حکمران بھی اپنی سلطنت اور اپنے اقتدار کو اس قسم کی تحریک کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ سکتا تھا۔ مغلوں نے اس کا سدِ باب ضروری خیال کیا اور سیاسی حیثیت سے اُن کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

اب مشکل یہ درپیش تھی کہ یوسف زئی عہدِ بابر سے اطاعت پر آمادہ نہ کئے جا سکے تھے اور جب بایزید نے اُن پر اثر و رسوخ پیدا کر لیا تو اس قبیلہ کی اطاعت اور مغلوں کی مخالفت کو اور بھی تقویت ملی۔ ان حالات میں مغلوں نے یہی حربہ استعمال کیا کہ مذہبی تحریک کو مذہب ہی کے نام سے روکا جائے کیونکہ عہدِ اسلامی میں اکثر مخالفین کو مذہب ہی کے نام سے کچلا گیا اور تحریکِ روشنائی کے بعد تحریکِ مجاہدین اور اور تحریکِ آزادیٔ وطن کو بھی بالترتیب سردارانِ پشاور اور انگریز نے مذہبی فتووں کی آڑ لیکر ہی کچلنے کیلئے جنگ و دو کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداً اس تحریک کی مخالفت بعض

مخلص علماء نے جذبۂ خدمتِ اسلام سے ہی کی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کہ مغلوں نے اس مخالفت کو ہوا دی۔ در پردہ اُس کی سرپرستی ہوئی۔ سیم و زر کی بارش بھی لازماً کی جاتی رہی۔ نتیجہ یہ کہ ہمہ گیر مخالفت ہونے لگی۔ چند قائدین یا علماءؒ کی قیادت میں اس تحریک کو کفر و الحاد کا جامہ پہنا دیا گیا اس کے دُور رس نتائج کی طرف کسی نے فکر نہ کی اور مذہب کے نام پر آنکھیں بند کیے۔ اس قومی تحریک کو کچلنے کے لئے تگ و دو شروع ہوئی جو حقیقتاً انہیں منظم کر کے ایک سٹیج پر کھڑا کرنا چاہتی تھی۔ مذہب کے نام پر ایسی ہنگامہ آرائی ہوئی کہ عوام بیچارے موافق و مخالف میں تمیز نہ کر سکے اور طرفین خدمتِ اسلام کے نام سے ہی ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما نظر آئے۔

مختصر یہ کہ جب بحث و مناظرہ میں روشنائیوں کو شکست نہ دی جاسکی اور ان کے پیش کردہ دلائل و براہین کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہو گیا تو مخالف پروپیگنڈہ کو وسعت دینے کے ساتھ اسلحہ کا استعمال بھی شروع ہوا۔ اب مسلمان کے ہاتھوں مسلمان قتل ہونے لگا اور دونوں اپنے مقتولین کو شہداء کے مقدس ناموں سے پکارتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین کا پلڑا بھاری رہا۔ روشنائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو وہ اس علاقہ سے نکل کر آفریدیوں میں جا پہنچے جہاں اُسے ہمہ گیر حمایت حاصل ہوئی اور آفریدی، داؤد زئی، مہمند، خلیل، اورکزئی اور بنگش وغیرہ سب ہی ان کی پشت پناہی کرنے لگے۔

بایزید کی وفات پر قیادت شیخ عمر کے ہاتھ آئی۔ بایزید کی روح نکل جانے پر مغل مقاصد کی آبیاری ہونے لگی۔ اب بعض یوسف زئیوں میں بھی مغلوں کی حمایت کے جذبات پیدا ہوئے اور اگرچہ عام طور وہ مغلوں کے طرف دار نہ تھے تاہم ان کی حرکات اور اُن کا عمل مغلوں کے لئے مفید ثابت ہونے لگا ان حالات میں بھی بایزید کے لڑکے شیخ عمر اور اس کے بھائی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے چٹان کی طرح اس تحریک کی حمایت میں کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے اتحادِ ملت کی تحریک کی آبیاری میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی، لیکن اب علاقہ یوسف زئی میں مخالفت اس قدر شدت اختیار کر چکی تھی کہ اُن کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ انہوں نے اس تگ و دو میں متعدد جنگیں لڑیں اور مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آخری قابلِ ذکر معرکے ایسی حالت میں ہوئے جبکہ باجاہ، مینئ اور کوٹہ کے درمیان روشنائیوں کا کیمپ غلا میرو امان زئی، منڈڑ کی سرکردگی میں نصب تھا تو مخالفین نے اخون درویزہ کی قیادت میں موضع جھنڈا، بوقہ، مینئ اور ٹیلور میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ یہاں اجیر نامی پہاڑی پر کافی عرصہ تک شدید جنگیں لڑی گئیں جس میں روشنائیوں کو شکست ہوئی تو وہ براستہ روخان درہ موضع باڑہ جا پہنچے۔ اس جگہ روشنائیوں کی طاقت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مذکورہ جنگوں میں اپنے مرنے والے ساتھیوں کی وہ بہ اطمینان تجہیز و تکفین بھی کرتے رہے اور ان کا ایک بڑا مقبرہ اس وقت تک موضع باجا کے مشرق اور مینئ کے قریب مغرب

میں دکھائی دے رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ موضع باڑہ پر جو ٹوپی سے مشرق میں کوئی دو میل کے فاصلہ پر ہوگا، آخری جنگ لڑی گئی۔ اور یہی فیصلہ کن جنگ تھی جس نے اس علاقہ سے تحریک روشنائی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا تھا۔ بایزید کے چار لڑکے اس جنگ میں شریک بتائے جاتے ہیں۔ اس جنگ میں زیادہ تر حصہ قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اباخیل سولیزئی نے لیا جن کی قیادت ملک حمزہ خان کر رہے تھے۔ جب روشنائیوں کو شکست ہوئی تو بایزید کے بڑے لڑکے شیخ عمر کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا اور خیر الدین ایک ساتھی سمیت دریائے سندھ میں کود کر تربیلہ کے راستہ ہزارہ جا پہنچے لیکن ان کا ستارہ غروب ہو رہا تھا۔ یہ دونوں دلزاکوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تیسرے نورالدین نے بھاگ کر کشغر کی راہ لی تو وہاں وہ مخالفین کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنا۔ چوتھا نوعمر جلال الدین المعروف جلالہ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد دریائے سندھ میں کود گیا تھا لیکن ایک میل جانے کے بعد ہیہور کے پاس مخالفین کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس کی عمر اُس وقت اندازاً چودہ برس بیان کی جاتی ہے۔ اور عام خیال یہی ہے کہ وہ نوجوانی اور خوبصورتی کی وجہ سے مخالفین کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا اور قیدی کی حیثیت سے اکبر اعظم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

بایزید کی لاش کو ایک تابوت میں اس کے لڑکے، مریدین یا پیرو اپنے ساتھ لئے پھرتے تھے۔ اس جنگ میں وہ بھی مخالفین کے ہاتھ لگا۔ اور بایزید کے خاندان کی عورتیں بھی قیدی

کی حیثیت میں نظر آنے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ اخون درویزہ کی ہدایت سے اس لاش کو نذرِ آتش کرتے ہوئے راکھ دریائے سندھ میں پھینک دی گئی اور بایزید کی اہلیہ ایک ڈوم (میراثی) کے حوالہ کر دی گئی تھی۔

جلالہ کے گرفتار ہونے پر خود یوسف زئیوں کے ہاتھوں اکبر کے سامنے پیش کئے جانے اور اخون درویزہ کے اس موقع پر بایزید کے لاش کو نذرِ آتش کرنے کے حکم پر غور کرنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ اُس وقت ہوا کا رُخ کس طرف تھا اور مغل کس حد تک پٹھانوں میں مذہب کے نام پر مخالفت پیدا کرانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ یہی موقع تھا کہ اکبر نے دریائے سندھ کے کنارے مشہور قلعہ کی تعمیر شروع کرائی۔ جو ۱۵۸۳ء میں سرحدی استحکام کی شکل میں دکھائی دینے لگا۔ جس کے بعد اکبر نے یوسف زئیوں کو کچلنے کیلئے بار بار لشکر کشی کی جس کا ذکر انہی اوراق میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔

جلالہ ۱۵۸۱ء میں اکبر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو چونکہ مخالف قبیلہ اُسے زندگی بخش چکا تھا۔ اس نے بھی اُس کی نوعمری اور خوبصورتی کی وجہ سے اُسے معاف کر دیا، اپنے پاس مقیم رکھا اور اس طرح غالباً اُسے رام کرنا چاہا لیکن جلالہ اپنے باپ کا سا عزم و ارادہ رکھتا تھا۔ وہ شاہی دربار کی زندگی جو حقیقتاً نظربندی تھی برداشت نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی دربار اکبر سے بھاگ کر آفریدیوں کے پاس جا پہنچا۔ جہاں اُسے آفریدی داؤد زئی

مہمند، خلیل، اورکزئی اور بنگش نے آنکھوں پر بٹھایا۔
اکبر اعظم کے حکم سے جب مان سنگھ کابل پہنچا تو جلالہ نے پشاور پر حملہ کرتے ہوئے وہاں کے گورنر کو قتل کر دیا۔ خود مان سنگھ نے جب اُس کے خلاف اقدام کیا تو علی مسجد میں محصور ہو کر بمشکل تمام اٹک سے امداد پہنچنے پر وہاں سے نکل کر پشاور پہنچا۔ مختصر یہ ہے کہ علاقہ یوسف زئی سے نکل کر جلالہ نے آفریدیوں میں مقیم ہو جانے کے بعد اپنی زندگی میں اکبر اعظم کو آرام نہ لینے دیا۔

اکبر اعظم مسلسل اس تحریک کو مٹانے اور جلالہ کو گرفتار کرنے کیلئے اقدامات کرتا رہا۔ قتل و خونریزی میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی گئی تا آنکہ ۱۵۹۲ء میں بہ تعداد کثیر روشنائی مارے گئے یا گرفتار ہوئے۔ لیکن اس موقع پر بھی مغل لشکر جلالہ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا۔ اگرچہ اس کے اہل خاندان اور اس کی اہلیہ گرفتار کر لی گئیں۔ اس شکست عظیم کے بعد بھی اُس نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل اپنے عزائم کی تکمیل کیلئے مصروف عمل رہا حتیٰ کہ ۱۵۹۹ء میں اُس نے غزنی پر قبضہ کر لیا۔ اس جگہ میں تو وہ زندہ بچ رہا تھا، لیکن اچانک ایک اتفاقیہ چل جانے والی گولی نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تو تحریک روشنائی کی قیادت اس کے بھتیجے احداد بن شیخ عمر کے ہاتھ لگی۔

احداد بھی کسی طرح اپنے باپ اور دادا سے عزم و ارادہ میں پسماندہ ثابت نہ ہوا۔ اس کی اہلیہ جلالہ کی دختر تھی جسے اپنے باپ کی وراثت میں خوبصورتی، قابلیت،

جرأت اور بہادری سب کچھ مل چکا تھا۔ اس بہادر خاتون "بی بی الاھئی" نے اپنے خاوند کے ساتھ مل کر لشکر جمع کیا اور اتنی طاقت جمع کر لی کہ جہانگیر کا گورنر کابل شاہ بیگ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ بالآخر ۱۶۲۳ء میں مغلوں کا لشکر عظیم اس طاقت کو ختم کرنے کیلئے تیراہ کی طرف گیا۔ مغل کمانڈر غیرت خان مع کثیر ساتھیوں کو قتل ہوا۔ میدان احداد اور اس کی بہادر بیوی الاھئی کے ہاتھ رہا کشمکش جاری رہی۔ کوئی چھ سال بعد کوہاٹ کے جنوب کی طرف احداد پہاڑیوں کے ایک مورچہ سے دوسری طرف جاتے ہوئے مارا گیا تو اُس کا سر اور اُس کی انگوٹھی ۱۶۲۶ء میں اُس وقت جہانگیر کو پیش کیگئی۔ جبکہ وہ کابل کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔

خاوند کے قتل ہو جانے پر بھی بی بی الاھئی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور اپنے بیٹے عبدالقادر کو ساتھ لئے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے مصروفِ عمل نظر آئی۔ تھوڑے عرصہ بعد جہانگیر وفات پا گیا تو شاہ جہان کے عہدِ سلطنت میں مظفر خان نے بڑی شدت سے روشنائیوں پر حملہ کر دیا لیکن بی بی الاہئی اور عبدالقادر کی قیادت میں اس بہادری سے جنگ لڑی گئی کہ میدان روشنائیوں کے ہاتھ رہا۔ عہد شاہجہان میں پھر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ خود قبائلیوں میں رقابت پیدا کر دی گئی۔ بی بی الاھئی جو لشکر لیکر مقابلہ پر اُتری تھی اس خوف سے کہ کہیں امدادی قبائل وقت پر مغلوں کی حمایت شروع نہ کر دیں۔ اپنا لشکر لئے واپس تیراہ کی طرف

چل دی۔ اب حالات کو اپنے موافق نہ دیکھ کر اس نے افغان کمانڈر کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو معہ عبدالقادر اور اپنے بھائی رشید خان کے اُس کے حوالہ کردیا شاہجہان نے بڑی عزت و احترام سے باریاب کیا۔ اور بعد میں دکن میں انہیں مقیم کرنے کو روانہ کردیا تھا عبدالقادر تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی طبعی موت مرگیا۔ شاہجہان نے روشنائیوں کو عزت و احترام سے رکھا بعد میں رشید خان فرخ آباد کی طرف جا مقیم ہوا۔ اور ۱۶۴۶ء میں اُس نے وہیں فرشتۂ اجل کو لبیک کہا۔

اس طرح اس منظم تحریک کا خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ اُس کے بعد بھی آفریدیوں اور اورکزئیوں نے ایک عرصہ تک اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اوّل الذکر قبیلہ کے آزاد میر اور مؤخر الذکر قبیلہ کے ملک یوسف کا نام آج بھی قومی گیتوں اور ترانوں میں سنا جاتا ہے۔ تحصیل صوابی میں جلال درہ علاقہ خٹک میں چراٹ کے قریب جلالسر اور اٹک کی دو مشہور چٹانیں جلالیہ اور کمالیہ انہی روشنائیوں کی یادگار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بایزید نے اس تحریک کے ذریعہ پٹھانوں کو اپنے وطن کے تحفظ کیلئے متحد و متفق کرنے کی سعی کی تھی اُسے اس میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ اور اگر خود افغانوں میں مذہب کے نام پر اختلافات پیدا نہ کرائے جاتے یا وقت کے قائدین و علماء موقع کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر جنگ و جدل اور اختلافات کو ہوا دینے اور

مغلوں کی حمایت یا مخالفت کی شدت میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے سے احتراز کرتے تو لازمی امر تھا کہ تاریخ ہند کے اوراق ان عبارتوں سے کلیۃً مختلف دکھائی دیتے جو اس وقت نظر آرہے ہیں۔ بایں ہمہ آج کوئی موافق یا مخالف اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ پٹھانوں میں اتحاد اور حکمرانی کا جذبہ بھرنے میں اس تحریک نے نمایاں کام کیا اور اسی جذبہ کا اثر یا نتیجہ احمد شاہ ابدالی کی بادشاہت کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہوا جسے ایک مخالف انگریز بھی یوں تسلیم کرتا ہے کہ:۔

"بایزید روشنائی اپنا بلند نام چھوڑ گیا اور اگرچہ قبائلی مخالفت کا طوفان علاقہ یوسف زئی میں اس کے خلاف چل رہا تھا۔ پھر بھی اس کے بیٹوں اور پوتوں نے پہاڑیوں کے مضبوط قبائلی حمایت جمع کرلی تھی جس نے سالہا سال تک اُن کے جذبۂ آزادی کو زندہ رکھا اور جس نے اکبر اور جہانگیر کے اس علاقہ پر کنٹرول کرنے کے تمام ارادوں کو ناکام بنا دیا تھا۔"

اور پھر تاریخ ہند کا مصنف مسٹر ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ:۔

"اس وقت جو فرقہ وارانہ جذبات ابھارے گئے تو بعد میں اُن کے مذہبی رنگ کا مدھم پڑ جانا ضروری تھا۔ پھر بھی وہی قبائلیوں کے شدید جذبۂ آزادی کو قائم رکھنے کا باعث رہے اور انہی کی وجہ سے افغان قبیلے بڑی حد تک اپنی آزادی کو اس وقت قائم رکھے ہوئے ہیں۔"

حاصل مطالعہ

مولوی خانیم اللہ مرحوم یوسف زئی (جو ملی زئی میں دولت زئی کی ذیلی شاخ شیر پائے منڈی زئی سے نسلی تعلق رکھتے ہیں اور ان کا خاندان بونیر کے موضع کلپانی میں کئی پشتوں سے قاضی گھرانہ رہا ہے) کا بیان ہے کہ :۔

"اخون درویزہ کی تصانیف سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اور اُن کے ساتھی یا تو علم حقیق سے محروم تھے یا پیر تاریک کی دشمنی کے سبب پختون قوم کو بدنام کرنے کی سعی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض مقامات پر قرآنی تعلیمات کا بھی لحاظ نہیں رکھا اور ملک طالوت و حضرت داؤدؑ کو بھی بے داغ نہ چھوڑا حتیٰ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معاف نہ کر سکا۔ ملاحظہ ہو اخون درویزؒ کی تصنیف تذکرۃ الابرار والاشرار میں" احوال انساب افغانان" بداں اے فرزند ارجمند ..... کہ افغان از نسل مہتر یعقوبؑ اند ..... ملک طالوت نے حضرت داؤد کو جالوت کے قتل کرنے کے بارے میں ہدایت کی تو حضرت داؤد نے طالوت سے کہا کہ اگر میں جالوت کو قتل کروں تو تم مجھے اس کے قتل کے عوض کیا دوگے ؟ طالوت نے جواب میں کہا کہ میں تم کو اپنی بادشاہی سے نصف ملک دوں گا اور اپنی بیٹی بھی تم کو نکاح میں دوں گا۔ حضرت داؤد نے جب جالوت کو قتل کر دیا تو طالوت نے اپنی بیٹی تو حضرت داؤد کے نکاح میں دیدی لیکن نصف ملک اپنی بادشاہی میں سے

دینے کا وعدہ پورا نہ کیا اور بے وفائی کی۔ اس وجہ سے دونوں میں دشمنی پیدا ہوئی۔ طالوت نے حضرت داؤد کے قتل کا ارادہ کیا۔ طالوت کی بیٹی نے جو داؤد کی زوجہ تھی۔ حضرت داؤدؑ کو مطلع کر دیا۔ رات کو داؤد نے پانی سے بھری ہوئی ایک مشک اپنی چارپائی پہ رکھکر اُسے چادر سے چھپا دیا تاکہ معلوم ہو کہ داؤد اپنی چارپائی پر سوئے ہوئے ہیں۔ رات کو واقعی طالوت نے آکر تلوار کا ہاتھ مارا، مشک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور پانی بہہ گیا جیسا کہ بدن سے خون نکلتا ہے۔ مردم افغانان اسی طالوت کی نسل سے ہیں۔ اور طالوت کی طرح ہمیشہ وعدہ خلاف اور بیوفا رہے ہیں۔

اس کے برعکس قرآن کی سورۃ بقرہ پارہ دوم میں ملک طالوت کے بارے میں یوں درج ہے کہ :۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

یعنی اپنے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے اللہ فرماتے ہیں کہ تم سب میں سے طالوت کو پسند کر کے برگزیدہ و اشرف بنا کر بادشاہی کیلئے نامزد کیا اور وہ علم، قابلیت اور جسم میں بھی تم سب سے اچھا، سمجھدار اور رعب دار و موزوں ہے

اب غور فرمائیں کہ جس شخص کو خدا نے پسند اور نامزد کیا ہو تو اُس سے اس قسم کی نازیبا حرکت کیسے سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ فی الحقیقت اُن یہودیوں کی من گھڑت کہانی ہے جو ملک طالوت کو نہیں پسند کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد کے متعلق مذکورہ غلط بیانی ایک نبی کی توہین ہے۔ یہ

بات شانِ نبوّت کے خلاف ہے۔ کہ ایک نبی خدا کے راستے میں جہاد کو دنیا کے لالچ اور کسی عوض کی خاطر کرتا ہو۔ اللہ کے ہر نبی نے جس کارِ خیر کو کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں تم سے اس کام کے بدلے میں کچھ نہیں مانگتا۔ میرا عوض اور اجر خدا کے پاس ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ۔ حضرت داؤدؑ جیسا پیغمبر اور ایک کافر بادشاہ جالوت کے قتل اور جہاد فی سبیل اللہ کے عوض دنیاوی بادشاہت میں شرکت یا نصف ملک اور عورت کو قبول کرے۔ نعوذ باللہ!

این راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

اخون درویزہ آگے اسی مضمون میں لکھتا ہے کہ:۔

"حضرت رسول اللہ نے اسلام کے متعلق مختلف بادشاہوں اور قبیلوں کو دعوت نامے بھیجے تھے۔ آپؐ کی خدمت میں مختلف وفود آئے تھے۔ ان میں ایک وفد افغانوں کا بھی تھا جو ۸۰ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ سب ایمان لائے اور جب یہ اپنے وطن واپس گئے تو اُن کے اثر سے تمام اُولس افغانان ایمان سے مشرف ہوئے۔ جب حضرتؐ کو اُن کی صدق پسندی کی اطلاع ہوئی تو حضرتؐ نے انہیں اپنا نشان سپرد کیا۔ افغانان خدمت اقدس میں حاضر ہو کر محاربوں میں شریک ہوتے رہے اور جہاد میں خوب حصّہ لیا۔ ایک دن حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ روزِ قیامت سب افغان دوزخ میں جائیں گے۔ جب حضرت کی یہ حدیث افغانوں نے سنی تو سخت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ یہاں سے دور نکل جائیں۔ کسی نے افغانوں کی اس پریشانی کی خبر حضرتؐ

کو پہنچائی حضرتؐ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے یہ بات تمہارے متعلق نہیں کہی ہے" بلکہ جماعت اولادِ شما یعنی تمہاری اولاد کے متعلق کہی ہے، وہ تم سے بعد میں ہوں گے۔ کیونکہ وہ جُہّالِ محض ہوں گے۔ اور اس لئے کہ وہ بادشاہ کی فرمانبرداری سے انکاری ہوں گے۔ یعنی بادشاہ سے سرکش ہوں گے اور اس کا حکم نہیں مانیں گے"۔

قارئین خود اندازہ لگائیں کہ حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ افغانوں کو تو دوزخی کہا اور جب وہ حضرتؐ کے سامنے آئے تو حضرتؐ اپنے کہنے سے منکر ہوئے۔ کیا حضرتؐ اُن سے ڈرتے یا جھوٹ بولتے تھے۔ نعوذ باللہ! ہرگز نہیں۔ دوسری بات یہ کہ افغانوں کی پیدا ہونے والی اولاد جو اخون صاحب کے خیال میں ایک ہزار سال بعد مغلوں کے دور میں ہوگی بغیر کسی گناہ کے کرنے کے کیسے ان کیلئے دوزخ کا حکم صادر فرمایا۔ کیا اس خطرے کے پیشِ نظر کہ وہ بادشاہ سے نافرمان ہوں گے۔ اور کیا حضرت رسول اللہ بادشاہوں کے لئے بندگانِ خدا کو غلام اور تابعدار بنانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے، یا وہ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے۔ اور پھر دوزخ کا حکم اس قوم کیلئے جو مجاہدوں کی اولاد ہو اور اُن میں ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں علماء، مشائخ، اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین پیدا ہوں اور اشاعتِ دینِ اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہمیشہ کوشاں رہے ہوں اور بادشاہان بھی اس قسم کے کہ وہ صاف طور سے خدا کے باغی ہوں یا وہ ہمایوں اور اُس کے بیٹوں مرزا حکیم والئ کابل اور شہنشاہ اکبر

جیسے ہوں جن کے کردار کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اخون درویزہ کے ابتدائی بیان سے کہ افغان اولادِ مہتر یعقوبؑ اور بنی اسرائیل ہیں اور نیز یہ کہ افغان بطورِ وفد جاکر مسلمان ہوئے، ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن حضرت کی طرف یہ روایت منسوب کرنا کہ افغان دوزخی ہیں، حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر سراسر بہتان ہے۔ ایسی کوئی صحیح حدیث تو کیا کوئی روایت و خبر تک موجود نہیں۔ بوضع حدیث کی کوشش اور الصادقُ وَالمصدُوقُ پر بہتان طرازی صرف اس غرض سے ہے کہ مغل بادشاہوں کیلئے مذہب کی آڑ میں راہ ہموار کیجا دے اور یہ مقصد شاید اُس کے خیال میں تب پورا ہوجاتا کہ وہ حضرتؐ پر افتراء اور جھوٹ باندھے اور شاید اُسے اِس مشہور حدیث کے متعلق خیال نہ رہا ہو کہ اگر کسی نے قصداً حضرتؐ پر جھوٹ اور افترار باندھا تو اُس نے اپنے لئے دوزخ میں جگہ خریدلی۔ شاید اخون صاحب دوزخ سے اس لئے بے خوف تھا کہ اس کے زعم میں جنت اور دوزخ کا اختیار اُس کے پاس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس کا کوئی ہم خیال فوت ہوا تو اُس نے کہا بجنت رسید اور بدخواہ کے لئے کہا کہ بہ دوزخ رسید، گویا کہ وہ میت کے ساتھ جاکر جنت یا دوزخ میں اُسے داخل کرکے واپس آیا ہو۔

مَن کَذَبَ عَلیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

اخون درویزہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

" جب کبھی حکام اسلام کو اُن پر دسترس حاصل ہو تو وہ اُن (پٹھانوں) کے مردوں کو قتل کریں، اُن کی مستورات کو لونڈیاں

بنائیں اور اُن کے مال کو حلال سمجھ کر کھائیں ..... اُن کے مُردوں کو غسل نہ دیا جائے تاکہ کوئی انہیں مسلمان نہ سمجھ سکے "

ایک اور بات قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کریم ہدایت کرتا ہے کہ جو کوئی شخص اپنے آپ کو مؤمن کہے اور تم پر سلام کہے تو تم اس شخص کو یہ مت کہو کہ " لَستَ مُؤمِنًا " یعنی تم مؤمن نہیں ہو، لیکن خدا کے اس حکم و ھدایت کے باوجود اخون درویزہ نے بہت سے مسلمان لوگوں کو ملعون اور کافر کے نام سے یاد کیا ہے حالانکہ وہ لوگ اپنے آپ کو مؤمن کہتے تھے۔ اگر معترض کہے کہ وہ جھوٹ سے اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتا ہے تو کیا معترض نے اس کا سینہ چاک کیا تھا " ھَلاَّ شَقَقْتَ قَلْبَہٗ " تعجب یہ کہ اخون درویزہ اور اس کے ساتھی دشمنی میں افغانوں کے ساتھ مغل حکمرانوں سے دو قدم آگے تھے۔ اگر مغل حکمرانوں نے کبھی سزا دینے میں کوتاہی کی تو اُن صاحبان نے بادشاہوں سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ مثلاً دربارِ کابل میں جب بایزید کو مذہبی الزام کے سبب کابل کے قاضی اور اس کی مجلس علماء کے پاس پوچھ پاچھ اور مباحثہ کے لئے مرزا حکیم بادشاہ کابل کے حکم سے پیش کیا گیا تو انہوں نے مباحثہ کیا اور اُس سے بیان لینے کے بعد فیصلہ اس کے حق میں دے کر رہا کیا گیا تو اخون درویزہ نے اس فیصلہ پر ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ انہوں نے قتل کرنے کا حکم کیوں صادر نہیں کیا۔ اسیطرح اکبر بادشاہ سے ناراضگی کا سبب بھی صرف یہ تھا کہ اس نے جلالہ کو قتل نہ کیا

اور اسے زندہ چھوڑ دیا۔

؎ بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

خلاصہ یہ کہ قارئین پر واضح کرتا ہوں کہ میں بایزید کا مرید ہرگز نہیں ہوں اور نہ مجھے اس سے کچھ غرض ہے کہ وہ پیر روشن تھے یا پیر تاریک۔ اور نہ مجھے اس کی صفائی مقصود ہے بلکہ افسوس اس بات کی ہے کہ اخون درویزہ وغیرہ کے سیاسی اختلافات کے سبب سے، جسے انہوں نے مذہب کا رنگ دیا تھا ہزاروں کی تعداد میں قبیلہ یوسف زئی کے سادہ لوح اور بے لوث لوگ ناجائز طور پر قتل ہوئے۔ اُن میں اختلافات پیدا کر دیے گئے۔ اور آپس میں لڑوا دیا۔ حتیٰ کہ وہ اتنے کمزور کئے گئے کہ جس بادشاہ کیلئے راستہ ہموار ہو رہا تھا، اور جس کے آنے کے وہ منتظر تھے، وہ آپہنچا اور یوسف زئی کے ملک پر قبضہ کر لیا اور جگہ بہ جگہ قلعے بنائے اور قتل و غارت کر کے علاقے کو تباہ و برباد کیا اور جگہ بہ جگہ کلہ مینار بنائے اور ایسا کوئی شخص زندہ اور دارو گیر سے نہ بچ سکا جس سے اکبر بادشاہ کو اپنے زعم میں خطرہ لاحق ہو۔ قلعہ اٹک وتھانہ نوشہرہ اور قلعہ پشاور وغیرہ افغان قیدیوں سے بھر دیے گئے۔ غلہ تباہ کر ڈالا، بھوک سے لوگ چمڑا اور گھاس کھانے لگے۔ بچوں کو بھوک اور افلاس کی سبب معمولی داموں میں بیچنے لگے۔ الغرض اتنی تباہی ہوئی کہ لکھنے سے جی گھبراتا ہے۔ ان بربادیوں کا ذکر اخون درویزہ نے خود بھی کیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس جرم میں ہوا کہ افغانوں نے مغل بادشاہوں

کے دشمن بایزید کو اپنے ہاں مقیم کر کے دوست بنالیا تھا۔ اور خود اس کے حامی بن گئے تھے۔

الغرض یہ سب کچھ ہونے کے بعد قبیلہ یوسف زئی کو ہوش آیا اور سخت پشیمان ہو گئے۔ خدا کے حضور میں دعائیں مانگیں، روئے، عاجزی اور توبہ کی تو بمشکل توبہ منظور ہونے کے بعد خدا کے فضل و کرم سے وہ درپردہ منظم ہو کر اکبر بادشاہ کے خلاف سخت بغاوت کر کے بہت تکلیفوں کے ساتھ اپنے وطن کو اکبر کی فوجوں اور اس کے اثر سے خالی کرالیا۔ اخون درویزہ بھی چند ساتھیوں سمیت یہاں سے نکلنے پر مجبور ہو کر پشاور میں زیر سایہ مغل مقیم ہوئے، جہاں انہوں نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن ہوئے۔

یوسف زئی کی تحریکِ روشنائی میں دوبارہ شمولیت :۔ مغل درباری مؤرخین کے زبانی مولوی ذکاء اللہ دہلوی مصنف تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبالِ اکبری میں شہنشاہ اکبر کے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

۹۹۶ھ میں جلالہ روشنائی مغل سپاہ سے جب تنگ ہوا تو وہ تیراہ سے یوسف زئی کی بنگاہ میں چلا گیا اور انہوں نے اُس کو اپنے ہاں جگہ دیدی۔ روشنائی افغانوں اور یوسف زئی نے مل کر آمادہ پیکار ہوئے۔ اُولس گگیانی اور محمد زئی بھی روشنائی افغانوں اور یوسف زئی کی ہم داستان ہو لیے اور بگرام کے نزدیک محمد قلی ترمان کے پیچھے پڑیں تاکہ اس تمام ملک پر اُن کو غلبہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلالہ پھر تیراہ چلا گیا اور یہاں علاقہ یوسف زئی میں اپنا قائم مقام اپنے

خویش وحدت علی کو چھوڑا۔ وحدت علی جلالہ کے خویش نے یوسف زئی کی مدد سے ۱۰۰۱ ھ میں قلعہ کشتان اور کچھ حصہ کافروں کی ولایت کا بھی فتح کر لیا تھا۔"

الغرض ؛۔

بایزید سے اتنا شکوہ نہیں ہونا چاہیئے جتنا کہ اخون درویزہ اور اُن کے ساتھیوں سے، کیونکہ یوسف زئی اُن کو اپنا خیر خواہ اور مذہبی پیشوا سمجھتے تھے۔ لیکن " ہر چہ باما کرد ایں آشنا کرد"، اس کے برعکس بایزید نووارد اور باہر ملک کا آدمی تھا۔ چونکہ بایزید مغل اقتدار کا دشمن تھا۔ اور قبیلہ یوسف زئی کے لوگ بھی مغل دشمنی میں آگے آگے تھے۔ لہٰذا دونوں کا دشمن ایک اور مشترک ہونے کے سبب یہ آپس میں دوست بن گئے اور دستور ہے کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یوسف زئی نے اُس کو اپنے یہاں قیام کے لئے جگہ دی۔ یوسف زئی کیلئے اس کی موجودگی کی وجہ سے مغلوں سے اپنے علاقے کی حفاظت کا کام آسان ہو گیا۔ اس وجہ سے یوسف زئی بایزید کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آئے تھے۔ یوسف زئی نے بایزید کو اپنے ہاں قیام کے موقع کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ اس پر یوسف زئی کا کوئی احسان نہیں، کیونکہ پٹھانوں کا دستور ہے کہ اُن کے ہاں کوئی آئے یا اُن کے ہاں کوئی سکونت پذیر ہو یا اُن سے کوئی پناہ مانگے تو اس کی حفاظت اُن پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس لئے بایزید سے شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔

البتہ اخون درویزہ اور اس کے ساتھیوں سے شکوہ

بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انہیں کو یوسف زئی نے غیر وطن سے آنے پر آباد کیا۔ اُن کو زرعی زمین دی، سکونت کیلئے مکانات دیے۔ اور اس سے بڑھ کر اُن سے رشتے جوڑ لئے انہیں اپنے دل کے ٹکڑوں سے نوازا، انہیں اپنا بزرگ سمجھا، ان کی عزت کی، اُن کا حوصلہ بڑھایا، ان پر مکمل اعتماد کیا، اُن کے رزق اور ذریعہ معاش کا انتظام کیا، انہیں ہمیشہ عزت کے مقام پر بٹھایا۔ افسوس کہ اس کے باوجود اُن کی زبان سے، اُن کے قلم سے اور اُن کے لعن وطعن سے کوئی پختون محفوظ نہ رہا۔ افسوس کہ " از ماست کہ بر ماست"؛

ے پوهیږم چه خر سیلوب م یوسی
په لمبوزن جانان به وېره نازیږمه

پٹھانوں کے اعمال

اس خیال سے ہرگز نہیں کہ میں پختون ہوں بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ پختونوں کے وہ برے اقوال و اعمال جو اخون درویزہ صاحب نے اپنی تصانیف میں پختونوں سے منسوب کئے ہیں، قطعاً غلط، بے بنیاد، بے سروپا اور سراسر افترا ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس افغان وعدہ کے سخت پابند، خوف خدا سے اُن کے سینے معمور، دین اسلام کے شیدائی، مجاہد، مظلوم کے حمایتی اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے والے، صاف گو، ایماندار، پکے مسلمان، امانت دار، دوستی میں مخلص، احسان و بخشش اور درگزر کرنے والے، آزاد زندگی گزارنے کے عادی اور غیر کی حکومت سے ناآشنا اور اپنے علماء و مشائخ اور سرخیلوں کے فرمانبردار تھے۔ الغرض

اس افغان قوم میں وہ تمام خوبیاں اُس وقت بھی موجود تھیں جو ایک کامل انسان اور صحیح مسلمان کیلئے ضروری ہوتی ہے۔

"ولاکن قلم درکف دشمن است"

ان کے دشمن ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالتے اور سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام کرتے رہے۔

جاوید احسن خان "ندائے افغان ملتان" میں افغانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"پٹھانوں کی زندگی دشت کی طرح سادہ اور پہاڑوں کی طرح عظیم ہوتی ہے۔ وہ اپنی دنیا کے آپ بادشاہ اور غیر کی طاقت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ہتھیار سے محبت اور عورت کی نسوانیت کی حفاظت اُن کا وصف خاص ہے۔ مذہب اور عزت کے معاملے میں سر سے گزر جانا ان کا جوہر مردانگی ہے ان کی مہمان نوازی اور دوست داری ضرب المثل ہے۔ محنت اور غیرت اُن کے خون میں شامل ہے۔ ان کی شخصیت میں قوت اور شوکت اور آواز میں آزادی کی گونج پائی جاتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنا طرۂ دستار تاج شاہی سے کم نہیں جانتے"

؎ تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

حرفِ آخر

آخر میں گذارش ہے کہ کسی علاقہ، ملک یا قوم کی تاریخ مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ اُس علاقہ یا قوم کی پرانی دستاویزات دستیاب نہ ہوں یا ناپید ہو چکی ہوں اور صدیوں سے اس طرف توجہ نہ دی گئی ہو۔ بدیں وجہ زیر مطالعہ اوراق میں فروگزاشتوں کا ہونا ناگریز ہے۔ ان حالات میں ہم قارئین سے یہی گذارش کریں گے کہ وہ ان پر ہمدردانہ نظر ڈالیں اور نکتہ چینی کرنے کی بجائے ہمیں کوتاہیوں اور فروگزاشتوں کی طرف متوجہ کریں، اور مستند معلومات اور اپنے نیک مشوروں سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع دیں تاکہ اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن کو اور زیادہ دلچسپ بنایا جا سکے۔

"یوسف زئی قوم کی سرگزشت" کے شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات سے عبرت اور سبق حاصل کیا جائے، اور قبائلی چپقلشوں اور جنبہ داری کی کشمکش اور چھیڑ چھاڑ کی بجائے سارے پختون ایک اسلامی وحدت میں پرو دیئے جائیں اور مشترک برادری اور مساوات کا وہ اسلامی جوہر پھر سے زندہ کر دیا جائے جس نے پختون قوم کو بہت زمانے تک دنیا کی قوموں میں افضل اور سرفراز کیا تھا ——————— والسلام

از

روشن خان

موضع نواں کلی تحصیل صوابی ضلع مردان

پشاور

بروز اتوار ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۵ ہجری مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۸۵ء عیسوی